

شرح دیوانِ غالب

اشعارِ غالب کی نہایت آسان فہم شرح



شارح : سید غضنفر علی غضنفر

PDF & Title By : Ghulam Mustafa Daaim

شرح دیوانِ غالب

اشعارِ غالب کی نہایت آسان فہم شرح



شارح : سید غضنفر علی غضنفر

PDF & Title By : Ghulam Mustafa Daa'im

شرح دیوان غالب

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا ۱ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
کاو کا دخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ ۲ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
جذیبے اختیار شوق دیکھا چاہئے ۳ سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے ۴ مدعا عمقا ہے اپنے عالم تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیر پا

— ۵ —
 ہوئے آنکس دیدہ ہے علاقہ مری زنجیر کا

۱۔ منجملہ دیگر صفات کے مرزا صاحب کی بلاغت اور طرز بیان کی جدت بھی ایسی صفت
ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کو اکثر شعرا سے ممتاز بنا دیا۔ اس شعر میں یہ دونوں خوبیاں بدرجہ
اتم موجود ہیں۔ شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ حجاب مخلوق اپنی بے ثباتی پر فریاد کر رہی ہے۔

نقشہ ہے :- نقش سے مراد ہے مخلوق کس کی شوخی تحریر کا - یعنی نقاش کی تحریر کا - شوخی تحریر سے مراد ہے زندگی کی بے ثباتی - پہلے مصرع کا مطلب یہ ہوا کہ موجودات عالم نقاش (خداوند تعالیٰ) کی فریادی ہے - اس لئے کہ اس نے ایسی ناپائیدار زندگی بخشی ہے کہ کاغذی ہے پیرہن - ایران میں دستور تھا کہ فریادی دربار میں کاغذ کا لباس پہن کر جاتا تھا - لفظی طور پر پہلے مصرع میں لفظ فریادی کی رعایت ہے معنوی حیثیت سے مراد بے ثباتی ہے - کیونکہ کاغذ کا بننا ہوا لباس بہت جلد کھٹ جائیگا اور فنا ہو جائے گا -

ہر پیکر تصویر سے مراد ہے دنیا کی ہر ایک چیز۔ مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی ہر ایک چیز بہت جلد فنا ہونے والی ہے۔ اس لئے وہ فریادی ہے نقاش کی۔ مرزا صاحب نے جس خوبی سے ایک نہایت پاکیزہ خیال کو نہایت پاکیزہ الفاظ میں ادا کیا ہے اس کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے

۴۔ کاو کاو۔ کاوش + مطلب :- چونکہ میں سخت جان ہوں اور سخت سے سخت تکلیفوں میں بھی مجھے موت نہیں آتی اس لئے شبِ فرقت کی کاہشیں مجھے برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اور وہ کاہشیں ایسی سخت ہیں کہ میں انہیں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے نہ پوچھ۔ بس اتنا اشارہ کافی ہے۔ کہ تنہائی میں شام کا صبح کرنا یعنی شبِ فرقت کا کاٹنا ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ فریاد کے لئے جوئے شیر کالانا تھا۔ کہتے ہیں شیریں کی فرمائش پوری کرنے کے لئے فریاد نے پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر جاری کی تھی ۵۔ میرے شوق (عشق) بے اختیار جذبہ کا یہ اثر ہے کہ اُس نے قاتل کی شمشیر کے دم (آب) کو سینہ سے باہر کھینچ لیا ہے۔ آبِ شمشیر ہمیشہ شمشیر کے اگلے بیرونی حصہ پر ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے عشق کا جذبہ بے جان چیزوں مثلاً شمشیر پر بھی ایسا اثر رکھتا ہے +

۴۔ آگہی کے معنی میں عقل و فہم۔ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی عقل و فہم میرے اشعار کے سمجھنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کرے مگر ان کا پورا مطلب سمجھنے سے قاصر رہے گی + عنقا۔ ایک فرضی پرندہ ہے +

۵۔ آتش زیر پا۔ فارسی محاورہ مطلب بچپن اور بیقرار ہونا + موئے آتش دیدہ۔ وہ بال جس کو آگ پر رکھا گیا ہو۔ بال کو آگ پر رکھنے سے بال کچھ عرصے تک جل کھاتا رہتا ہے، شعر کے معنی یہ ہوئے کہ میں اسیری میں بھی اتنا بچپن اور بیقرار ہوں کہ میری بیقراری کی وجہ سے میری زنجیر کا حلقہ بھی نرم ہو کر موئے آتش دیدہ کی مانند ہو گیا +

خیز قیس اور کوئی نہ آیا بردے کار ۱ صحرا مگر بہ تنہی چشم سود تھا
 آشفتگی نے نقش سوید کیا درست ۲ ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا
 تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ ۳ جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا
 لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز ۴ لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا
 دھانپا کفن نے داغ عیوب بڑھائی ۵ میں ورنہ ہر لباس میں تنگ وجود تھا
 تپتے بغیر مرنے سکا کوہ کن اسد
 سرشتہ خماری رسوم و قیود تھا ۶

۱۔ یہ شعر طنز یہ ہے فرماتے ہیں کہ قیس کے سوا جنوں عشق کے ہاتھوں کوئی شخص بھی
 صحرا نورد نہ ہوا۔ کیا صحرا بھی حاسدوں کی آنکھ کی طرح تنگ تھا۔ یعنی اس میں قیس کے سوا
 اور کسی کیلئے گنجائش ہی نہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق صادق ہونا بہت مشکل ہے۔
 ۲۔ سویدائے (دل) کا کالا دھتہ ۳ شاعر فرماتے ہیں کہ میری پریشانی دل نے
 میرے دل پر کالا دھتہ پیدا کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ میرے دل کی آہوں کے
 دھوئیں سے میرے دل پر داغ ہو گیا۔ آشفتگی اور دھوئیں کی رعایت ملاحظہ ہو
 دھواں بھی آشفتہ ہوتا ہے۔

۳۔ خواب سے مراد ہے خوابِ زندگی ۴ غالب صاحب فرماتے ہیں کہ میرا خیال زندگی میں بھی تجھ
 سے وابستہ تھا۔ اور اسی لئے کبھی جدائی کے صدمے اٹھاتا تھا اور کبھی وصل کے وعدوں پر
 خوش ہوتا تھا جب خوابِ زندگی ختم ہوا تو سونے کے بعد نہ ہجر کا غم ہے نہ وصل کی خوشی۔
 ۴۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے آپے انتہائی بے خبری اور اپنی بخودی کا اظہار کیا ہے۔ فرمایا
 ہے کہ مجھے اپنے دل جیسے عزیز چیز کے جانے کا بھی اب نہایت معمولی سا غم ہے صرف یہ مجھے
 اینک یاد ہے کہ میرے پاس دل تھا اور چلا گیا۔ اس کے علاوہ مجھے دل کے جانے کا
 کوئی خاص غم نہیں جیسے کہ مبتدی صرف یہ یاد کر لیتے ہیں کہ رفت سے معنی گیا۔ اور بود

کے معنی تھا۔ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رفت اور بود میں کونسا زمانہ پایا جاتا ہے اور کن مصدر وں سے حاصل ہوئے ہیں +

۵۔ اس شعر میں کسر نفسی ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں میں اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود تمام عمر اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے بنی نوع انسان کے لئے بے عزتی اور بدنامی کا سبب رہا۔ ہر لباس سے مراد ہر ایک حالت میں۔ لباس کے لفظی معنی بھی درست ہو سکتے ہیں یعنی زندگی میں کوئی لباس بھی میرے عیبوں کو نہ ڈھانپ سکا۔ مرنے کے بعد رکفن ہی میرے عیبوں کو چھپا سکا +

۶۔ پہلے مرزا صاحب اسد خاں فرماتے تھے۔ اس شعر میں فریاد کوہ کن پر چوٹ کی گئی ہے۔ فریاد نے جب شیریں کی وفات کی خبر سنی تو تیشہ سے سر پھوڑ کر مر گیا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فریاد کا عشق کامل نہیں ہوا تھا۔ کامل ہونا تو تیشہ کی ضرورت نہ ہوتی۔ خبر سنستے ہی غم سے مرجاتا معلوم ہوا کہ دنیا کی رسم و رواج سے پوری نجات حاصل نہ کر سکا تھا اور عشق کامل نہ ہوا تھا + خمار اس حالت کو کہتے ہیں جب نشے کا آثار شروع ہوتا ہے +

(۳) ✓

۱۔ کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑ پایا ۱ دل کہاں کہ گم کیجئے ہم نے مدعا پایا
۲۔ عشق سے طبیعت نے زلیست کا مزہ پایا ۲ درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا
۳۔ دوستدار دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم ۳ آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
۴۔ سادگی و پرکاری بخودی و ہشیاری ۴ حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا
۵۔ غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل ۵ خون کیا ہوا دیکھا، گم گیا ہوا پایا
۶۔ حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی ۶ ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا
شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزہ پایا

۱۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے معشوق کی طفلانہ شوخی اور سادگی دونوں کا اظہار فرمایا ہے شوخی اس لئے کہ بچے کوئی چیز شرارت سے اٹھایا چڑھتے ہیں۔ اور سادگی اس لئے کہ وہ اس کا اظہار اس طور پر کر دیتے ہیں کہ اگر ہمیں تمہاری چیز پڑی تو ہم نہ دینگے۔ مرزا صاحب معشوق سے فرماتے ہیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر ہم نے دل پڑا پایا تو ہم نہ دینگے۔ تو آپ کے اس کہنے سے ہم نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ یعنی ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہمارے دل لازماً آپ نے ہی چڑھایا ہے۔ ہمارے پاس تو دل ہی نہیں۔ آپ چوری کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے پڑا پایا تو ہم نہ دینگے۔

۲۔ صرف عشق کی بدولت ہی طبیعت نے زندگی کا مزا حاصل کیا۔ کیونکہ عشق سے دیگر تمام غمہائے روزگار فراموش ہو گئے۔ صرف عشق ہی کا درد (غم) رہ گیا۔ لیکن یہ ایسا درد ہے جو لا دوا اور لا علاج ہے۔

۳۔ اس شعر میں مرزا اکتے تخیل ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں میرا دل میرے دشمن (معشوق) کا دوست ہو گیا۔ اس لئے مجھے دل پر اعتماد نہیں رہا۔ دوسرے مصرعہ میں اس کا ثبوت دیا ہے۔ فرماتے ہیں چونکہ دل میرا ساتھی نہیں ہے اس لئے میری آہ بے اثر اور میرا نالہ نارسا ہے۔ جب تک دل سے آہ و نالہ نہ کیا جائے اثر کہاں۔

۴۔ یہ شعر بھی بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ پرکاری بمعنی عیاری۔ شعر کا مطلب ہے کہ حسن یعنی معشوق سادگی میں بہت عیار ہے اور بخودی میں بہت ہوشیار۔ اس کی سادگی اور بے خودی محض عاشقوں کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے۔ ورنہ درحقیقت معشوق بہت چالاک اور ہوشیار ہوتا ہے۔

۵۔ طرزِ ادا کی جدت ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں بہار آگئی اور غنچہ کھلنے لگا۔ مگر یہ غنچہ نہیں ہے درحقیقت یہ ہمارا دل ہے جو آنسو بن کر بہ گیا تھا۔

۶۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنے دل کا کچھ حال معلوم نہیں صرف اس قدر جانتے ہیں

کہ ہمارے پاس نہیں اور ہم اُسے بارہا ڈھونڈتے ہیں۔ اور تمہارے پاس ہر وقت موجود ہے۔ تم اُسے بارہا پاتے ہو۔

۷۔ ناصح کی نصیحت نے میرے زخمِ دل پر نمک چھڑکا۔ یعنی میرے دل کو بہت زیادہ تکلیف دی۔ حضرت ناصح سے کوئی پوچھے کہ انہیں کیا مرہ ملا۔ یعنی کیا حاصل ہوا؟

۷۰۹ am ۱۵ (۷)

دل مرا سوزِ بہاں سے بے محابا جل گیا ۱ آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں ۲ آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی بچے ہوں ورنہ غافل بارہا ۳ میری آہ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا
عرض کیجئے جو سہرا ندیشہ کی گرمی کہاں ۴ کچھ خیال آیا تھا جہشت کا کہ صحرِ اجل گیا
دل نہیں تھکودکھاتا ورنہ داغوں کی بہار ۵ اس چراغاں کا کردل کیا کار فرما جل گیا
میں ہوں اندِ فسر دگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہل دُنیا جل گیا ۶

۱۔ میرا دل سوزِ بہاں سے بے پردانی کے ساتھ جل گیا۔ مطلب یہ کہ اُس کو جلتے ہوئے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔ گویا آتش خاموش کی مانند جل گیا۔ آتش خاموش وہ آگ جس میں شعلہ نہ اُٹھے۔

۲۔ مطلب یہ کہ میرے دل میں عشق کی ایسی آگ بھڑکی کہ اُس نے دل کے ساتھ ذوقِ وصل اور یادِ یار کو بھی بجلا دیا۔ انتہائے مایوسی میں کوئی امید نہیں رہتی۔

۳۔ عنقا ایک معدوم پرندہ ہے۔ شاعر صاحب فرماتے ہیں کہ اب تو میں عشقِ حقیقی میں سرحدِ عدم کو بھی عبور کر چکا ہوں۔ لیکن جب میں سرحدِ عدم میں تھا جہاں عنقا بھی تھا تو اسے غافل جو میری آہ کو بے اثر سمجھتا ہے تجھے جانتا چاہئے کہ میری آہ کے اثر سے کئی بار عنقا کا بازو بھی جل گیا۔

۴۔ جو ہر اندیشہ۔ فکر کا جو ہر یعنی کلام میں اپنے کلام کی گرمی کا بیان کہاں جا کر کروں کیونکہ اس میں اتنی گرمی ہے کہ اس کے ذکر سے بھی آگ لگ جائے گی۔ اور بہت سی جانبیں ضائع ہو جائیں گی۔ اس خیال سے میں نے صحرا میں جا کر اپنے کلام کی گرمی بیان کرنا چاہا لیکن یہ خیال آتے ہی صحرا میں آگ لگ گئی۔

۵۔ معشوق سے خطاب ہے کہ میرے پاس اب دل نہیں وہ تو آتش عشق سے جل چکا ورنہ تجھے داغوں کی بہار دکھاتا یعنی میرے دل پر بہت سے داغ تھے۔ اب یہ کچھ داغ جو جا۔ ٹیپے بل کے قریب رہ گئے ہیں ان کا کیا کر دوں جب کار فرما (دل) ہی جل گیا۔ مطلب یہ کہ اب بہت تھوڑے داغ موجود ہیں اور تو ان سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔ چراغاں۔ بہت سے چراغ جو کسی حاکم کی تخت نشینی یا کسی اور تقریب پر روشن کئے جاتے ہیں۔

۶۔ اہل دنیا کی منافقت نے میرے دل کو جلا دیا یعنی دنیا والے ظاہر میں میرے دوست بنے ہوئے ہیں اور باطن میں مجھ سے حسد کرتے ہیں۔ ان کے اس رویہ سے میرے دل پر بُرا اثر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ منسی مذاق کروں بلکہ افسردہ رہنا چاہتا ہوں۔

(۵) شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا ۱ قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب ۲ تیر بھی سینہ بسلی سے پُرافشاں نکلا
جئے گلِ نالہ دل، وود چراغ محفل ۳ جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا
دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذت درد ۴ کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا
ہے نو آموز فنا ہمت دشوار پسند ۵ سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا
دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا ۶

۱۔ شوق + عشق + ہر رنگ بمعنی ہر حال + مطلب یہ کہ عشق ہر حال میں سر و سامان دینا ہی
کا دشمن نکلا۔ یہاں تک کہ قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں رہا۔ ظاہر ہے کہ جنوں عشق
سماں دنیا کا دشمن ہے۔ عشاق کو جنوں عشق میں سوائے معشوق کے اور کسی چیز سے
واسطہ نہیں رہتا۔ خصوصاً قیس جو مجنوں ہو گیا تھا اور دیوانے عریاں رہا ہی کرتے
ہیں۔ غالب صاحب نے تصویر کو ایک پردہ قرار دے کر پردے میں بھی قیس کی عریانی
ظاہر فرمائی ہے +

۲۔ فرماتے ہیں زخم نے تنگی دل کو دور نہ کیا۔ اور تیر بھی سینہ بسل سے قطع تعلق کیسے
یعنی گھبرا کر باہر نکل آیا۔ پر افشاں دن کے معنی قطع تعلق کرنا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ تیر کا
زخم تنگی دل کو دور نہ کر سکا۔ یعنی دل کو کشادہ نہ کر سکا اس لئے خود تیر بھی سینہ بسل سے قطع
تعلق کر کے باہر نکل آیا۔ تیر نے اس وجہ سے قطع تعلق کیا۔ کہ وہ تنگی دل سے گھبرا گیا
اس شعر میں زخم تیر کی توہین ہے کہ وہ تنگی دل کو دور نہ کر سکا +

۳۔ اس شعر میں معشوق کا سخت ظالم اور بی وفا ہونا ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک
بہن ہی تیر سے ظلم اور بی وفائی کا شکار نہیں ہوں بلکہ بھان چیزیں بھی جن کا تعلق تجھ سے
اور تیری محفل سے ہوتا ہے تیر سے ظلم سے پریشان ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ بوسے گل نہ
دل اور چراغ کا دھواں نظری طور پر پریشانی ہونے والی چیزیں ہیں۔ غالب صاحب
ان کی پریشانی کا باعث معشوق کی بی وفائی اور جفا قرار دیتے ہیں +

۴۔ مادہ بمعنی دسترخوان + لذت درد۔ بمعنی لذت عشق یہاں داستان عشق یعنی سخن
عشق سے مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا حسرت زدہ دل شاعری کے (الواج و الفناء
کے کھانے) جذبات کا دسترخوان تھا۔ یاروں کو یعنی میرے دوستوں کو اور شاگردوں کو
ان کی قابلیت اور شوق کے مطابق مل گیا۔ یعنی ہر ایک نے اپنی استطاعت اور شوق
کے مطابق حاصل کر لیا۔ کام اور لب و دندان کی رعایت ملاحظہ ہو +

۵۔ میری دشوار پسند طبیعت کیلئے درس فنا حاصل کرنا ایک نہایت معمولی سی بات ہے۔ میرے لئے بڑی مشکل ہے کہ ایسا سخت کام بھی میرے لئے بہت آسان ہے +

۶۔ غالب صاحب فرماتے ہیں کہ پھر گریہ کا جو شش اٹھا۔ اور پہلے گریہ کو ضبط کرنے سے جو آنسو کا قطرہ گویا تھا وہ طوفان کے برابر نکلا۔ قاعدہ ہے جب انسان گریہ کو ضبط کرتا ہے تو اس وقت تو گریہ پر قابو پا لیتا ہے مگر کچھ عرصے بعد پھر گریہ کا طوفان سا اٹھتا ہے اور انسان زار و قطار گریہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے +

(۶)

دھکی میں مر گیا جو نہ باب نبرد تھا عشق نہایت نبرد پیشہ طلبہ کار مرد تھا
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا رکھا ہوا ۱ اڑنے سے شیر بھی مرانگ زور تھا
تالیف نسیمائے وفا کر رہا تھا میں ۲ مجموعہ خسیساں ابھی فرد فرد تھا
دل تاجگر کہ ساحل دیئے خون ہے اب ۳ اس رہگذر میں بلوہ گل آسے گرد تھا
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہ عشق کی ۴ دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
احباب چارہ سازئی وحشت نہ کر سکے ۵ زنداں میں بھی خیال بیا باں نور تھا
یہ لاش بے کفن اسدِ خشنہ جہاں کی ہے

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۱۔ اغلباً فریاد پر چوٹ ہے۔ فرماتے ہیں عشق کی ایک ہی دھکی میں مر گیا یعنی شیریں کی وفات کی خبر سنتے ہی اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ معلوم ہوا عشق سے لڑائی سکے قابل نہ تھا۔ دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ عشق جس کا پیشہ لڑنا ہے ہم جیسے مرد کا طلبکار تھا جو کارزار عشق کی ہر ایک تکلیف کو صبر سے ساتھ جھیل سکتے ہیں +

۲۔ اس شعر میں حقیقت بیان کی گئی ہے۔ فطرتی بات ہے کہ زندگی میں انسان کو موت کا خوف دامنگیر رہتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ موت سے پہلے بھی میرا

رنگ موت کے خوف کے سبب سے زرد تھا +

۴۔ میں ابھی وفاداری کے نسخے جمع ہی کر رہا تھا۔ یعنی وفاداری کے اسلوب پر غور کر رہا تھا اور میرا خیال ابھی اُس کے ہر ایک پہلو کو جانچ رہا تھا کہ (معشوق نے مجھ سے بے وفائی جتنی شروع کر دی یا موت نے آدبا یا)

۴۔ اب دل سے جگرتک کارہگزرخونی دریا کا ساحل بنا ہوا ہے اور پہلے اس رہگزر کے آگے جلوہ گل بھی بیچ تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ پہلے ہم خوش و خرم اور شگفتہ مزاج رہتے تھے۔ اب ناداری یا مرضِ عشق کے ہاتھوں افسردہ و پژمرده رہتے ہیں +
۵۔ مطلب یہ ہے کہ اندوہ عشق کی کشمکش تمام عمر دور نہیں ہو سکتی۔ دل جانے سے پہلے بھی غم عشق رہتا تھا۔ اب دل جانے کے بعد دل کے جانے کا بھی درد (غم) ہو گیا +

۶۔ دوست میرے جنون کا علاج نہ کر سکے۔ کیونکہ جب انہوں نے مجھے دیا نہ سمجھ کر زندان میں بھیج دیا تب قید خانہ میں بھی میرا خیال بیا باں میں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ خیال پر قابو پانا ناممکن ہے اسلئے میرا علاج ناممکن ہے۔ مجھے زندان میں مفائدہ بھی گیا +
۷۔ فرماتے ہیں کہ میری لاش بے کفن رہی۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ کفن میسر نہ آیا بلکہ چونکہ میں زندگی میں آزاد تھا اس لئے مرنے کے بعد بھی مجھے آزادی پسند ہے اور قید کفن سے آزاد ہوں +

(۷۱)

شمارِ سجدہ مرغوب بتِ مشکل پسند آیا ۱ گنا شائے بیک کف برونِ صدل پسند آیا
فیضِ بیدار تو میدی جاوید آساں ہے ۲ کشائش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا
ہوئے سیرِ گل آئینہ بے مہرئی قاتل ۳ کہ اندازہ بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا
جراحتِ تحفہ الماس از مخاںِ داغِ جگر بدید ۴ مبارکباد اسدِ عنخوارِ جاں دردمند آیا

۱۔ اس شعر میں بالکل انوکھا خیال ہے۔ فرماتے ہیں بُتِ مشکل پسند کو تسبیح (جو تنو) دانوں کی ہوتی ہے) پڑھنا پسند آیا۔ مگر (اس صورت سے نہیں جیسا کہ عام طور پر ایک ایک دانہ کر کے پڑھتے ہیں) چونکہ مشکل پسند سے اس لئے ایک دفعہ مٹھی میں سو دن دیا لیتا ہے (تسبیح کے دانے اور دن کی مشابہت ملاحظہ ہو) مطلب یہ کہ محشوق کی تسبیح میں دانوں کی بجائے دل ہیں +

۲۔ اس شعر میں انسانی زندگی کا ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں بیدلی یعنی ناامیدی کے فیض سے ہمیشہ کی ناامیدی حاصل ہوگئی اور ہمارا مشکل آسان ہوگئی کیونکہ جب امید نہیں رہتی تو انسان تلاش اور کوشش نہیں کرتا۔ دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ ہماری مشکل اس وجہ سے آسان ہوئی کہ کشائش نے ہمارے عقدہ کھولنے کے لئے پسند کیا۔ قاعدہ ہے کہ اہل ہنر سب سے مشکل کام پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے +

۳۔ پھولوں کی سیر کی خواہش قاتل کی سنگدلی (درجے وفائی کا آئینہ) ثبوت ہے کیونکہ اسے زخمیوں کا خون میں ٹوٹا ہوا دیکھنا پسند ہے۔ مطلب یہ کہ معشوق کو باغ میں ہوا سے گردش کرنے والے سُرخ پھولوں کی سیر کی خواہش (س) لئے کہ وہ زخمیوں کو خون میں ٹوٹا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے +

۴۔ اے استادِ مبارک ہو تیری درد مند جان کا غم خوار یعنی عشق تیرے پاس زخمِ الماس اور دماغِ جگر کے تحفے لے کر آیا۔ مبارکباد اس وجہ سے کہ غمِ عشق اور تمام غموں کو فراموش کر دیتا ہے۔ غم خوار بمعنی دوست بھی درست ہے۔ لیکن یہاں پر لفظی معنی نہایت لطف دیتے ہیں کیونکہ عشق دوسرے سب غموں کو کھا جاتا ہے (الماس زخم کے کاٹنے اور گہرا کرنے کے لئے) +

(۸)

دہر میں نقش وفا و جہت سلی نہ ہوا ۱ ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 سبزہ خط سے تراکمال سرکش نہ دیا ۲ یہ زمرہ بھی حریف دم افی نہ ہوا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے پھوٹوں ۳ وہ ستمگر مے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا
 دل گذرگاہ خیال سے وساغری ہی ۴ گر نفس جاوہ سر منزل تقویٰ نہ ہوا
 بول ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی افی کبھی ۵ گوش منت کش گلاب سلی نہ ہوا
 کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیے ۶ ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں سودہ بھی نہ ہوا
 مر گیا سودہ یک جنبش لب سے غالب

تا توانی سے حریف دم عیسٰی نہ ہوا

- ۱۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے وفاداری کیسے کوئی شخص قسلی اور اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔ وفا کا لفظ بے معنی سا ہے یعنی بے کار اور بے فائدہ ہے۔ مرزا صاحب کا مطلب ہے کہ اہل دنیا وفا کے بدلے میں جفا اور ظلم کرتے ہیں۔
- ۲۔ زمرہ سبز رنگ کا پتھر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ زمرہ دیکھ کر سانپ اندھا ہو جویا کرتا ہے زمرہ کو صرف سبز رنگ ہونے کی وجہ سے سبزہ خط سے تشبیہ کیا گیا ہے۔ اور کمال کو افی سے مطلب یہ ہے کہ تیرے کمال سرکش کا افی تیرے سبزہ خط کے زمرہ سے بھی مغلوب نہ ہوا۔ کیونکہ سبزہ خط ہی کمال کے پیچھے دبا رہتا ہے۔
- ۳۔ میں نے چاہا تھا کہ اُس ستمگر کو اپنے مرنے پر رضا مند کر لوں تاکہ وفادار عشق کشائش اور مصائب سے چھوٹ جاؤں لیکن اُس نے مجھے مرنے کی بھی اجازت نہ دی۔ کیونکہ اگر میں مرجاؤں تو وہ مشفق جفا کس پر کرے اور مجھ سا وفادار عاشق کہاں سے لائے۔

۴۔ اگر سانس پر ہیز مادی کی منزل کا راستہ نہ بن سکا تو نہ ہی۔ میرا دل سے وساغری

کے خیال کا گذر گاہ تھی۔ مرزا صاحب کی نگاہ میں پرہیزگاری اور رندی میں کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا۔ غالباً مطلب یہ ہو گا کہ انسان کو مردم آزار نہ ہونا چاہئے۔
رند ہونا کچھ ایسا گناہ نہیں +

۵ میں اس کامیابی میں بھی خوش ہوں کہ تجھ سے وصل کا وعدہ لینے میں کامیاب ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے کانوں کو تیرے تسلی بخش وعدہ کی آواز کا احسان نہ اٹھانا پڑا۔ (شعر کے مضمون سے مرزا صاحب کا غیور طبع ہونا ظاہر ہوتا ہے) +
۶ ہم ایسے بد قسمت ہیں کہ ہماری کوئی بھی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ ہم نے چاہا تھا کہ مرجائیں لیکن موت بھی نہ آئی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے ہم چاہتے تھے کہ مرنے کے بعد خدا سے اپنی محرومی قسمت کی شکایت کریں کیونکہ دنیا میں تو کوئی بھی ہمارا غم خواہ ثابت نہیں ہوا۔ لیکن موت بھی نہیں آتی +

۷ حضرت عیسیٰ کا معجزہ تھا کہ خدا کے حکم سے کھڑا ہو جا کہ ہر بیماروں کو شفا اور مردوں کو زندگی بخشتے تھے۔ غالب فرماتے ہیں کہ میں اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ کے بولوں کی ایک حرکت کے صدمہ سے ہی مر گیا اور انکے سانس کی بھی تاب نہ لاسکا +

(۱۹)

ستائش گر ہے زابد اس قدر جس بارغِ رضواں کا ، وہ اک گلہ دستہ ہے ہم بخود دل کے طاقِ نسیاں کا
بیاں کیا کیجئے بیداد کا و شش لئے مرگاں کا ، کہ ہر اک قطرہ خونِ آنہ ہے تسبیحِ مرجاں کا
نہ آئی سطوتِ قاتل ہی مانعِ میرے نالوں کو ، لیا دانتوں میں جینکا ہوا ریشہِ نیستاں کا
دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصتِ زمانہ نے ، مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرورِ چراغاں کا
کیا آئینہِ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوئے نے ، کرے جو پر تو خورشیدِ عالمِ شبنمستاں کا
مری تعبیر میں مضمحل ہے اک صورتِ خرابی کی ، بیوٹیِ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرمِ دہقان کا
اگاہ ہے گھر میں ہر سوسرہ ویرانیِ تماشا کر ، مداب کھوئے پر گھاس کے ہے میرے دباں کا

خونچتی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں ۹ چراغِ مُردہ ہوں میں بیزباں گورِ غریباں کا
ہتورِ اک پر تو نقشِ خیالِ یارِ باقی ہے ۱۰ دلِ افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا
بغل میں غیر کی آج آپ ہوتے ہیں کہیں دینہ ۱۱ سبب کیا خواہاں ہیں آکر تبسم ہائے نہاں کا
نہیں معلوم کس کس کا لبو پانی ہڑا ہو گا ۱۲ قیامت ہے سرکشِ لودہ ہوتا تیری فرگاں کا

نظر میں ہے ہمار کی جادو راہِ فنا غالب

۱۳ کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

۱۔ زاہد جس بہشت کی اس قدر تعریف کرتا ہے ہم بخودوں کے خیال میں اُس کی اتنی بھی
دقت نہیں جتنی کہ طاق پر رکھ کر بھولے ہوئے گلہ سے کی انسان عام طور پر ایسی
چیزوں کو رکھ کر بھول جاتا ہے جو اُس کی نگاہ میں کم وقعت ہوتی ہیں۔ طاق لسیاں وہ
طاق جس میں کوئی چیز رکھ کر بھول جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم بخودوں کا کلاز خیال
بارغِ بہشت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے +

۲۔ یار کی ہلکیں میرے دل پر تیروں کا اثر رکھتی ہیں اور اس سے میرے دل کا خون آنسو
بن کر بہنے لگتا ہے اور آنسو ایسے مسلسل بہتے ہیں کہ مرجان (مونگے) کی تسبیح کے دانے
معلوم ہوتے ہیں۔ آنسوؤں کو مونگے کے دانوں سے تشبیہ دی گئی ہے +

۳۔ قاتل کا رعب بھی میرے نالوں کو روکنے والا نہ بن سکا۔ جب میں اُس کے ڈسے
اپنی عاجزی ظاہر کرنے کے لئے داتوں میں تنکا لیتا تھا تو وہ ریشہ بیستاں (بالسری) بگر
میرے نالوں کی آواز پیدا کرتا تھا۔ بیستاں (نئے ہستاں) نے معنی بانس اور بالسری +

۴۔ اگر مجھے انکارِ زمانہ سے فرصت ہوتی تو میں تمہیں ایک تماشا دکھاؤں گا۔ اور وہ
یہ ہو گا کہ میں اپنے دل کے ہر ایک داغ سے ایک سرو چراغاں ظاہر کروں گا یعنی میرے دل
کے ہر ایک داغ میں اتنی روشنی ہے جتنی کہ سرو چراغاں سے ظاہر ہوتی ہے +

سرو چراغاں۔ سرو صبا ایک جھاڑ +

۵۔ تیرے جلوے نے آئینہ خانہ کی وہ حالت کر دی جو آفتاب شبنم ستان کی بنا دیتا ہے یعنی آفتاب عالم تاب کے پر تو سے اُس مقام سے جہاں پر شبنم کے قطرے اڑنے شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح تیرے جلوے کی گرمی سے آئینہ خانے سے آئینے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ گئے۔ معشوق کے حسن کی گرمی بیان کی گئی ہے۔ آئینہ کو شبنم سے تشبیہ دی گئی ہے +

۶۔ میرے جسم کی تعمیر ہی میں ایک خرابی کی صورت چھپی ہوئی ہے۔ جس طرح دھقان کی خون کی گرمی (محنت) ہی اس کے خرمن پر گرنے والی بھلی کا مادہ ہے۔ مطلب یہ کہ ہر ایک چیز کا وجود ہی اُس کی فنا کا باعث ہوتا ہے + ہیولا۔ مادہ + برق خرمن۔ وہ بھلی جو خرمن پر گرے + خون گرم۔ محنت۔ سرگرمی + خرابی۔ بربادی +

۷۔ میرے گھر کی دیرانی تو دیکھو کہ اس میں ہر سوسبزہ اُگ آیا ہے (قاعدہ ہے کہ موسم برسات میں دیران مکانات میں سبزہ اُگ آتا ہے) اور میرے دربان کا شغل اب صرف یہی ہے کہ وہ سبزہ بیگانہ کو کھود کر باہر نکال دیوے کیونکہ دیران ہونے کی وجہ سے اس مکان میں کوئی بیگانہ انسان تو داخل ہوتا ہی نہیں +

۸۔ اگرچہ میری لاکھوں آرزوؤں کا خون ہو چکا ہے لیکن میں گورِ غریباں سے بے زبان چراغِ مردہ کی مانند خاموش ہوں۔ رزا صاحب نے اپنے آپ کو چراغِ مردہ سے تشبیہ دی ہے۔ بے زبان چراغ سے مراد بغیر لو کا چراغ ہے +

۹۔ اگرچہ وصالِ یار سے ناامیدی نے میرے دل سے خیالی یار کو قریب نکال دیا ہے تاہم میرے دل افسردہ میں خیالی یار کی صرف ایک جھلک باقی ہے۔ اور اُس ایک جھلک کی روشنی سے ہی میرا دل افسردہ اتنا نورانی ہو رہا ہے جتنا کہ وہ حجرہ تھا جس میں حضرت یوسفؑ مقید تھے +

۱۰۔ تبسم ہائے پہاں۔ زیر لب مسکراہٹ + معشوق سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

آج فرد آپ میرے رقیب کی بغل میں سو رہے ہیں ورنہ کیوں شوخی سے میرے خواب میں زیر لب مسکایا ہٹوں سے مجھے جلاتے +

۱۱۔ تیرے شرکاء کا آنسوؤں سے تر ہونا قیامت کے برابر ہے۔ نہ معلوم کونے کتنے بے گناہوں کا خون کیا ہوگا اور کس کس کا خون قیامت کی طرح بہا ہوگا۔ شاید تیرے گناہوں کی یاد نے تجھے رلا دیا +

۱۲۔ بادۂ راہِ فنا ہماری نظر کے سامنے ہے (یعنی ہم موت کو بھولے ہوئے نہیں ہیں) کیونکہ بادۂ راہِ فنا دنیا کے تمام اجزائے پریشاں کا شیرازہ ہے یعنی دنیا کی تمام چیزوں کو بادۂ راہِ فنا ایک جگہ جمع کر دے گا۔ جس طرح شیرازہ اجزائے پریشاں کو ایک جگہ جمع کر دیتا ہے + چارہ۔ پک ڈنڈی +

(۱۰)
نہ ہو گا ایک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا ^(۱۰) حبابِ موجِ رفتار بے نقش قدم میرا
محبت تھی نہیں سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے
کہ موجِ بوسے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

۱۔ ایک بیاباں ماندگی یعنی کثرتِ ماندگی بہت تھک جانا۔ ذوق۔ ذوقِ صحرائِ فردی
نقش قدم کہ حباب اور رفتار کہ موجِ قرار دیا ہے مطلب یہ کہ خواہ میں کیسا ہی تھک جاؤں لیکن جس طرح حباب موج کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور کبھی نہیں تھکتا اسی طرح میرا ذوق صحرائِ فردی میں بھی کسی طرح کم نہیں ہوگا اور میں منازلِ عشق کو طے کرتا رہوں گا +

۲۔ مطلب یہ کہ انقلابِ زمانہ سے وہ محبت جو مجھے چمن سے تھی اب نفرت سے بدل گئی ہے۔ بوسے گل جو پہلے میرے لئے باعثِ مُسرّت و خوشی تھی اب اس سے میرا ناک میں دم ہے یعنی اب وہ مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی +

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی ۱ عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
 بقدر ظرف ہے ساقی خمار تشنہ کامی بھی
 ۲ جو تو دریائے نے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

۱۔ مطلب یہ ہے اب سرتاپا مبتلائے عشق ہوں لیکن ساتھ ہی مطابق فطرت انسانی
 الفت ہستی بھی ہے یعنی اپنی جان کو بھی عزیز رکھتا ہوں برق عشق کی پرستش کرتا ہوں
 اور خرم ہستی کے جل جانے کا بھی اندیشہ ہے جس سے میرے کمال شوق فنا میں کسی قدر
 نقص پیدا ہو گیا ہے +

۲۔ ساقی کو دریائے شراب اور خود کو شاعر نے خمیازہ ساحل یعنی کنارہ دریا قرار دیا ہے
 اور ساحل باوجود قرب دریا کے ہمیشہ خشک رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر شراب پلانے میں
 دریا دل ہے تو میں بھی اُسی کی نسبت سے عالی ظرف یعنی دریا نوش ہوں +
 لفظ خمیازہ کے لفظی معنی انگریزی کے ہیں لیکن یہاں مجازاً ساحل کے معنوں میں استعمال
 ہوا ہے۔ نیز قاعدہ ہے کہ شراب خور کو تشنہ کے آثار کے وقت انگریزیاں آنے لگتی ہیں اور اُسے
 پھر نئے سرے شراب کی طلب ہوتی ہے +

(۱۳)

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا - ۱ یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
 رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے ۲ یہ وقت ہے شگفتن گلہائے ناز کا
 تو اور سوئے محیر نظر ہائے تیز تیز ۳ میں اور دکھ تری مژدہ ہائے راز کا
 صرف ہے ضبط آہ میں میرا دگر نہ میں - ۴ طعمہ ہوں ایک ہی نفس جانگداز کا
 ہیں بسکہ جوش بادہ سے شیشے چھل رہے ۵ ہر گوشہ بساط ہے سرشیشہ باز کا
 کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز ۶ ناخن پہ قرض اُس گرہ بنم باز کا
 تاراج کاوش غم ہجراں ہوا اسد ۷ سینہ کہ تھا دھینہ گہرائے راز کا

۱۔ صرف تو ہی راز کے نعروں سے ناواقف ہے ورنہ یہاں ہر ایک حجاب باجے کے پردے کی طرح بول رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غافل انسان ہی خدا اور اس کے بھیدوں سے بے خبر ہے ورنہ دنیا میں ہر ایک چیز اس کی شان اور اس کے بھید ظاہر کر رہی ہے وانا آدمی کے سامنے خدا کا کوئی بھید مخفی نہیں +

۲۔ رنگ شکستہ۔ پھیکا رنگ + مطلب یہ ہے کہ صبح بہار نظارہ کا رنگ پھیکا اور اڑا ہوا ہے۔ اور یہی وقت ہے جبکہ گلہائے ناز شکستہ ہوتے ہیں۔ پونچھنے کے وقت جبکہ روشنی پوری نہیں ہوتی نازک پھول کھلنے کا وقت ہے +

۳۔ تو غیر کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے اور میرے دل میں حسد کی وجہ سے تیری شرہ ہانے دراز کی نوکیں تیروں کی نوکوں کی مانند چھو کر مجھے تکلیف دیتی رہتی ہیں۔ نظر ہانے تیز تیز سے مراد گہری اور محبت بھری نگاہیں +

۴۔ آئیں ضبط کرنے میں میرا ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں ضبط نہ کروں تو ایک ہی نفس جاں گداز کا لقمہ بن جاؤں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نحیف زار ہوں کہ ایک ہی جاں کو تحلیل کرنے والی آہ مجھے مار ڈالنے کے لئے کافی ہو جائے + جاں گداز۔ جاں کو پھلانے والی +

۵۔ شیشہ باز۔ وہ باز گر جو شیشہ کو اچھال کر اپنے سر اور دیگر اعضائے جسم پر روکتا رہتا ہے یعنی شیشے سے اپنے کھیل دکھاتا ہے + فراتے ہیں اس موسم میں شراب کے جوش کی وجہ سے اتنے شیشے اچھل رہے ہیں کہ فرش (میخانہ) کا ہر گوشہ شیشہ باز کا سر بنا ہوا ہے۔ شیشے اچھلتے رہتے ہیں اور پھر فرش پر قائم ہوتے رہتے ہیں +

۶۔ فطرتی بات ہے کہ انسان جب تک کسی کام میں پوری کامیابی حاصل نہیں کرتا اس کا دل اس پر تقاضا کرتا رہتا ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میرا دل مجھے ابھی اور کوشش کرنے کا تقاضا کر رہا ہے۔ کیونکہ ابھی میں اس مشکل کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے

اپنے ناخن تدبیر کو پورے طور سے کام میں نہیں لایا ہوں ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ وصال
یار کا مدعا حاصل کرنے میں ابھی اور کوشش کرنی چاہئے ۔

۱۷ - اے اسد وہ سینہ جو زہائے حقیقی واسرار معانی کا خزانہ تھا۔ یار کی فرقت
کے غم کے صدموں نے تاخت و تاراج کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق مجازی کی
فرقت کے صدموں نے معرفت و حقیقت کے دفینہ کو بھی تاراج کر دیا ۔

(۱۳)

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا ۱ رکھو یارب یہ درگنجینہ گوہر کھلا
شب ہوئی پھر انجم رخشندہ کا منظر کھلا ۲ اس تکلف سے کہ گویا بستکہ کا در کھلا
گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کھاؤں فریب ۳ آستین میں دشنہ نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا
گو نہ بھوں اُس کی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید ۴ پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
ہے خیال حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال ۵ خلد کا راک در ہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں ۶ زلف بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا
در پہ تہنے کو کہا اور کہہ ملے کیسا پھر گیا ۷ جتنے عرصہ میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا
کیوں اندھیری ہے شبِ غم ہے بلاؤں کا نزول ۸ آج اُدھری کو رہے گا دیدہ اختر کھلا
کیا ہوں غربت میں خوش جب حادثہ کا یہ حال ۹ نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کتر کھلا
اُس کی اُمت میں ہوں میں میرے ہیں کیوں کام بند
۱۰ واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

۱۔ بادشاہ کی محفل میں مشاعرے شروع ہوئے۔ یا خدایہ گنجینہ گوہر کا دروازہ کھلا رکھو مطلب
یہ ہے کہ خدا بادشاہ کے دربار کے مشاعرے کھلے اور جاری رکھو۔ مرزا صاحب ابو ظفر بہادر شاہ
بادشاہ دہلی کے دربار اور مشاعروں کا ذکر فرماتے ہیں ۔

۲۔ یہ شعر بھی شعرِ اول سے اعلیٰ رکھتا ہے۔ رات ہوئی اور پھر چمکنے والے ستاروں کا منظر کھلا

اور اس شان سے کھلا گویا بنگدہ کا دروازہ کھلا۔ مطلب یہ رات کے وقت مشاعرے میں فصیح اور معنی خیز اشعار پڑھے جانے لگے جو خوبصورتی میں بتوں سے کم نہیں۔

۴۶۔ اگرچہ دیوانہ ہوں لیکن اتنا دیوانہ نہیں کہ دوست اور دشمن میں بھی تمیز نہ کر سکوں میں دوست نما دشمنوں کو خوب پہچان سکتا ہوں۔ جو ہاتھ میں نشتر لیکر آتے ہیں اور اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ نصدمے کر میری دیوانگی کو دور کرینگے لیکن آستین میں دشنہ (چھری) چھپائے ہوئے ہیں کہ موقع پا کر مجھے قتل ہی کر ڈالیں۔

۴۷۔ اگرچہ میں اب بھی اُس کی باتیں نہیں سمجھ سکتا اور اُس کے بھید نہیں پاسکتا لیکن میرے لئے یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے اُس کی شرم تو دور ہو گئی اور وہ مجھ سے کھل بول گیا میرے لئے تو یہی باعثِ فخر ہے۔

۴۸۔ خیالِ حُسنِ محبوب حقیقی میں بھی نیک اعمال کا خیال ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح نیک اعمال بندوں کی قبر میں جنت کا دروازہ کھلتا ہے اسی طرح محبوب حقیقی کے حُسن کے خیال سے میری قبر میں بھی جنت کا دروازہ کھل گیا۔ مطلب یہ ہے کہ محبوب حقیقی (خداوند تعالیٰ) کا خیال رکھنا بھی عبادتِ عظمیٰ ہے۔

۴۹۔ کھلا۔ ظاہر ہوا۔ معلوم ہوا۔ کہ دیکھا ہی نہیں یہاں دو معنی ہے (۱) ایسا عالم کہ دیکھا ہی نہیں (۲) وہ منہ جس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ زلفیں سیاہ ہوتی ہیں اور نقاب بھی عام طور سے سیاہ رنگ کا ہوتا ہے جو گورے اور حسین چہرے پر بھلا معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ معشوق حقیقی کا چہرہ نہ کھلنے پر کبھی تجلی کی یہ حالت ہے کہ ایک عالم گرویدہ و دلدار ہے پس ظاہر ہے کہ نقاب (پردہ) زلفوں سے بھی زیادہ خوبصورت ثابت ہوا اور زلفوں سے زیادہ دلکشی اور پھلن رکھتا ہے۔

۵۰۔ معشوق نے مجھے اپنی درباری کے عہدے سے سرفراز کیا۔ مگر میں اپنا بستر بھی کھولنے نہ پایا تھا کہ معشوق اپنے قول سے پھر گیا۔ معشوق کی شوخی طبع اور اس کی ستم کیشی کا اظہار

فرمایا ہے +

۸۔ پہلے مصرع میں فرماتے ہیں کہ شب غم ہے اور مجھ پر بلاؤں کا نزول ہو رہا ہے۔ لیکن اس قدر اندھیری کیوں ہے دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ چونکہ ستارے میری شب غم اور مجھ پر بلاؤں کے نزول کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتے اس لئے انہوں نے میرے گھر سے آنکھیں پھر کر آسمان کی طرف کھولی لی ہیں اور اسی لئے رات زیادہ اندھیری ہو گئی ہے +

۹۔ میں پردیس میں بھی کس طرح خوش رہ سکتا ہوں جب وطن میں حادثات کا یہ حال ہو کہ نامہ برد وطن سے اکثر خطوط کھلے ہوئے لاتا ہے (رسم ہے کہ جس خط میں کسی کی موت کی خبر بھیجتے ہیں اس کا کچھ حصہ چاک کر دیتے ہیں اور کھلا بھیجتے ہیں) +

۱۰۔ مقطع صاف سے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبر آخر الزمان کی لغت میں ہے شب معراج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں جب میں اُن کا پیرو ہوں جن کے واسطے آسمان کھل گیا تھا تو میرے کام کس طرح بند رہ سکتے ہیں +

(۱۲)

شب کہ برق سوز دل سے زبرِ ابراب تھا ۱ شعلہ جوالہ ہر اک حلقہ گرداب تھا
واں کرم کو عذیر بارش تھا غناں لیرِ خرام ۲ گرہ سے یاں پنبہ بالش کف سیلاب تھا
واں خود آرائی کو تھا موتی پرئے کا خیال ۳ یاں بہجوم اشک میں تارنگہ نایاب تھا
جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبجو ۴ یاں رواں خزان چشم تر سے خون آب تھا
یاں سرِ شورشور بخوابی سے تھا دیوار جو ۵ واں وہ فرقِ ناز محو بالش کنجواب تھا
یاں نفس کرنا تھا روشن شمع بزمِ بخودی ۶ جلوہ گل واں بساطِ صحبت احباب تھا
فرش سے ماعش واں طوفانِ تھموج رنگ کا ۷ یاں زمیں سے آسمان تنگ مختل باب تھا
ناگہاں اس رنگ سے خونِ نابہ پیکار نے لگا ۸ دل کہ ذوق کاوش ناخن سے لذت یا تھا

۱۔ رات جبکہ میرے دل کی آگ کی بجلی سے ابر کا پتہ پانی پانی ہو گیا تھا اور ہر ایک بھنور کا حلقہ شعلہ جوالہ بن رہا تھا۔ مطلب یہ کہ میرے دل میں آتش بھر بھڑک رہی تھی اور بارش ہو رہی تھی +

۲۔ وہاں معشوق نے بارش کے بہانہ سے وصل کا وعدہ پورا نہ کیا۔ یہاں اُس کی یاد میں کثرت گریہ سے تکیہ کی روئی سیلاب کے جھاگوں کی مانند ہو گئی تھی + عناں گیر خرام - چلنے کی باگ روکنے والا یعنی چلنے سے باز رکھنے والا +

۳۔ وہاں تو وہ خود آرائی کے لئے موتی پر درہے تھے۔ یہاں ہم فرقت کی بیقاری سے اس قدر رو رہے تھے کہ کچھ نظر نہ آتا تھا +

۴۔ وہاں ہنر کے کنارے پھولوں کی کثرت سے چراغاں معلوم ہوتا تھا۔ یہاں ہماری آنکھوں کی پلکوں سے خالص خوں (انسو) بہہ رہا تھا +

۵۔ یہاں ہمارا جنوں سے بھر ہوا سر نہ سونے کی وجہ سے سر پھوٹنے کیلئے دیوار ڈھونڈھ رہا تھا۔ وہاں اُس کا فرقِ ناز کو خوب سے تکیہ پر رکھا ہوا تھا (وہ محو خواب تھا) +

۶۔ یہاں ہماری ہر سانس ہماری بخود کی بزم کی شمع کو روشن کر رہی تھی (ہماری بخود کو بڑھا رہی تھی) وہاں انہوں نے صحبتِ احباب کے لئے پھولوں کا فرش کر رکھا تھا +

۷۔ وہاں زمین سے آسمان تک انتہائی خوشی و مسرت تھی۔ یہاں ہمارے لئے زمین سے آسمان تک جلانے کا سامان تھا + موج رنگ کا طیفاں - انتہائی خوشی و مسرت +

۸۔ ناگیاں میرا دل جو ذوق کاوش ناخن سے لذت یاب تھا اس طرح خوشابہ (انسو) ٹپکانے لگا یعنی میرے دل نے چاہا کہ دوسری غزل لکھوں + ذوق کاوش - تکلیف کا مزہ + دل کا خوشنا بہ ٹپکانا - رونا - دل کے رونے سے مراد شعر کہنا +

(۱۵)

نالہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا + تھا پسند بزم وصل غیر کو بیتاب تھا

مقدم سیلاب کے دل کیا نشاط آہنگ ہے ۲ خانہ عاشق مگر ساز صدائے آب تھا
 نازشیں ایام خاکستر نشینی کیا کہوں ۳ پہلوئے اندیشہ وقف بستر سنجاب تھا
 کچھ نہ کی اپنے جنون نارسا نے در نہیاں ۴ ذرہ ذرہ روکش خورشید عالم تاب تھا
 آج کیوں پرواہ نہیں اپنے اسیروں کی تجھے ۵ کل تلک تیرا بھی دل بہر وفا کا باب تھا
 یاد کروہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا ۶ انتظار عید میں اک دیدہ بخواب تھا
 میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے

۷ اُس کی سبیل گریہ میں گروں کہت سیلاب تھا

۱۔ رات کو میرا ناٹھ دل بالکل بے اثر تھا۔ اور اگرچہ وہ جیاب تھا لیکن اُس نے
 بزم وصل غیر میں (جہاں کہ میرا دوست غیر سے ہم آغوش تھا) کا ایسے داسے کسے سورا
 اور کچھ کام نہ دیا۔ یعنی بزم وصل غیر میں پہنچ کر اُس کی بلاؤں کو دور کر رہا تھا۔
 کالا دانہ۔ بچوں پر سے نظربہ دور کرنے کے لئے کاسے داسے کی دھونی دیا کرتے ہیں
 جیناں کی منسا بہت سے نالہ اور کاسے داسے کی تشبیہ نہایت نادر ہے۔ یہ نزاکت
 تخیل مرزا صاحب کا حصہ ہے۔

۲۔ سیلاب کے آنے سے میرا دل بہت خوشی منا رہا ہے۔ کیا میرا گھر ساز صدائے
 آب (جلزنگ باجہ) تھا۔ جلزنگ (جل۔ ترنگ) چینی کے پیالوں میں پانی بھر کر
 تیلی سے بجاتے ہیں۔ عجیب مست کن ساز بنجاتا ہے۔

۳۔ خال نشینی کے زمانے میں مجھے کیسا فخر حاصل تھا۔ گویا میں اپنے خیال میں
 سنجاب کے بستر پر بیٹھتا تھا۔ قناعت گزیر انسان خاک ہی کو بستر سنجاب سمجھتا ہے
 اور اس لئے وہ دنیاوی کشاکش سے آزاد رہتا ہے۔ قناعت سے عزت اور آرام
 دونوں چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

۴۔ ہمارے جنون نارسا یعنی عشق خام نے کام خراب کر دیا ورنہ اگر ہمارا عشق

کامل ہو جاتا تو خاک دنیا کے ہر ذرے میں خورشید عالم تاب کو شرمندہ کر بیروالی روشنی بھتی
عشق کامل ہونے پر ہر ایک چیز میں جلوہ الہی نظر آتا ہے ۔

۵۔ آج تجھے اپنا سیر دل (عاشقوں) کی پروا کیوں نہ رہی یعنی اُن سے بے مروتی کیوں
کرتا ہے کل تک تو تیرا دل ہر دُعا کا باب تھا۔ مطلب یہ کہ اب تو اپنے عاشقوں کی
طرف نظر التفات کیوں نہیں کرتا ۔

۶۔ یہ شعر پہلے شعر سے متعلق ہے۔ فرماتے ہیں وہ دن یاد کر کہ تیرے دام کا ہر ایک
حلقہ شکار کے انتظار میں دیدہ پنجاب کی مانند دار ہوتا تھا۔ یعنی تو عاشقوں کا منتظر رہتا تھا
۷۔ رات کو میں نے غالب کو روئے سے روک دیا ورنہ تم دیکھتے کہ اُس کے سین گریز
سے آسمان سیلاب کے جھاگ کی مانند معلوم ہوتا یعنی اُس کے آنسوؤں کا سمندر آسمان
تک پہنچ جاتا۔ یہ اُس زمانے کی وضع شاعری کا اثر ہے کہ مرزا صاحب بھی ایسا مبالغہ
فرماتے ہیں ۔

(۱۶)

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پر حساب ۱ خون جگر و دلیعتِ مژگانِ یار تھا
اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو ۲ توڑا جو تو نے آئندہ تمثال دار تھا
گلیوں میں میری لعل کو کھینچے پھر وکیں ۳ جاندادہ ہوائے سیرِ ریگزار تھا
موجِ کُترابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال ۴ ہر ذرہ مثل جوہر تیغ آبدار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا ۵

۱۔ میرے خون جگر کا ایک ایک قطرہ آنسو بن کر آنکھوں سے بہہ گیا۔ گویا جگر کا تمام
خون مژگانِ یار کی امانت تھا (از یادگار غالب) انہوں نے واپس مانگ لیا۔ مژگانِ یار
گویا تیرے اور انہوں نے جگر کو زخمی کر کے اُس کا تمام خون آنکھوں کی راہ سے بہا دیا۔

۴۔ اب میں ہوں اور بہت سی آرزوؤں کے خن کا ماتم۔ کیونکہ تو نے وہ آئینہ توڑ دیا جس میں تو اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ توشیحے میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا اور مجھے یہ موقعہ حاصل ہو گیا کہ تیرے گلزارِ حسن کی سیرجی بھر کر کروں۔ لیکن تو رشک کی وجہ سے آئینہ میں بھی اپنا تانی دیکھنا برداشت نہ کر سکا اور آئینہ توڑ دیا۔ اس لئے یہ تمام حسرتوں اور آندوؤں کا خون ہو گیا اور اب میں اُن کا ماتم کر رہا ہوں۔

۵۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میری نعش کو (دفن کرنے کی بجائے) گلیوں میں کھینچتے ہوئے پھر کیونکہ میں نے معشوق کی گلی (میں رہنے) کی تمنا میں جان دے دی اور زندگی میں میری وہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب لوگ میری نعش گلیوں میں کھینچتے پھرینگے تو معشوق کی گلی میں بھی لے جائیں گے اور اس طرح میری وہ تمنا جو زندگی میں پوری نہ ہوئی تھی پوری ہو جائے گی (دوسروں میں ایک وسیع مضمون بیان کرنا مرزا صاحب کا خاص حقہ ہے) اس شعر کے معانی میں یہ اضافہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب میری نعش کو چہ جاناں میں پہنچے گی تو وہاں سے نہ سرسگیگی۔ اور لوگ مجھ کو وہیں دفن کر دیں گے۔

۶۔ دفا سے عشق صادق مراد ہے۔ دشتِ وفا جو موجِ سراب کی مانند ہے اُس کا حال نہ پوچھ۔ اُس کا ہر ایک ذرہ جو ہر تیج کی مانند آبدار تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح موجِ سراب پیاسے کو حصولِ آب کی خواہش میں مار ڈالتی ہے اور پانی نہیں دیتی اسی طرح دشتِ عشق میں دصالِ یار سے محرومی رہتی ہے۔ دوسرے مصرعہ کا مطلب ہے کہ دشتِ عشق کا ہر ایک ذرہ تلوار کی دھار کی مانند آبدار اور گھائل کر نوالا تھا۔ یعنی دشتِ عشق میں ہر قدم پختِ تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑا۔ آبدار بمعنی چمکیلا اور آبِ شمشیر یعنی دمِ شمشیر رکھنے والا۔ یہاں دو نو معنی لئے گئے ہیں۔ موج اور آبدار کی لفظی رعایت بھی ملاحظہ ہو۔

۷۔ (غمِ عشق میں مبتلا ہونے سے پہلے) ہم بھی غمِ عشق کو معمولی سی چیز سمجھتے تھے لیکن

(مبتلائے عشق ہونے کے بعد) حالانکہ ابھی ابتداءئے عشق ہے اور بہت تھوڑا غم عشق ہے ہم نے یہ محسوس کر لیا کہ عشق کا تھوڑا سا غم بھی دنیا کے تمام غموں کے برابر ہے +

(۱۶)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا ۱ آدمی کو بھی میسر نہیں آساں ہونا
گریہ چاہے ہے خرابی مرے کا شانہ کی ۲ درو دیوار سے ٹپکے ہے بیاہاں ہونا
دائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو ۳ آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا
جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے ۴ جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے بیزگاہ ہونا
عشرتِ قتل کہ اہلِ تمنا مت پوچھ ۵ عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط ۶ تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا
عشرتِ پارہ دل زخمِ تمت اکھانا ۷ لذتِ ریش جگر غرق نمکداں ہونا
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا تو یہ سے ۸ ہائے اُس زود پشیاں کا پشیاں ہونا
حیث اُس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
۹ جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۱۔ دعویٰ یہ ہے کہ دنیا میں آسان سے آسان کام بھی دشوار ہے اور دلیل یہ ہے کہ آدمی جو عین انسان ہے اُس کا بھی انسان ہونا مشکل ہے (اقتباس از یادگارِ غالب) انسان سے مراد وہ انسان ہے جو اپنے واسطے ثلاثہ یعنی (قوتِ شہوانی - قوتِ غضبی اور قوتِ عقلی) میں اعتدال رکھ سکے۔ بہت سے آدمی جو ان قوتوں میں اعتدال نہیں رکھ سکتے اور فضائل حاصل نہیں کر سکتے وہ مثل بہائم ہیں اور انسان کہلائے جانے کے مستحق نہیں مطلب یہ ہے کہ آدمی کے لئے بھی انسان ہونا دشوار ہے +

۲۔ میزاد و نامیرے گھر کی دیرانی چاہتا ہے کیونکہ درو دیوار خستہ و شکستہ ہو چکے ہیں اور اُن سے مکان بیاہاں معلوم ہونے لگا ہے۔ فرقتِ یار میں کثرتِ گریہ کا اظہار

منظور ہے +

۳۳۔ عشق کی دیوانگی برافسوس! کہ میں بار بار کوسے یا کی طرف جاتا اور دیدار سے محروم ہوں
پریشان واپس چلا آتا۔ اور باوجود بار بار تجربہ کرنے کے بھی عشق کی دیوانگی سے مجبور ہوں کہ پھر
وہیں چلا جاتا ہوں +

۳۴۔ جلوہ حسن تقاضا کرتا ہے کہ مجھے دیکھو یعنی حسن ہمیشہ چاہتا ہے کہ میں چاہا جاؤں اور
میرے بہت سے عاشق ہوں۔ اس لئے آئینہ کا جوہر بھی خرگاں ہونا چاہتا ہے چونکہ آئینہ
اپنے اندر ہر شے کا عکس لے لیتا ہے اس لئے آئینہ کو آنکھ اور جوہر کو اس کا فرکان تصور کیا ہے
۵۔ اہل تمنا۔ قتل ہونے کی تمنا رکھنے والے عشاق + عید نظارہ - عید حبیبیا نظارہ -
شعر کا مطلب یہ ہے کہ قتل گاہ میں عاشقوں کی خوشی کی حال مت پوچھو ان کی خوشی
کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ قتل گاہ میں شمشیر قاتل کا (میان سے باہر ہونا) یعنی عریاں
ہونا ان کے لئے اتنا ہی خوش کن ہے جتنا کہ عید کا نظارہ - عید نظارہ سے یہاں
مراد عید کا چاند ہے کیونکہ عید کا چاند دیکھتے ہی عید کی خوشی منانا شروع ہو جاتا ہے۔
ہلال اور شمشیر کی تشبیہ ظاہر ہے +

۳۶۔ ہم تو خوشی (یعنی وصال) کی تمنا کا داغ لے کر قبر میں چلے گئے۔ خدا کرے تو دنیا میں
رہے اور تجھ کو ایسا ملکستان ہونا مبارک رہے جس میں گلہائے رنگا رنگ ہوں -
مطلب یہ ہے کہ میرے حسن میں روز افزوں تر رہے۔ اور تو آپ یعنی تنہا ہی اس
سے محفوظ ہوتا رہے +

۳۷۔ میرے دل کے ہر ایک حصہ کی خوشی زخم تمنا (زخم عشق) کھانا ہے اور میرے زخم
جگر کو غرق نمکداں ہونے میں ہی مزہ آتا ہے۔ مطلب یہ کہ عشق صادق میں ہر ایک
تکلیف راحت معلوم ہوتی ہے +

۳۸۔ شعر بالکل صاف ہے۔ صرف زود پشیمان کا جملہ طنز یہ کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے

کہ میری تمام زندگی میں مجھ پر جفائیں کرتا رہا مگر شہیاں نہ ہوا۔ جب میرے خون سے ہاتھ رنگ چکا جب توہ کی تو کیا فائدہ۔ اگر میرے قتل سے پہلے توبہ کر لیتا۔ تو اس کی گردن پر میرے خون کا عذاب تو نہ ہوتا +

۹۔ اے غالب اس چار گرہ کپڑے کی قسمت برافسوس! جس کی قسمت میں کسی عاشق کا گریبان ہونا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق کا گریبان کبھی بیقراری میں کبھی جنون عشق میں خود عاشق کے ہاتھ سے تار تار ہوتا ہے کبھی معشوق کا دربان عاشق کو آستان یار سے اٹھانا چاہتا ہے اور عاشق اٹھنا نہیں چاہتا تو دربان عاشق کا گریبان پکڑ کر عاشق کو اٹھاتا ہے اور گریبان کی دھجیاں اڑا دیتا ہے کبھی خود معشوق عاشق کو اپنی بزم سے نکالتا ہے تو عاشق کا گریبان پکڑ کر نکالتا ہے اور گریبان بیچارہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں ایک وسیع مضمون کو نہایت پاکیزہ اور شستہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے قسمت اور گرہ کی رعایت بھی نہایت پر لطف ہے +

(۱۸)

شب خمار ذوق ساقی رست خیز انداز تھا ۱ تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا
یکدم وحشت سے دریں فتر امکان کھلا ۲ جادہ اجڑائے دو عالم دشت کاشیازہ تھا
مائع وحشت خرامی ہائے لیلے کون ہے ۳ خانہ مجنون صحر اگر دبے دروازہ تھا
پوچھ مت رسولی انداز استغنائے حسن ۴ دست مرہون خسار رہن غارہ تھا

نالہ دل نے دئے اور ارق لحت دل بباد

۵ یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

۱۔ رست خیز۔ قیامت + محیط بادہ۔ شراب کا برتن۔ شیشہ + خمیازہ۔ انگڑائی

رات ساقی کے انتظار کی کیفیت قیامت کا انداز پیش کر رہی تھی۔ شراب کاشیشہ بھی انگڑائیوں کا صورت خانہ بنا ہوا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ساقی کے انتظار میں قیامت

کا سا منظر ہو گیا تھا جس طرح قنات میں ہر ایک چیز اوپر کی طرف اٹھے گی اور حرکت دی جائیگی۔ مردے قبر سے بلند کئے جائیں گے اور پہاڑ روٹی کے کالوں کی طرح اڑتے پھریں گے یہی حالت ساقی کے انتظار میں تھی۔ ادھر میخوار انگڑائیاں لے رہے تھے اور اٹھ اٹھ کر دیکھتے تھے کہ کب ساقی آئے اور دور چلائے ادھر شیشہ شراب بھی انگڑائیوں کی تصویریں پیش کر رہا تھا یعنی شراب میں جوش آرہا تھا شراب کے جوش اور ابھار کو انگڑائی سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک عجیب و غریب تشبیہ ہے اور جس کی تخلیق غالب جیسے عالی دماغ کا ہند تخیل ہی کر سکتا تھا۔

۲۔ ابھی میں وحشتِ عشق سے ایک قدم آگے ہی چلا تھا یعنی دشتِ وحشتِ عشق کو طے کرنے ہی پایا تھا کہ دو عالم کے بھید مجھ پر منکشف ہو گئے اور مجھے معلوم ہو گیا کہ جادہ عشق اور اق دو عالم کا شیرازہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ سالکان عشق حقیقی کے سامنے دو عالم کا کوئی بھید چھپا نہیں رہتا۔

۳۔ ییلے کی وحشتِ خرامی یعنی دشتِ نوردی کا مانع (شرم و حیا کے سوائے) اور کون ہے کیونکہ مجنوں کے صحرا میں تو سوائے گرد بے دروازہ کے نہ کوئی در تھا نہ دربان مطلب یہ ہوا ییلے کو مجنوں سے محبت ضرور تھی کیونکہ مجنوں کی زندگی میں بھی اُس نے اُس سے ملنے کی کوشش کی مگر شرم دامنگیر رہی اور اُس کے مرنے کے بعد اس نے ہمیشہ اُس کا ماتم برپا رکھا۔ پھر شرم و حیا کے سوا اور کون چیز ہو سکتی تھی کہ وہ صحرا میں مجنوں سے نہ ملتی اور اس کی دمساز نہ ہوتی۔

۴۔ معشوق نے حسن کے بے پروا ہونے کے انداز کو بدنام کیا ہوا ہے۔ اس کا حال مت پوچھ۔ ورنہ دستِ معشوق کیوں فرہون چنا ہوتا اور رخسارِ معشوق کیوں غارِ کانت کش ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کو چنا اور غارہ کی ضرورت ہی نہ تھی مگر اس نے ان دونوں کے استعمال سے استغنائے حسن کو بدنام کر دیا۔

۵۔ میرے نالہ دل نے میرے دل کے ٹکڑوں کے پُرزے یعنی میرے اصلی اشعار کو ہوا میں اڑا دیا اور میرے نالوں کی یادگار یعنی میرے اشعار اک دیوان بے شیرازہ ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ میں خود شعر کہنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ میرے نالے اشعار کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ فطرتی شاعر شعر کہنے کی خواہش نہیں کرتا بلکہ شعر کہنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں غیر فطرتی شعر کی طرح ارادۂ اشعار لکھ کر دیوان بنانا نہیں چاہتا۔ بلکہ نالہائے دل اشعار کی صورت میں ظاہر ہوتے اور اس لئے دیوان بے شیرازہ ہے +

(۱۹)

دوست غنچاری میں میری سعی فرمائیں گے کیا ۱ زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا
بے نیازی سے گزری بندہ پرور کب تک ۲ ہم کہیں گے حال دل اور آب فرمائینگے کیا
حضرت ناصح گرائیں دیدہ و دل فرشتہ راہ ۳ کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا
آج وای تیغ و کفن باندھے ہوئے جانا ہوں میں ۴ عذریسے قتل کرنے میں وہ اب لائینگے کیا
گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھائیوں سہی ۵ یہ جنوں عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا
خانہ زاد زلف میں رنجیر سے بھالیں گے کیوں ۶ میں گرفتارِ وفا زنداں سے گھر لائینگے کیا
ہے اب اس محمورہ میں قحطِ غم الفت اسد

ہم نے یہ مانا کہ دل میں رہیں کھائیں گے کیا

۱۔ میرے دوست میری غنچاری میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں یعنی کوئی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ اگر وہ میرے ناخن کاٹ ڈالیں گے تاکہ میں اپنے زخم کو کید کر گہر نہ بنا سکوں تو ناخن پھر بڑھ آئیں گے اور میں اپنے زخم کو کید کر پھر گہرا بنالوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ میرے دوست میری کوئی مدد نہیں کر سکتے کیونکہ اگر کوئی اور شخص مجھے تکلیف دے تو وہ اس کو روک سکتے ہیں جب میں خود ہی مصائبِ عشق میں مبتلا رہنا چاہتا ہوں تو وہ اس طرح میرے مصائب کو دور کر سکتے ہیں +

۲۔ معشوق سے خطاب ہے۔ کہ بندہ پروردِ آپ کی بے نیازی حدِ شے گذر گئی۔ ہم اپنا حال دل کب تک کہتے رہیں گے کیونکہ آپ تو ہمارا حالِ دل سُن کر محض یہ فرما دیتے ہیں کہ کیا کہا۔ بے پروائی سے آپ ہماری کوئی بات سنتے ہی نہیں *

۳۔ حضرت ناصح اگر میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو شوق سے آئیں۔ میں اُن کو روک تو سکتا ہوں کیونکہ میں ایسی بد اخلاقی کا مرتکب نہیں ہو سکتا بلکہ دیدہ و دل فرس راہ کر دوں گا۔ لیکن اُن کا میرے پاس آنا بیکار ہے کیونکہ وہ مجھے معشوق سے کنارہ کشی کی فہمائش کریں گے۔ اور معشوق سے کنارہ کشی میرے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے مرزا غالب فرماتے ہیں کہ کوئی جھک رہے تو سجھا دے کہ وہ سمجھائیں گے کیا خاک *

۴۔ میرے قتل کرنے میں وہ صرف یہی عذر کیا کرتے ہیں کہ اس وقت میرے پاس تلوار نہیں ہے سو میں نے اپنے ساتھ تلوار لے لی ہے۔ اور کفن اس لئے ساتھ باندھ لیا ہے تاکہ انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں مرنے کے لئے بالکل تیار ہوں اور وہ یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ تمہیں قتل کر کے ہم کفن کا بار اپنے ذمہ کیوں لیں۔ پس تیغ و کفن باندھ کر میں نے اُن کا ہر ممکن عذر دور کر دیا ہے۔ اب وہ میرے قتل کرنے میں کیا عذر کر سکتے ہیں؟

۵۔ ناصح کی مسلسل اور ناقصانہ ناصحانہ تقریر سے مرزا صاحب تنگ آ گئے ہیں اور بنظر اخلاق بیٹھے ہوئے سُن تو رہے ہیں مگر اس قیام کو قید سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں ناصح کی بے انتہا فہمائش سے بھی ہمارا جنون عشق دور نہیں ہو سکتا *

۶۔ ہم زلف کے خانہ زاد ہیں یعنی ہم نے زلف کے حلقوں میں پردہ پوش پائی ہے ہم زنجیر کے کیوں بھاگیں گے ہم زندانِ وڈا کے گرفتار ہیں پھر ہم زندان سے کیوں گھبراؤ گے قاعدہ ہے جس کی طرف کا انسان عادی ہو جاتا ہے پھر اس سے گھبرا یا نہیں *

۷۔ فرماتے ہیں ہماری غذا تو غمِ الفت ہے اور اس شہر میں غمِ الفت کی بہت کمی ہو گئی ہم دہلی میں رہیں تو کس طرح رہیں کیونکہ ہماری غذا ہمیں بہتر نہیں آ سکتی۔ مطلب یہ ہے

کہ دھلی میں اب ایسے لوگ نہیں رہے جن سے محبت والفت کی جائے۔ خود غرض
لوگوں کا مجمع ہے اور محبت کا بدلہ جفا سے دیتے ہیں +

(۲۰)

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا ۱ مگر اور جینے رہتے ہی انتظار ہوتا
تو سے وعدہ پر جتنے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا ۲ کہ خوشی سے مرنے جانے اگر اعتبار ہوتا
تیری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا ۳ کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
کوئی میرے دل سے لپچھے ترے تیر نیم کش کو ۴ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست صبح ۵ کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھکتا ۶ جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے یہ کہاں بچیں کہ دل ہے ۷ غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شب غم بری بلا ۸ مجھے کیا بُرا کھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رہا ہوئے کیوں نہ غرق دیا ۹ نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مراد ہوتا
اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا ۱۰ جو دوئی کی بو کبھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب

” تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

منت

۱۔ زمانہ مرگ قریب ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں ہماری قسمت ایسی کہاں تھی کہ
ہمیں وصالِ یار میسر آتا۔ اگر اور کچھ عرصہ جیتے رہتے تو بھی وصالِ یار کا انتظار ہی کیونٹے
رہتے اور وصل میسر نہ آتا +

۲۔ تیرے وعدہ وصل کے بعد ہمارا زندہ رہنا ہی اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ ہم نے
تیرے وعدے کو جھوٹ سمجھا۔ ورنہ اگر سچ جانتے اور تیرے وعدہ پر اعتبار کرتے تو لازماً
خوشی کے مارے مر جاتے اور شادی مرگ ہو جاتا +

۴۳۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تیری نزاکت اور کمزوری ظاہر کرتی ہے کہ تو کسی استوار عہد کو نہیں توڑ سکتا تھا لہذا معلوم ہوا کہ تو نے جو عہد کیا تھا وہ بڑا اور کمزور تھا اور اس لئے تو اس کے توڑنے پر قادر ہو سکا۔ مرزا صاحب معشوق کی روحانی کمزوری کو جسمانی کمزوری پر محمول کرنا چاہتے ہیں ورنہ نزاکت جسم کا نزاکت عہد سے کیا تعلق۔ اسی نزاکت تخلیق نے تو مرزا صاحب کو تمام ہم عصروں پر غالب کیا +

۴۴۔ تیریم کش۔ آدھا کھینچا ہوا تیر یعنی جو پوری حد تک کمان میں نہ کھینچا گیا ہو اور اس لئے اس میں قوت پرواز کم رہ جاتی ہے۔ فرمایا ہے کہ تیرے نیم کش تیر کا اثر کوئی میرے دل سے پوچھے۔ چونکہ نیم کش تھا اس لئے جگر کے پار نہ ہو سکا اور موجب خلش ہے مطلب یہ ہے کہ معشوق نے ارادنا تیر کو پورا کھینچ کر نہیں چھوڑا تاکہ میں بھیجی اور بیقرار رہی ہوں اور جان سے نہ گذر سکوں +

۴۵۔ حضرت ناصح کی دوستی کوئی دوستی نہیں ہے۔ یعنی وہ دوستی کے پردے میں مجھ سے دشمنی کر رہے ہیں کہ ہر وقت ترک تعلق معشوق کی نصائح کرتے رہتے ہیں۔ میرا دوست تو کوئی چارہ ساز اور غمگسار ہونا چاہئے تھا جو میرے معشوق کو مجھ سے ملائے کی تدبیر عمل میں لاتا اور اس طرح میرا غم دور کرتا +

۴۶۔ غم ایسی بُری چیز ہے کہ اگر بچھڑیں بجائے شر کے غم ہوتا تو پتھر کی رگوں سے ایسا لہو ٹپکتا کہ کھینے کا نام نہ لیتا۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرا ہی حوصلہ ہے کہ غم برداشت کر رہا ہوں پتھر اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ غم میں شہر سے بھی زیادہ سوزش ثابت کی گئی ہے۔ ۴۷۔ اگر یہ غم جان کو ہلاک کرنے والی چیز ہے لیکن غم سے کس طرح۔ کہ ہمارا دل فطرتی طور پر غم کا شکار رہنا چاہتا ہے۔ ہمیں اگر غم عشق نہ ہوتا۔ تو غم روزِ - یعنی کسی نہ کسی غم میں ضرور مبتلا رہتے۔ اس شعر میں دل کی لغت بیان کی گئی ہے +

۴۸۔ شب غم یعنی شبِ بھر بہت بُری بلا ہے۔ میں کس سے اس کا مفصل حال بیان کروں

یعنی کوئی ایسا ہمدرد نظر نہیں آتا جو میرے مصائب کو دُور کر سکے۔ بس اتنا اشارہ کافی ہے کہ شبِ غم میں بے شمار مرتبہ مجھے موت کی تکالیف اٹھانا پڑتی ہیں۔ اگر واقعی موت آتی اور صرف ایک بار مرنا ہوتا تو میں شوق سے مر جاتا تا کہ شبِ غم میں ہزاروں بار مرنے کی تکالیف اٹھانے سے نجات پاتا۔ شبِ غم کو موت سے بہت زیادہ تکلیف دینے والا ثابت کیا ہے

۹۔ مطلب یہ ہے کہ شہر میں مرکز اور بھی رُسوا ہوئے کیونکہ جب ہمارا جنازہ اٹھا تو لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ یہ حضرت لکڑہ کشہ عشق ہیں اور جب مزار بن گیا تو اب بہت عرصے تک مزار سے گزرنے والے کہتے رہیں گے کہ یہ ایک کشہ عشق کا مزار ہے۔ اس سے بہتر تو یہ ہوتا کہ ہم کسی دریا میں ڈوب جاتے پھر نہ تو ہمارا کوئی جنازہ اٹھنا نہ کہیں مزار ہوتا اور ہم رسوا ٹی سے بچ جاتے۔ تخیل کی یہ حدیں مرزا صاحب ہی کا حصہ ہیں۔

۱۰۔ اس شعر میں محبوب حقیقی کی وحدانیت اور یکتائی کا ثبوت دیتے ہیں۔ شعر صاف ہے صنعتِ اعدا و ملاحظہ ہو۔

۱۱۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے حقیقتِ حال بیان فرمائی ہے۔ واقعی مرزا صاحب کا ایسا تصوف اور طرزِ بیان کسی دوسرے ہندوستانی شاعر کو نصیب نہیں ہوا۔ اور بہت ممکن تھا کہ اگر بادہ خوار نہ ہوتے تو بہت سے لوگ دلی سمجھنے لگتے۔

(۲۱)

ہو میں کہ ہے نشاطِ کار کیا کیا ۱ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا
تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا ۲ کہاں تک اسے سراپا ناز کیا کیا
نوازِ شرٹے بے جا دیکھتا ہوں ۳ شکایتِ ہائے رنگیں کا گلا کیا
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں ۴ تغافلِ ہائے تمکیں آزما کیا
فروغِ شعلہ خس یک نفس ہے ۵ ہوں کہ پاسِ ناموس وفا کیا
نفسِ مروجِ محیطِ بے خودی ہے ۶ تغافلِ ہائے سانی کا گلا کیا

دماغِ عطر پیرا ہن نہیں ہے ۷ غم آوارگی ہا سٹے صبا کیا
 دل پر قطرہ ہے سارِ انا البحر ۸ ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 محابا کیا ہے میں ضامنِ ادھر دیکھ ۹ شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا
 سُن اے غارت گر جنسِ فاس ۱۰ شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
 کیا کس نے جگرِ داری کا دعوے ۱۱ شکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
 یہ قاتلِ وعدہ صبرِ آرزو ماکہوں ۱۲ یہ کافرِ فتنہ طاقتِ ربا کیا

بلا سٹے جاں ہے غالبِ اُس کی ہر بات
 عبارت کیا اشارت کیا ادا کیا ۱۳

۱۔ ہر س کو کام کو نہ کی کبھی خوشی رہتی ہے۔ اگر مرنا نہ ہو تو زندگی کا کوئی لطف نہیں۔
 مطلب یہ ہے کہ اگر مرنا ہو تو کسی کو کام کو نہ کی ہوس نہ ہو۔ انسان چاہتا ہے کہ مرنے
 سے پہلے سب کام کر لے۔ مخلوقِ دو عالم اگر انسان کے لئے موت لازمی نہ رکھنا تو
 دنیا کے کاروبار بالکل سُست رہتے۔

۲۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تجا ہل پیشگی سے آپکا کیا مدعا ہے۔ اے سر پرانا زاپ
 کہاں تک ہر بات پر کیا کیا کہتے رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق تجا ہل عارفانہ کرتا
 ہے۔ ہر ایک بات کو سُنتا اور سمجھتا ہے اور یہیں دق کرنے کے لئے یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں
 نے سُنا اور سمجھا ہی نہیں۔

۳۔ جب میں قیہوں پر آپ کی بے جا دہرائیاں دیکھ رہا ہوں۔ تو قیہوں سے مجھے جو
 شکائتیں ہیں اُن کا گلہ آپ سے کیا کروں۔ بیکار ہے۔

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ وفا کی آزمائش سب سے پہلے آپ سے متغافل کرتے ہیں
 اس سے کیا فائدہ۔ آپ کا تغافل مجھے بے وفا نہیں بنا سکتا۔ میری دعا تو اس درجہ پر پہنچ
 چکی ہے کہ آپ مجھے بے حجابانہ نظروں سے دیکھیں اور خواہ نظر کی تاب نہ لاکر جانِ نیدل

لیکن وفا کو ہاتھ سے نہ دوں گا +

۵۔ گھانس پھونس کے شعلہ کی روشنی ایک لمحہ رہتی ہے۔ ہوس کو ناموس و فاس سے کیا تعلق۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عشق جو محض ہوس پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے اُس کو ثبات نہیں ہوتا +

۶۔ ہمارا عشق کامل ہے اور ہماری ہر سانس بخودی کے سمندر کی موج ہے اس لئے ہم شراب پئے بغیر ہی مست رہتے ہیں اور ہمیں ساقی کے تغافل کا کچھ گلا نہیں +

۷۔ ہمارا دماغ اُس عطر کی خوشبو کو پسند نہیں کرتا جو لباس پہنکر ملا جلا ہے اس لئے ہمیں صبا کے آوارہ ہونے اور اُس کے ہم ٹک عطر لباس یار کی خوشبو نہ پہنچانے کا کوئی غم نہیں۔ ہم تو خوشبوئے زلف یار کے ولادہ ہیں +

۸۔ ہر قطرہ آبِ دل سازانا البحر ہے۔ یعنی ہر قطرہ آب کا دعوت ہے کہ میں سمندر ہوں کیونکہ سمندر سے مل کر وہ جزو نہیں رہتا بلکہ گل ہو جاتا ہے۔ پس جب ایک قطرہ کی یہ اہمیت ہے تو ہم (جو کہ خدا کی مخلوق میں سب سے افضل ہیں اور زمین پر اُس کے خلیفہ بھی ہیں) بھی ذاتِ خالق کا ایک حصہ ہیں اور بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں ہمارا کیا پوچھنا +

۹۔ خوں بہا۔ وہ رگ جو کسی کے خون کے بدلے دیکھائے + مراد صاحبِ معنوں سے فدا ہے جس کو تو بخوف ہو کر میری طرف دیکھ۔ تو اس بات کی پروا نہ کر کہ تیری نظر کی تاب نہ لاکر میں مر جاؤں گا۔ میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ تجھ سے کوئی خون بہا نہ لیا جائیگا۔

کیونکہ شہیدانِ نگاہ ناز کا کوئی خون بہا نہیں لیا جاتا +

۱۰۔ معنوق سے خطاب ہے کہ اے میرے دل کی جنس و فاکے غارت گر میری بات سُن۔ دل کی قیمت ضائع ہونے میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ معنی یہ کہ اے معنوق تو نے اپنی جفاؤں سے میرے دل کی جنس و فاکے غارت کر دیا جس سے نہ صرف دل کی اب کوئی قیمت نہ رہی یعنی تیری بے انتہا جفاؤں سے آخر کار میرے دل سے وفا چھوڑ دی۔ میرا دل اب

حقیر اور بے قیمت چیز ہو گیا +

۱۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ میں نے تو کبھی تیرے سامنے حوصلے اور صبر کا دعویٰ نہیں کیا تھا جو تو مجھے صبر میں آزماتا ہے۔ بھلا عاشق کے دل کے صبر کی کیا حقیقت۔
”نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غریب“ +

۱۲۔ مجھ سے یہ صبر آزمانے والا اور قتل کرنے والا وعدہ کیوں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے ایسے وعدے کیوں کرتے ہو جو میرے صبر آزمانے والے مجھے ہلاک کرنے والے اور میری طاقت لے جانے والے ہیں +

۱۳۔ اے غالب معشوق کی ہر ایک چیز بلائے جاں ہے خواہ الفاظ ہوں خواہ اشعار ہو خواہ ادا۔ ہر ایک چیز سے عاشق کو اذیت پہنچا سکتا ہے +

(۲۲)

۱۔ پھر غلط کیا ہے کہ ہم سنا نہ ہوا ۲۔ اٹھے پھر آٹھے ۳۔ رو برو کوئی بست آئینہ سیما نہ ہوا ۴۔ تیرا بیمار بُرا کیا ہے گرا چھانا نہ ہوا ۵۔ خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریا نہ ہوا ۶۔ نام کا میرے ہے وہ دُکھ کہ کسی کو نہ ملا ۷۔ حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا ۸۔ کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا ۹۔ تھی خبر گرم کہ غالب کے اُٹھیں گے پرنے سے ۱۰۔ دیکھئے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

۱۱۔ ہمارا قہر و غضب اٹھانے کے لائق ہمارے برابر اور کوئی نہیں ہے۔ پھر ہم غلط نہیں

کہتے ہیں کہ ہم جیسا تمہارا عاشق اور کوئی نہیں ہے *

۳۴۔ بندگی۔ بندہ ہوتا یا عبادت۔ یہاں دونو معنی درست ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے وضع کے پابند اور خود دار ہیں کہ خدا کی عبادت کے لئے بھی کعبے کو ہی جاتے ہیں اور در کعبہ واپس جاتے تو واپس لوٹ آتے ہیں اور دروازہ کھلوا کر کسی کا احسان نہیں اٹھواتے۔

خود بین کے لفظی معنی مغرور ہیں۔ لیکن یہاں وضع دار اور خود دار سے مراد ہے *

۳۵۔ بیشتر معشوق حقیقی کی نشانی ہے * بت آئینہ سیما۔ آئینہ جیسی پیشانی والا معشوق مراد معشوق مجازی۔ کوئی معشوق مجازی تیرے مقابل نہ ہو سکا۔ سب تیری یکتائی کے قائل ہیں *

۳۶۔ چشم معشوق کو گل نرگس سے تشبیہ کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا ہے۔ تیرا بیمار اگر اچھا نہیں ہوا تو یہ بھی اچھا ہے۔ اس کے لئے لفظ بیمار پر ہی فخر کرنا کافی ہے کیونکہ تیری انگلی کو بھی نرگس بیمار سے تشبیہ دی جاتی ہے *

۳۷۔ جس طرح وہ قطرہ جو خاک کا رزق یعنی خاک کا جزو بن جاتا ہے دیر یا میں نہیں پہنچتا۔ دیر یا نہیں بن سکتا۔ اسی طرح میرا وہ نالہ جو لب تک نہیں پہنچ سکتا پہنچنے کے لئے داغ بن جاتا ہے *

۳۸۔ میری قسمت میں وہ تکلیف ہے جو اب سے پہلے کسی کو نہ دی گئی اور میرے کام میں ایسی خرابی ہوتی ہے جو پہلے کسی کے کام میں واقع نہ ہوئی۔ اس شعر میں اپنے مصائب اور اپنی بد قسمتی کا اظہار فرمایا ہے *

۳۹۔ میرے عشق کی داستان امیر حمزہ کا قصہ نہیں ہے کہ لوگ دلچسپی اور فرحت سے سننے جائیں۔ بلکہ میری داستان عشق اتنی مؤثر ہے کہ اس کے سننے والوں کے ہر بے موسم سے آنسو ٹپکیں سکے۔ نہ ٹپکے خوناب یعنی ضرور ٹپکے گا *

۴۰۔ مطلب یہ ہے کہ دیدہ بینا کوئی مذاق نہیں ہے۔ دیدہ بینا قطرہ بن دیر یا اور جزو بن

کل دیکھ سکتی ہے۔ یعنی دیدہ بینا ہر شے میں خدا کا ظہور دیکھ سکتی ہے۔

۹۔ یہ گرم خبر تھی کہ قتل میں معشوق کے ہاتھ سے غالب کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے ہوں گے یعنی معشوق کے ہاتھ سے قتل کیا جائے گا۔ ہم بھی تماشا دیکھنے گئے تھے لیکن تماشا نہیں ہوا یعنی غالب کو قتل نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ کہ غالب آزمائش میں پورا اُترا اور وقت مقررہ پر قتل ہونے کے لئے پہنچ آیا اس لئے محبوب نے اس خیال سے کہ ایسا چاہنے والا پھر نہ ملے گا قتل کرنے سے گریز کیا۔

اسد ہم وہ جنوں جولاں گداے بے سرو پا ہیں کہ ہے سرِ نچہ مرگان، آہو پشتِ خار اپنا
لے اسد ہم ایسے محبوں ہیں جو شب و روز صحراؤں اور جنگلوں میں دوڑتے پھرتے ہیں
اور چونکہ ہمارے پاس کوئی ساز و سامان دنیاوی بھی نہیں ہے اس لئے ہم مثل گداے بے سُر پا
بھی ہیں۔ ہم اپنی وحشتِ عشق اور جوشِ جنوں کے سبب صحراؤں میں اتنے تیز دوڑتے
پھرتے ہیں کہ ہرن جو سب سے تیز دوڑنے والا جانور ہے اس کی پلکیں یعنی جسم کا سب سے
اگلا حصہ بھی ہمارا پشتِ خار ہے اور ہم سے پیچھے رہتا ہے۔ پشتِ خار یعنی ایندھن کا گھڑیا
بھروٹا پلکوں کو پشتِ خار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

(۲۳)

پٹے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا ۱ بخوں غلطیہ صد رنگِ دعوئے پارسائی کا
نہ ہو حسنِ تماشا دوستِ رسوا بے وفائی کا ۲ بہ ہر صد نظر ثابت ہے دعوئے پارسائی کا
زکوۃ حسن سے اسے جلوہ بینش کہ ہر آسا ۳ چرخِ خانہ ورویش ہو کا سہ گدائی کا
نہ مارا جان کر بے جرمِ غافل تیری گردن پر ۴ رہا مانندِ خونِ بے گنہ حقِ آشنائی کا
تمنا ہے زباں جو سپاس بے زبانی ہے ۵ مٹا جس سے نقاضا شکوہ بیدستِ مپائی کا
وہی اک بات ہے جویاں نفس و ان نگہتِ گل ہے ۶ چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا
وہاں ہر منہ پیارا جو زنجیرِ رسوائی ۷ عدمِ نکتہ ہو چاہے تیری پیوفائی کا

نہ دے نام کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے

کہ حسرت سنج ہوں عرض ستمہائے جدائی کا

۱۔ خدا تعالیٰ کی ہمایوں کے بدلے میں خدا کا تقرب حاصل نہ کرنے کی شرم کا تھنہ
پیش کرتا ہوں۔ اور سو طرح سے خون میں لوٹنے کی وجہ سے یعنی اپنی ناجائز خواہشات پر قابو
پانے کی بنا پر اپنی پارسائی کا دعوے کرتا ہوں کہتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں پر سچے دل سے
شرمندہ ہو تو رحمت غفار اس کے گناہ بخش دیتی ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ
میں اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوں اس لئے خدائے کریم سے اپنے گناہوں کی معافی کا
خواستگار ہوں اور مجھے پارسائی کا دعوے اس لئے ہے کہ میں نے جہاں اپنی زندگی
میں ہزاروں گناہ کئے ہیں وہاں اپنی ہزاروں خواہشات نفسانی کا خون بھی کیا ہے۔
۲۔ اس لئے کہ حسن تماشا دوست یعنی حسن محبوب حقیقی جس کا ظہور ہر شے میں ظاہر
ہو رہا ہے یوسفانی میں بدنام ہو۔ سینکڑوں نظریں اس کی پارسائی کا ثبوت دے رہی
ہیں۔ یعنی آج تک کوئی نظر اس کا دیدار کامل دیکھنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ تماشا دوست
اس لئے کہ ہر ایک شے میں حسن الہی اپنی جھلک دکھا رہا ہے۔

۳۔ نور الہی سے خطاب کہ اے جلوۂ خدا حسن کی زکوۃ شے۔ تاکہ سورج کی طرح میرا گناہ گئی یعنی
میرا دل خانہ درویش یعنی میرے جسم کا چراغ بجائے سبحان اللہ کتنا معنی خیر اور مرقع شعر ہے
بہر اور کاسہ اور دل اور چراغ اور خانہ اور جسم کی تشبیہات واستعارات ملاحظہ ہوں۔
۴۔ تو نے ایک مشتاق قتل کو بے جرم سمجھ کر اس لئے قتل نہیں کیا کہ خون بیگناہ اپنی
گردن پر نہ لے مگر صورت میں تیری گردن پہ سجائے خون بے گناہ حق آشنائی رہ گیا۔
(ایادگار غالب)

۵۔ میری زبان کی تمنا یہ ہے کہ میری بے زبانی کی تعریف میں محور ہے جس بے دست ہائی
کا شکوہ جاتا رہا۔ مطلب یہ ہے کہ میری زبان میری بے زبانی کی شنا گوئی کی آرزو مند ہے

کیونکہ اس کی بدولت مجھے صبر و رضا کے فضائل حاصل ہو گئے اور میں اپنی بے بسی اور اپنے
جبر کا شکوہ نہ کر سکا ۔

۴۔ میرا سانس یعنی میرے اشعار اور نکہت گل چین میں کوئی فرق نہیں ایک ہی بات
ہے کیونکہ ایک ہی سبب سے پیدا ہوتے ہیں یعنی جلوہ چین سے ۔ جب چین پہ بہار آتی
ہے تو نکہت گل اور میرے رنگیں اشعار دونوں وجود میں آتے ہیں ۔ بہار چین ایک طرف
تو گلہائے رنگارنگ ظاہر کر کے ان کی خوشبو پھیلاتی ہے ایک طرف میری طبیعت
میں جوش لا کر رنگیں اشعار کی خلقت کا باعث ہوتی ہے ۔

۵۔ دہان معشوق کو بہت تنگ ہونے کی وجہ سے عدم سے تشبیہ دیا کرتے ہیں ۔ مرزا
صاحب معشوق سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے معشوق ہر ایک طعنہ جو معشوق کا دہن
تیری رسوائی کا سلسلہ بنا ہوا ہے گویا تیری بیوفائی کا چرچا عدم (معشوق دہن) تنگ
پہنچ گیا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ تو تمام دوسرے معشوقوں سے زیادہ بیوفا ہے ۔ کیونکہ
وہ خود بے وفا ہوئے کے باوجود تجھ کو بے وفا سمجھتے ہیں ۔

۶۔ اسے غالب اپنے خط کو طول نہ دے صرف یہ دیکھنا کافی ہو گا کہ اے محبوب میں
جدائی کے صدموں کا حال بیان کرنے کی تمنا دل میں رکھتا ہوں ۔ اگر محبوب کچھ متاثر ہو گا
تو تجھے بلا لیبے گا اور تیرے غم کی کہانی سنے گا ۔

(۲۴)

گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا ۱ بے تکلف داغِ مہرِ دہاں ہو جائے گا
نہرِ گریسا ہی شامِ بحر میں ہوتا ہے آب ۲ پیر تو ہوتا سیلِ خانماں ہو جائے گا
لے تولوں سوتے میں اُس کے پاؤں بو سہگر ۳ ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائے گا
دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا ۴ یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائے گا
سکے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا ۵ مجھ پہ گویا اک زمانہ بہرہاں ہو جائے گا

گر نگاہِ کرمِ فرماتی رہی تحصیلِ ضبط ۶ شعلہِ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا
 باغ میں مجھ کو نہ لے جاوے میرے حال پر ۷ ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں نشاں ہو جائے گا
 واسطے گرمیٰ تر انصافِ محشر میں نہ ہو ۸ اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائے گا
 فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی ہے دانا اسد
 دوستیِ ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا ۹

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اگر میں شبِ فرقت کے غموں کا بیان نہ کر سکوں گا تو لازماً
 میری دہاں چاند کا داغ بن جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر دہاں یعنی رازِ ہائے عشق جن کو میں نے
 ابتک ظاہر نہیں کیا اور جنہوں نے میرے دہن تک آکر ہر کی صورت اختیار کر لی ہے چاند
 کے داغ کی طرح ظاہر ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح چاند کے داغ سے ہر ایک
 شخص واقف ہے اسی طرح اندوہِ شبِ فرقت سے واقف ہو جائیں گے۔ میں اندوہ
 شبِ فرقت سے تنگ آکر محبت و عشق کا راز افشا کر دوں گا اور پھر میں اور تم دونوں کا نام
 ہو جائیں گے + داغِ مہ اور ہر دہاں کی تشبیہ مرزا صاحب کے سوا اور کون تلاش کر سکتا ہے
 ۲۔ اگر شبِ ہجر کی تکلیفوں سے میرا پتہ پانی ہو گیا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ چاندنی میرے گھر
 کے لئے سیلاب بن جائے۔ چاندنی اور سیلاب کی مثال کیا پُر لطف ہے +

۳۔ رخصت ہاتھ کا بوسہ لینے سے محبوب کے بیدار ہو جانے کا زیادہ امکان ہے اس لئے
 حمال کرتے ہیں کہ پاؤں کا بوسہ ہی لے لوں۔ پھر خیال آتا ہے ممکن ہے پاؤں سے بھی بیدار
 ہو جائے اور مجھ سے بدگماں ہو جائے یعنی مجھے ناقابلِ اعتبار سمجھنے لگے۔ کیونکہ بغیر اجازت
 پاؤں سے بھی چوری ہے +

۴۔ ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنے دل کو اظہار و فاداری میں استعمال کریں گے۔ ہمیں یہ کیا
 علم تھا کہ معشوق کی پہلی ہی نظر اسے اڑا لے جائے گی۔ اور پہلی ہی آزمائش میں ہمارا ساتھ
 چھوڑ دے گا +

۵۔ یہ عشق حقیقی میں ہے۔ فرماتے ہیں سب کے دل میں تیری جگہ ہے یعنی سب تجھ سے محبت کرتے ہیں اور تیرے چاہنے والے ہیں۔ اگر تو مجھ پر مہربان ہوا تو تمام زمانہ مجھ پر مہربان ہو جائے گا۔ دوست کا دوست بھی بہتر دوست ہوتا ہے ۛ

۶۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اگر تمہاری تیز نگاہیں اسی طرح مجھے ضبطِ رازِ عشق کی تعلیم دیتی رہیں تو لازماً شعلہٴ عشق آتشیانہٴ دل میں اسی طرح نہاں ہو جائے گا جس طرح خون رکھائے جسم میں۔ خُس سے مراد یہاں آشیانہٴ خُس ہے کیونکہ آشیانہٴ خُس سے جتا ہے اور آشیانہ سے مراد آشیانہٴ دل ہے ۛ مطلب یہ ہے کہ آپ کی گرم نگاہوں اور رعبِ جُن سے شعلہٴ عشق دل میں نہاں ہو جائے گا اور رازِ عشق افشاں ہو گا ۛ

۷۔ معشوق سے خطاب ہے کہ مجھ کو باغ میں نہ لے چل ورنہ میری حالتِ زار پر ہر گز تر آنسو برسائے والی آنکھ کی مانند ہو جائیگا ۛ

۸۔ شعرِ صاف ہے۔ فرماتے ہیں اگر تیرا میرا انصاف محشر میں بھی نہ ہوا یعنی اگر روزِ قیامت بھی میری مظلومی کی جزا تیرا عدلی قرار نہ دیا گیا تو تجھ کو نہایت سخت صدمہ ہو گا۔ کیونکہ زندگی بھر تو مجھے یہ توقع رہی کہ روزِ جزا ضرور جزا ملے گی ۛ

۹۔ اپنے معشوق کو ناداں بتلاتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ اے اسد تو نادانا آدمی ہے آخر یہ تو سورج کہ ناداں کی دوستی میں جان کے نقصان کے سوا اور کیا فائدہ ہے۔ مثل مشہور ہے دانا دشمن نادان دوست سے بہتر ہوتا ہے ۛ

(۲۵) ۛ

درد منت کش دوانہ ہوا ۱ یس نہ اچھا ہوا، بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں قیہوں کو ۲ اک تماشا ہوا، اگلا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں ۳ تو ہی جب خبرِ زمانہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لبِ رقیب ۴ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی ۵ آج ہی گھر میں پوریانہ ہوا
 کیا وہ نرود کی خدائی تھی ۶ بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
 - جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی ۷ حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
 - زخم گردب گیا، لہو نہ تھا ۸ کام گر رک گیا روانہ ہوا
 - رہنری ہے کہ دلستانی ہے ۹ لے سے دل دلستان روانہ ہوا
 کچھ تو پڑھے کہ لوگ کہتے ہیں
 آج غالب غزل سرائے ہوا ۱۰

۱- میرا درد عشق دوا کا احسان اٹھانے والا نہ ہوا اور مجھے صحت نہ ہوئی یہ بُرا نہ ہوا
 بلکہ اچھا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ تکلیف اٹھا کر مر جانا کسی کے احسان اٹھانے سے بہتر
 ہے۔ بقول شیخ سعدی رحقاً کہ با عقوبت روزخ برابر است
 رفتن بیائے مردی ہمسایہ در بہشت

۲- میرے تمہارے درمیان جو شکوے شکایات ہیں بہتر ہے کہ میں اور تم ہی بیٹھ کر
 اُن کا فیصلہ کر لیں۔ تم رقیبوں کو کہیں بلا تے ہو۔ اُن کو تماشہ دکھانے سے کیا فائدہ؟
 ۳- بہتر ہے کہ تو ہی ہمیں خبر سے قتل کر دے۔ تاکہ ہماری تمنا پوری ہو جائے۔ اگر تو ہی
 اپنے خنجر سے ہمیں قتل نہ کر لے گا تو ہم اپنی قسمت آزمانے کے لئے اور کس کے پاس جائیں
 کیونکہ ہم تیری ہی محبت میں سرشار ہیں اور تجھ پر ہی ہمارا حق ہے۔
 ۴- بے مزہ نہ ہوا۔ نہ بگڑا۔ تیرے ہونٹ کتنے شیریں ہیں کہ رقیب بھی جو حقیقت
 تیرا عشق بھی نہیں ہے تیری گالیاں برداشت کر گیا اور نہ بگڑا۔ مرزا صاحب نے اس
 شعر میں غضب کی فصاحت اور محاورہ بندی دکھائی ہے۔

۵- فرماتے ہیں اُن کے آنے کی خبر آج گرم ہے۔ لیکن میرے گھر میں صرف ایک دیوا
 کافر تھا افسوس آج وہ بھی نہ رہا۔ وہ آئیں گے تو انہیں کس فرش پر بٹھاؤں گا؟

۷۔ میری زندگی نمرود کی خدائی تھی کہ اُس سے مجھے سوالِ قصان کے کوئی فائدہ نہ پہنچا
(یادگارِ غالب) بندگی پر نمرود کی خدائی کا اطلاق اچھوتا خیال ہے *

۸۔ ہم نے خدا کے عشق میں صرف اپنی جان دی لیکن ہم نے کیا دیا جان تو اُسی کی دی
ہوئی تھی گویا ایک امانت تھی جو ہم نے واپس کر دی۔ حق تو یہ ہے کہ ہم اُس کے احسانات
اور بخششوں کا کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے اور ہم سے اُس کا کوئی حق ادا نہ ہو سکا *

۹۔ اگر میرا زخم کچھ دبا تو لہو جاری رہا اور اگر کام رک گیا تو دوا (اچھا) نہ ہوا مطلب
یہ اگر کام کا رُکنا اچھا نہیں تھا تو زخم کے دبنے کے بعد خون بھی بند ہونا چاہئے تھا۔
لیکن بد نصیبی سے لہو بند نہ ہوا *

۱۰۔ یہ دستانی ہے یا رہزنی ہے کہ دل پھینے والا دل لیتے ہی چلا گیا۔ مطلب یہ کہ
دل لینے والے کو ہم سے راہ و رسم رکھنی چاہئے تھی۔ وہ تو ڈاکوؤں کی طرح دل لیتے ہی
غائب ہو گیا *

۱۱۔ مقطع صاف ہے۔ قابلِ تشریح نہیں *

(۲۶)

گلد ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا ۱ گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب ۲ مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی ۳ دوامِ کائناتِ خاطر ہے ہمیشہ دُنیا کا
غمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو ۴ مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا
ہنوز محرمیِ حُسن کو ترستا ہوں ۵ کرے ہے ہر بُنِ مروتِ کامِ چشمِ بینا کا
دل اس کو پہلے ہی ناز واداسے دے بیٹھے ۶ ہمیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا
نہ کہہ کہ گریہ بمقدارِ حسرتِ دل ہے ۷ مری نگاہ میں ہے جمع و خرچِ دیا کا
فلک کو دیکھ کے کرا ہوں اُس کو یاد آئے ۸ جفا میں اُس کی ہے اندازِ کارِ فرما کا

۱۔ اس شعر میں پہلے دوسرے مصرع کے معنی بیان ہونا چاہئے۔ دریا کی بچینی گہر میں جاتی رہتی یعنی دریا موتی میں سما گیا اگرچہ وہ تنگٹی جا کی وجہ سے موجزن نہیں ہو سکتا (دریا سے یہاں مراد وہ قطرہ دریا ہے جو سیپی میں موتی بن جاتا ہے) اور جزو کا اطلاق کل پر کیا گیا ہے۔ لیکن شوق یعنی عشق کو دل جیسی وسیع جگہ میں بھی جہاں تمام دنیا سما سکتی ہے تنگٹی جا کی شکایت ہے۔ اور اس کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ گوہر میں سما کر اضطراب دریا محو ہو جاتا ہے۔ لیکن شوق کی بےقراری دل میں قائم رہتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بے انت عشق و معونہ دل سے بھی کچھ زائد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مطلع میں بھی مرزا صاحب نے ایک نہایت وسیع مضمون کو نہایت دلکش طریق سے بیان فرمایا ہے۔ مزید برآں دل کی تشبیہ گوہر سے اور شوق کی دریا سے نہایت لطیف دے رہی ہیں سبحان المتدکيا قادر الکلامی ہے +

۲۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تُو خط کا جواب نہ دے گا۔ مگر کیا کروں تجھے خط لکھنے کا شوق مجھے مجبور کیا کرتا ہے +

۳۔ پہلے مصرع میں بہار کی بے شباتی ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں اگر موسم بہار کی مدت اتنی قلیل ہے تو یوں سمجھئے کہ موسم خزاں کے پاؤں کی ہمدی ہے جس کا رنگ بہت جلد اڑ جاتا ہے۔ دُنیا کا (تھوڑا سا) عیش ہمیشہ کے لئے دل کی تکلیف کا باعث ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں عیش بہت کم اور تکلیف بہت زیادہ ہیں +

۴۔ غم فراق کی حالت میں مجھے سیرِ باغ کے لئے مجبور نہ کر دیکونکہ میں (پھولوں کے) خندہ ہوں۔ بچا پسند نہیں کرتا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ غم کی حالت میں دوسروں کا ہنسنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ پھولوں کے کھلنے کو پھولوں کے ہنسنے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ اور بچا اس لئے کہ وہ ہمیشہ ہنستے رہتے ہیں خواہ ہنسنے کا موقع ہو یا نہ ہو +

۵۔ اگرچہ میں اتنی معرفت حاصل کر چکا ہوں کہ میرا سر روٹکنا ایک چشمِ بینا کا کام دیتا

ہے۔ پھر بھی میں حسن محبوب حقیقی کا راز دار نہ بن سکا۔ یعنی مجھے دیدار الہی نصیب نہ ہوا۔
۱۷۔ مرزا صاحب جن الفاظ کو پسند فرماتے ہیں انہیں اکثر استعمال فرماتے ہیں۔ مثلاً دماغ۔
نفس۔ شوق۔ آئینہ۔ بوسہ وغیرہ۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم او پہلے ہی ناز و ادا میں معشوق
کو اپنا دل دے بیٹھے۔ ہم میں حسن کے تقاضا یعنی ناز و ادا کی برداشت ہی نہیں۔ حسن
فطرتاً طالب عشق ہے اور اس لئے ناز و ادا سے عشاق حاصل کرنے میں مصروف
رہتا ہے +

۱۸۔ نہایت لطیف شعر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تو یہ نہ کہہ کہ گریہ حسرت دل کی نہایت
سے ہوتا ہے اگرچہ یہ بات درست ہے لیکن میرے حسرت دل کے گریہ کی تو کوئی انتہا
ہی نہیں۔ دریا کا جمع خراج میری نگاہ میں ہے یعنی دریا کا جمع خراج میں جانتا ہوں لیکن
میرے حسرت دل کے گریہ کی مقدار اُس سے بھی زیادہ ہے۔ دوسرے مصرع کے
دوسرے معنی مزید پر لطف ہیں۔ فرماتے ہیں دریا کا خراج میری نگاہ یعنی آنکھ میں
جمع ہے۔ دریا جس قدر پانی بہاتا ہے اُسی قدر گریہ میری آنکھ میں جمع ہے۔ الفاظ کی
نشست سے رنگارنگ کے معانی پیدا کرنا حضرت غالب ہی کا حصہ ہے +
۱۹۔ آسمان کو دیکھنے سے مجھے خدا یاد آتا ہے کیونکہ آسمان کی جفائیں و حقیقت
اُس کا قہر ہے۔ آسمان اُس کے حکم کے بغیر کسی پر جفا نہیں کرتا۔ جب آسمان کی طرف
دیکھتا ہوں تو خدا یاد آتا ہے کیونکہ جہاں خدا رحیم ہے وہاں قہار بھی ہے +

(۲۷)

قطرہ بے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا ۱ خطہ جام سے سر اسر رشتہ گوہر ہوا
اعتبار عشق کی خانہ خسرابی دیکھنا ۲ غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پہ ہوا
۱۔ شراب کا قطرہ حیرت کی زیادتی سے نفس پرور ہوا یعنی نہ ٹپکا۔ نفس پرور اس
وجہ سے کہا گیا کہ اُس نے وجہ کو علیحدہ اور قائم رکھنا چاہا۔ جب نہ ٹپکا تو چھوٹی چھوٹی

بوندوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور پیالے میں ایسا خط بن گیا کہ رشتہ گوہر معلوم ہونے لگا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق کے اعتبار کی خانہ خرابی دیکھئے کہ اگرچہ آہ غیر نے نکالی لیکن وہ خفا مجھ پر ہٹا۔ فرماتے ہیں چونکہ معشوق کو میرے عشق کا اعتبار ہو گیا ہے اس لئے سوائے میرے اور کسی کو اپنا عاشق نہیں سمجھتا۔ اگر رقیب دکھاوٹ کے لئے آہ نکال بھی دیتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں نے ہی آہ کھینچی اور مجھ پر ہی خفا ہوتا ہے۔

(۲۸)

جب بمقرب سفر یار نے محل باندھا تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا
اہل بنیش نے بہ حیرت کدہ شوخی ناز جوہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا
یاس و امید نے یک عہدہ میداں مانگا عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا
نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب
گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی سائل باندھا

۱۔ جب ہمارے محبوب نے سفر کے لئے اونٹ پر محل باندھا تو ہمارے شوق کی گرجی اور افراط نے راستے میں معیت کے لئے راستہ کے ہر ذرہ پر ایک دل باندھ دیا۔ ذرہ کو متحرک اور بقیار ہونے کی وجہ سے دل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے جب ہمارا دوست سفر کو چلا تو ہم تو دوست کی اجانت کے بغیر اس کے ہمراہ ہونے کے ہم نے ہر ذرہ پر ایک دل باندھ دیا۔ یعنی ہر ذرہ کو اپنا دل تصور کر لیا۔
۲۔ عقلمند شعرا نے معشوق کے آئینہ کے جوہر کو طوطی بسمل سے تشبیہ دی ہے جوہر آئینہ کا رنگ سبز ہوتا ہے اس لئے طوطی سے تشبیہ دیا گیا اور حرکت فلکس آئینہ سے وہ بھی حرکت میں نظر آتا ہے لہذا بسمل کہا گیا۔ حیرت کہہ سے مراد آئینہ اور شوخی ناز سے مراد معشوق ہے۔ مرزا صاحب کی تشبیہات میں نہایت بدرجہ غایت ہوتی ہی ہے۔

۶۵۔ ہمت کی عاجزی نے سائل یعنی عاشق کے دل میں ایک طلسم باندھا ہوا ہے اور وہ طلسم ہے کہ یاس اور امید نے لڑائی کا میدان مانگ رکھا ہے یعنی آپس میں لڑ رہے ہیں کبھی دل عاشق میں یاس کو فتح نصیب ہو جاتی ہے کبھی امید غالب آ جاتی ہے۔ یہ عاشق کی ہمت کی کمزوری ہے کہ اُسے کبھی یاس ہے کبھی امید۔ اگر عاشق کامل ہو اور ہمت میں کمزوری نہ ہو تو یاس کبھی غالب نہیں آ سکتی۔ یاس اور امید کی لڑائی کو طلسم دل سے استعارہ کیا گیا ہے +

۶۷۔ یہ شعر مرزا صاحب نے اپنے حسبِ حال تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں مجھے کئی شنگی ذوق سخن کے مضامین نہ بندھ سکے اگرچہ میں نے دریا کو بھی ساحل باندھا۔ یعنی دریا کو بھی خشک دکھانا چاہا مضامین کا بہت کم حصہ باندھا۔ لوگ مرزا صاحب سے اُن کی مشکل پسندی کی شکایت کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ ”گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل“۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں کیا کروں میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں میں ایسے مضمون باوجود گردش کے بھی نہ باندھ سکا جن میں ذوق سخن تشذربے۔ مرزا صاحب کے عالیِ رايخ میں مضامین کی اس قدر کثرت ہے کہ وہ ایسا کلام لکھنے سے مجبور ہیں جس میں مضمون کی کمی بمضامین کا ایک دریا ہے کہ اُڑا چلا آتا ہے کہاں تک اس کے جوش کو کم کیا جائے +

(۲۹)

میں اور بزمِ نئے سے یوں تشذربا آئیں ، گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا
 ہے ایک تیر جس میں نونوں چمکے پٹے ہیں ، وہ دن گئے کہ اپنا دل سے بگاڑا تھا
 در ماندگی میر غائب کچھ بن پڑے تیر بانوں
 جب رشتہ بے گرہ تھا تاخن گرہ کشا تھا

۱۔ شعر سادہ ہے اور مرزا صاحب زبان کے چٹا سے لے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں میرے جیسا مادہ خیار بزم سے اس طرح تشذربا کام یعنی محروم آئے ہیں نے توبہ کی ہوئی تھی ساقی کو کیا ہو گیا تھا کہ اُس نے مجھے زبردستی نہ پلائی (از یادگار غالب) +

۲۔ معشوق کے ایک ہی تیز نگہ سے میرے دل اور جگر دونوں چھد چکے ہیں اور دونوں چھد کر ایک ہی مقام پر اکٹھے ہو گئے ہیں وہ دن گئے جب دونوں الگ الگ تھے ۔
 ۳۔ اسے غالب عاجزی اور کمزوری کی حالت کچھ بن پڑتی نظر نہیں آتی (زمانہ شباب میں) جب مجھے مشکلات کا مقابلہ نہ کرنا پڑتا تھا جب تو مجھ میں اُن کے دفع کرنے کی طاقت تھی اب (ضعیفی میں) جب مشکلات و مصائب کے دفع کرنے کی طاقت نہ رہی تو مشکلات و مصائب دیریش آرہے ہیں اب ان کا دفعیہ ناممکن ہے۔ گرہ یہاں مشکل کے معنی اور ناخن قوت کے معنی دے رہا ہے ۔

(۳۰)

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا ۱۔ بھرا گر بھر نہ ہوتا تو بیاہاں ہوتا
 تنگی دل کا گلو کیا یہ وہ کافر دل ہے ۲۔ کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بار سے
 کاش رضواں ہی دیر بار کا دریاں ہوتا

۱۔ ہم اگر نہ روتے تب بھی ہمارا گھر ویراں ہوتا۔ کیونکہ بھرا گر بھر نہ ہوتا تو بیاہاں ہوتا۔ دُنیا میں وہی چیزیں ہیں خشکی یا تری۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم نہ روتے تو بھی گھر ویراں ہوتا کیونکہ گرفتارِ عشق کو اپنی ہی خبر نہیں ہوتی۔ گھر کی کیا خبر لیں۔ ہمارا گھر اگر رونے سے نہ بہتا تو ہماری بے خبری سے ویراں ہو جاتا ۔

۲۔ ہمارا دل اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشماں ہوتا۔ اس کا کیا گلا کریں کہ دل تنگ ہے یہ تو ایسا کافر یہ نصیب دل ہے کہ کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور گرفتار رہتا۔ تنگی اور پریشانی میں تضاد ہے ۔

۳۔ کاش رضواں (دیریاں بہشت) ہی دیر بار کا دریاں ہوتا کیونکہ وہ تمام عمر عبادت کرنے کے بہتو بار کے مکان میں جانے کی اجازت دے دیتا۔ رضواں جنت میں انہی لوگوں

کو دُعا کرے گا جو عابد و پرہیزگار ہوں گے +

(۳۱)

۱۔ نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ۱ دُعا یا محمد کو ہونے سے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہو جب غم ست یوں جس تو غم کیا سرکشے کا ۲ نہ ہوتا اگر ہدایت سے تو زانو پر دھڑکا ہوتا

ہوئی مدت کہ غالت مر گیا پر یاد آتا ہے

۳ وہ ہر اک شہ پر کہنا کہ ہوں ہوتا تو کیا ہوتا

۱۔ جب کوئی چیز نہ تھی تب صرف خدا ہی تھا۔ اور اگر کوئی چیز پیدا نہ ہو تو تب بھی خدا ہی ہوتا۔ محمد کو تو ہونے سے یعنی ہستی میں آنے سے دُعا نہ دُیا۔ اگر میں نہ ہوتا یعنی اگر میں نیستی سے ہستی میں آتا تو کیا ہوتا بس خدا ہی ہوتا کیونکہ اگر عالم پیدا نہ ہوتا تو میں بھی پیدا نہ ہوتا اور جب کوئی شے نہ تھی تو خدا ہی تھا لہذا میں بھی خدا ہوتا۔ الفاظ کے مجرہ پیرست سے سننے سے معافی و مطالب پیدا کرنا مرزا صاحب ہی کا اعتقاد ہے اور واقعی وہ اپنے زمانے کے خدا سے سخن گفتے +

۲۔ جب ہمارا سر غم و الم کے باعث ایسے جس ہو چکا تھا اور زانو پر دھڑکا رہا تھا۔ اس سے ہمیں اس کے کٹ جانے کا کوئی غم نہیں۔ کیونکہ بیکار ہو چکا تھا + اس شعر میں غم و الم کی افراط کا اظہار فرمایا ہے +

۳۔ عرصہ گزرا کہ غالب مرچکا لیکن اب بھی یاد آتا ہے کیونکہ اس کی نگاہ دنیا و مافیہا کی کوئی وقعت نہ تھی اور ہر بات پر یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ آخر ہر شے کو فنا ہے ہمارے ہر ایک تنہا پر ہی بھی ہو جاتی تو کیا ہوتا آخر فنا +

(۳۲)

ایک ذرہ زمیں نہیں ہے کار۔ باغ کا۔ یاں جاوہ بھی فنیہ۔ بہت لالہ کے دان کا
بے سے کہتے بہت طاقت آشوب۔ کھینچ۔ بہت بجز حوصلہ سے خط ایان کا

بیل کے کاروبار پہیں خندہ ہائے گل ۴ کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا
تازہ نہیں ہے نشہ فکر سخن مجھے ۵ تریاکی قدیم ہوں دود چراغ کا
سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے ۶ پر کیا کریں کہ دل ہی عہد ہے فراغ کا
بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار ۷ یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط دل

۸ ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

۱۔ مرزا صاحب کے کلام میں یہ خاص وصف ہے کہ باوجود بلیغ ہونے کے فصاحت
سے نہیں گزرتا اور سلاست اور روانی قائم رہتی ہے۔ فرماتے ہیں باغ کی زمین کا ایک
ذرہ بھی بیکار نہیں (سبزے سے پٹی ہوئی) روشن بھی لالے کے داغ کے لئے (مرحم کی)
بٹی کا کام دیتی ہے ۹ نزاکت تخت ملّا حظ ہو سبزے سے پٹی ہوئی روش کو مرہم رنگار
سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس راستے پر کون مرزا صاحب کے ساتھ گامزن ہو سکتا ہے
۱۰۔ اس شعر میں عجز حوصلہ کو جاندار ظاہر کیا گیا ہے۔ بیجان چیزوں کو جاندار انسان
ظاہر کرنا جسے انگریزی میں *Personification* کہتے ہیں مرزا صاحب کی
خصوصیات سے ہے ۱۱ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مئے عشق حقیقی کے بغیر معرفت الہی
کی برداشت کی طاقت کس میں ہے (یعنی کوئی برداشت نہیں کر سکتا) اس لئے
پست ہمتی نے پیمانہ شراب پر خطوط کھینچ دیئے ہیں۔ تاکہ شراب محبت کی منفرد تھوڑی
تھوڑی بڑھائی جائے۔ اور ساتھ ساتھ علوم الہی کی برداشت کی قوت بھی بڑھتی رہے
۱۲۔ کاروبار سے یہاں مجنونا نہ حرکات مراد ہے ۱۳ فرماتے ہیں پھول بیل کی مجنونا نہ حرکات
پر ہنستے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ عشق خلل دماغ کا دوسرا نام ہے (خندہ گل۔ پھول کے
کھلنے کو شعر خندہ گل کہا کرتے ہیں) ۱۴

۱۵ مجھے فکر سخن تازہ نہیں ہے یعنی بچپن سے ہی میں فکر سخن کا دلدادہ تھا۔ اور میں

چراغ کے دھوئیں کا قدیمی افیونی ہوں۔ یعنی میں ہمیشہ وقت شب چراغ کے سامنے مطالعہ سخن اور مشق سخن کرتا رہا ہوں + تریاکی بمعنی افیونی۔ چنڈ و بازہ۔ چنڈ و وغیرہ کا نشہ بذریعہ دود کشی کیا جاتا ہے +

۵۔ ہم سو بار عشق کی قید سے آزاد ہوئے۔ مگر کیا کریں ہمارا دل فراغت اور آرام کا دشمن ہے یعنی ہمارا دل ہی چاہتا ہے کہ بندہ عشق سے آزاد نہ ہو۔ اُس کے لئے شغل کی ضرورت ہے۔ عشق سے مراد عشق مجازی ہے +

۶۔ بے خون دل یعنی آنسوؤں کے بغیر آنکھ میں موج نگہ کی بجائے غبار پیدا ہو جاتا ہے۔ (روئے سے آنکھ کا گرد و غبار دور ہو جاتا ہے)۔ یہ میکہ (چشم) ایسا میکہ ہے جہاں شراب ہونی چاہئے اور شراب کے بغیر اس میں خرابی ہونی لازمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ۔ ونا بہت اچھی چیز ہے اس کے بغیر آنکھ کو زینت نہیں +

۷۔ ابر بہار کسی کے دماغ کا خملکہ ہوگا۔ ہمیں تو اُس سے کوئی فرحت حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارے لئے تو تیرا باغ شگفتہ یعنی حسن شگفتہ نشاطِ دل کی بساط ہے + بساط بمعنی فرش + مطلب یہ ہے کہ ابر بہار سے ہمیں کوئی فرحت نہیں ہوتی۔ ہمارے لئے تو تیرا حسن ہی فرحت کا باعث ہو سکتا ہے +

(۳۳)

وہ مری چین چین سے غم نہاں سمجھا ۱ راز مکتوب بہ بے لعلی عنوان سمجھا
 یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز ۲ چاک کترا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا +
 شرح اسباب گرفتاری خاطر مست پوچھ ۳ اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم حرام ۴ رخ پہ ہر قطرہ عسوق دید جیاں سمجھا
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا ۵ بنفخِ خس سے پیش شعلہ سوزاں سمجھا
 سفر عشق میں کی ضعفِ راحت طلبی ۶ ہر قدم سایہ کوئیں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مژہ بار سے دل تا دم مرگ ، دفع پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا
 دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفادار اسد
 غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

۱۔ معشوق میری پیشانی کے بلوں سے میرے غم نہاں یعنی میری ناراضگی کو سمجھ گیا۔ اور خط
 کے بھید یعنی دل کے بھید کو عنوان کی ہے بڑی یعنی چین چیں سے سمجھ گیا۔

۲۔ آئینہ کو صیقل کرتے ہیں تو شروع میں آئینہ پر صیقل سے ایک سیدھی لکیر سے بناتے
 ہیں جو الف سے مشابہ ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے آئینہ دل میں ابھنی صیقل کو
 ابتدا ہی ہوئی ہے۔ حالانکہ میں عرصہ دراز سے گریباں کو صیقل کرنے کا آلہ سمجھتے ہوئے
 اپنے سینہ سے وابستہ اور مس رکھتا رہا۔ لیکن اب میں سمجھ گیا کہ یہ تو درحقیقت گریباں
 ہی ہے۔ اس لئے میں اب اسے بیکار سمجھ کر چاک کرتا رہتا ہوں۔ صیقل کرنے کا آلہ نصف
 دائرہ کی شکل کے گریباں سے مشابہ ہوتا ہے۔

۳۔ میری دل گرفتگی کے اسباب کی شرح نہ پوچھ۔ بس یہ بتا سکتا ہوں کہ میرا دل اس قدر
 تنگ ہو گیا ہے کہ میں اس کو ایک قید خانہ سمجھ رہا ہوں۔

۴۔ میری بدگمانی نے نہ چاہا کہ معشوق سرگرم خرام رہے کیونکہ چلنے سے اس کے رخ پر
 پسینے آگئے تھے اور میں پسینہ کے قطروں کو رقیبوں کی آنکھیں سمجھا اس لئے میں نے
 معشوق کو زیادہ چلنے سے روک دیا۔ مرزا صاحب کی چابکدستی تخیل بھی جیزن کرنے والی
 ہے۔ بھلا اتنے وسیع مضمون کو ایک شعر میں ادا کرنے کی کس دسترس حاصل ہے۔

۵۔ اپنی کمزوری سے میں یہ سمجھا کہ وہ بدخیز ہوگا۔ تنکے کی نبض سے جلائے والی آگ کا
 اندازہ لگایا۔ مطلب یہ ہے کہ میں اتنا عاجز اور کمزور ہوں کہ معشوق کی ذرا سی بد خوئی
 بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ سمجھا کہ خواہ وہ اوروں کے لئے بدخو ثابت ہو
 یا نہ ہو لیکن میرے لئے ضرور ہوگا۔ دوسرے مصرعے میں فرماتے ہیں کہ میں نے تنکے کی

نبض سے یعنی اپنی حالت سے اُس کے مزاج کو شعلہ سوزاں سمجھا جس کی تشبیہ نبض اور عجز سے کیا لطافت پیدا کر رہی ہے۔ بدخوئی کو شعلہ سوزاں سے تشبیہ دی گئی ہے ۴۔ سفر عشق میں نہیں اتنا کمزور اور واماندہ ہو گیا کہ مجھے آرام کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنے سایہ ہی کو ہر قدم پر شبستان سمجھنے لگا۔ یعنی ہر قدم پر اپنے سایہ سے آرام پانے کیلئے ٹھہر جاتا تھا۔ کمزوری اور تکان سے سایہ دار درخت تک پہنچنا بھی دشوار ہو جاتا ہے ۵۔ میرا دل مژہ یار سے مرتے وقت تک بھاگنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن یہ میری ناجبھی تھی۔ مژہ یار تو پیکان قضا کی مانند ہے۔ اور پیکان قضا سے کسی کو مضر نہیں ہو سکتی ۸۔ اسے اسد تم نے اُس کو وفادار سمجھ کر عمداً اپنا دل دیا۔ تم نے بڑی غلطی کی کہ ایک کافر کو مسلمان سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق تو ہمیشہ کافر اور ظالم ہی ہوتے ہیں وہ کب مسلمان اور وفادار ہو سکتے ہیں؟

(۳۴)

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا ۱
 دم لیا تھانہ قیامت نے ہنوز ۲
 سادگی ہائے تمنا یعنی ۳
 مذر و اماندگی اے حسرتِ دل ۴
 زندگی یوں بھی گذر ہی جاتی ۵
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی ۶
 آہ وہ جزأت فریاد کہاں ۷
 پھر ترے کوچہ کو جانا ہے یاں ۸
 کوئی دیرانی سی دیرانی ہے ۹
 میں نے مجنوں پہ لکین میں اسد ۱۰

دل جگر تشنہ فریاد آیا ۱
 پھر ترا وقت سفر یاد آیا ۲
 پھر وہ نیرنگِ نظریاد آیا ۳
 نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا ۴
 کیوں تیرا ہگزہ یاد آیا ۵
 گھر تیرا خُلد میں گریاد آیا ۶
 دل سے تنگ آئے جگر یاد آیا ۷
 دل گم گشتہ گم یاد آیا ۸
 دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا ۹
 سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا ۱۰

۱۔ پھر جنوں عشق کا زور پڑا اور پھر مجھے دیرہ تر یعنی گریہ یاد آیا۔ اور دل و جگر فریاد کی خواہش کرنے لگے +

۲۔ دوست کو رخصت کرتے وقت جو دردناک کیفیت گزری تھی اور جو اُس کے چلے جانے کے بعد رہ رہ کر یاد آتی ہے اس میں جو کبھی کبھی وقفہ ہو جاتا ہے اس کو قیامت کے دم لینے سے تعبیر کیا ہے (از یادگار غائب)

۳۔ معشوق کی عادت ہوتی ہے کہ کبھی تو وہ عاشقوں کو نگاہِ قہر سے دیکھا کرتا ہے اور کبھی اس خیال سے کہ عشاق مایوس ہو کر علیحدگی اختیار نہ کر لیں۔ ان پر نظرِ مہرِ التفات کیا کرتا ہے۔ اسی لئے معشوق کو نیزنگ نظر فرمایا ہے۔ مطلب شعریہ ہے کہ یہ میری تمنا کی سادگی ہے کہ مجھے پھر وہ نیزنگ نظر یاد آیا۔ یعنی اُس کی نگاہ میری وہ اثر ہے کہ نگاہِ قہر کی کلفت دور ہو کر دلِ عاشق میں امید پیدا کر دیتی ہے۔ شعر میں فصاحت کے ساتھ بلاغت بھی حد درجہ ہے +

۴۔ قاعدہ ہے کہ نالہ کرنے سے دل کا بوجھ کم ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے نالہ کرنا دل کی حسرت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں دل کی حسرت پوری کرنے کے لئے نالہ کیا چاہتا تھا کہ مجھے جگر یاد آیا کیونکہ جگر پہلے ہی فراق کے صدموں سے زخمی ہو چکا تھا نالہ کرتا تو پیکانِ نالہ زخمِ جگر کو اور گہرا بنا دیتا اس لئے نالہ کرنے سے عاجز رہا +

۵۔ زندگی یوں ہی گزر جاتی۔ یعنی زندگی بسر کرنے کے لئے اور بھی مشاغل ہو سکتے تھے مجھے تو اس امر کا افسوس ہے کہ تیرا کیڑا کیوں یاد آیا۔ نہ تیرے کوپے میں جانا نہ گرفتارِ عشق ہوتا۔ نہ بے انتہا مصائب کا شکار ہوتا +

۶۔ اے معشوق اگر جنت میں تیرا گھر یاد آیا تو رخصتوں سے ہماری خوب لڑائی ہوگی کیونکہ ہم اُس سے کہیں گے کہ تمہارے بہشت سے تو ہمارے معشوق کا گھر بدرجہا بہتر ہے۔ اور وہ بہشت کی مذمت کب برداشت کرے گا۔ لہذا ہم دونوں کی خوب لڑائی ہوگی۔

مرزا صاحب کی پرواز فکر کی تیزی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک لمحہ میں زمین سے بہشت اور بہشت سے زمین تک کا سفر طے ہو جاتا ہے +

۷۔ فراتے ہیں اب ہم میں وہ پہلے جیسی جڑت فریاد نہیں کیونکہ دل بے وفا ثابت ہوا اور معشوق کی طرف داری کرنے لگا۔ ہم فریاد کیا چاہتے ہیں لیکن دل اس خیال سے کہ معشوق بدنام نہ ہو جائے ہمیں فریاد کرنے سے روکتا ہے۔ اس لئے دل سے تنگ آ کر ہمیں جگر یاد آیا کہ جگر ہی سے نالہ کیا جائے +

۸۔ پھر ہمارا خیال تیرے کوچہ کی طرف جاتا ہے۔ شاید ہمیں کھوئے ہوئے دل کی یاد نے ستایا۔ مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ بار بار بے عزتی سے نکالے جانے کے بعد ہم نے یہ عہد کر لیا تھا کہ تمہارے کوچے میں جانا تو کیا ہم تمہارے کوچہ کا خیال بھی نہ کریں گے۔ لیکن ہمیں اپنا کھویا ہوا دل یاد آ گیا اس لئے تمہارے کوچے کا خیال بھی یاد آ گیا کیونکہ ہم نے اپنا دل وہیں کھویا تھا +

۹۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے گھر کی ویرانی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ جنون عشق ہمیں دشت میں لے آیا تھا کیونکہ محبوں ہمیشہ آبادی میں رہنے سے گھبراتا ہے اور دشت میں رہنا چاہتا ہے۔ مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں جنون عشق سے تنگ آ کر دشت میں پہنچا تو مجھے گھر یاد آیا کیونکہ میرا گھر دشت سے بھی زیادہ ویران تھا اور میں نے اپنے گھر کو دشت پر ترجیح دی +

۱۰۔ اے بچپن میں میں نے بھی دوسرے لڑکوں کی پیروی میں ایک معجزوں کو پتھر مارنا چاہا تھا کہ اپنا سر یاد آیا یعنی مجھے خیال آیا کہ کوئی تیرے سر میں نہ پتھر مار دے مطلب یہ کہ بچپن میں ہی میرے دماغ میں جنون کے جراثیم موجود تھے +

(۳۵)

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا، آپ آتے تھے مگر کوئی عنان گیر بھی نہ تھا

تم سے بیجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلا ۲ اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر تھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں ۳ کبھی فتراک میں تیرے کوئی ٹخیر بھی تھا
تبد میں تھی تیرے جیسی کو وہی زلف کی یاد ۴ ہاں کچھ اک رنج گراں باری زنجیر بھی تھا
بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا ۵ بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا
یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے خبر ہوئی ۶ گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا
دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا ۷ نالہ کرتا تھا دلے طالب تاثیر بھی تھا
پیشہ میں عیب نہیں رکھئے نہ فریاد کو نام ۸ ہم ہی آشفۃ سروں میں جوان میر بھی تھا
ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ ہی ۹ آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیز بھی تھا
پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ۱۰ آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ریختہ کے تہی استاد نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

۱۔ معشوق سے فرماتے ہیں کہ آپ جو میرے مکان پر دیر سے تشریف لائے اور وقت
معینہ پر نہ آ سکے اس کی کوئی وجہ ضرور ہے۔ اور وہ وجہ لازماً یہی ہوگی کہ آپ تو وقت
پر تشریف لانا چاہتے تھے مگر رقیب آپ کو روک رہا تھا + (عناں گیر۔ باگ پکڑنے والا
یعنی روکنے والا)

۲۔ معشوق کو الزام سے بچانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرا تم سے اپنی تباہی کا گلا کرنا
بیجا ہے۔ میری تباہی کا موجب میری تقدیر کی بُرائی تھی۔ خوبی تقدیر سے یہاں بد نصیبی
مراد ہے +

۳۔ معشوق نے خطاب ہے کہ شاید تو مجھے بھول گیا ہو۔ کیونکہ تو تو روزانہ مجھ جیسے
سینکڑوں شکار کرتا ہے اس لئے میں تجھے اپنا پتہ بتلا دوں کہ میں بھی کبھی تیرے فتراک
میں سچیٹ شکار بندھا تھا۔ چونکہ تو لاکھوں شکار کر چکا ہے اس لئے تیرے کیا یاد

ہوگا کہ میں بھی تیرا شکار ہوں + فتراک اُس رستی کو کہتے ہیں جو تمکار باندھنے کے لئے گھڑے کے زین میں باندھ بیٹھے ہیں +

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تیرے وحشی یعنی تیرے دیوانے کو لوگوں نے قید میں ڈال دیا۔ مگر قید میں بھی مجھے تیرے زلف کی قید ہی یاد رہی کیونکہ زنجیر کے بوجھ کی تکلیف ۲۱۔ کے مقابلہ پر بہت تھوڑی تھی +

۵۔ معشوق سے خطاب ہے کہ آپ آئے اور اُسی لمحہ چلے گئے تو پامیری آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سم، اکوندی اور غائب ہو گئی۔ میں تو اس امر کا متنی تھا کہ آپ کچھ دیر شریف فرما رہتے۔ بات چیت ہوتی۔ گلے شکوے کرتا تو کچھ دل کی بھڑاس نکلتی +

۶۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے اس کو یوسف کہہ دیا یعنی یوسف سے تشبیہ و بدی بڑی خیر ہو گئی کہ اُس نے مجھے کچھ نہ کہا۔ اگر بگڑ بیٹھتا تو میں سزا کے لائق بھی تھا معشوق کے بگڑنے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں اول یہ کہ وہ اپنے آپ کو حضرت یوسف سے نہت زیادہ حسین خیال کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت یوسف نے بڑی صعوبتیں اور ذلتیں برداشت کیں۔ عرصے تک قید خانے میں رہے۔ مدت تک بحیثیت غلام۔ ہمارا بڑا رُخ کی عصمت پر الزام لگایا گیا وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ کہ حضرت یوسف سے تشبیہ دے کر میں نے اُن کی توہین کی (معاذ اللہ)۔

۷۔ مطلب واضح نہیں فرمایا لیکن یہی مطلب ہوگا کہ غیر کو فریاد و فغاں کرتے ہوئے دیکھ کر میرا دلچسپی نہیں نہ ٹھنڈا ہو۔ کیونکہ میں اپنے مالوں کی تاثیر چاہتا تھا اور اب میرے مالے کا رگہ ہو گئے +

۸۔ ہم فریاد کے پیشہ کو کہنی میں عیب نہیں نکالتے نہ فریاد کو نام رکھتے ہیں۔ وہ جواں مرگ بھی ہم ہی آشفقہ سروں یعنی عاشقوں میں سے تھا۔ عشق کی مجبوری سے اگر اُس نے کو کہنی بھی کی تو کیا عیب ہو گیا۔ عاشق کو تو اس سے بھی زیادہ ذلیل کام کرنے پڑتے ہیں

جواں میر یعنی جواں مرگ اسم فاعل ہے۔ اسم اور امر کے ملانے سے (جواں + میر) میر امر ہے
مردن فعل سے +

۹۔ فرماتے ہیں ہم تو (مقتل میں) مرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ہمارے
نزدیک بھی نہ آیا۔ خیر اس کی بھی ہمیں کوئی شکایت نہیں نہ آیا نہ سہی۔ لیکن اُس کے ترکش
میں تیر تو تھے۔ ہم پر کوئی تیر ہی چلا دیتا تو ہمارا مدعا حاصل ہو جاتا +

۱۰۔ مرزا صاحب کی شوخ طبعی و ظرافت اُن کے اکثر اشعار میں جھلک دکھاتی ہے
فرماتے ہیں ہم فرشتوں کے لکھنے پر ناحق تصور وار ٹھہراے جاتے ہیں۔ فرشتے تو غیر
جنس ہیں انہیں ہم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ غلط لکھ دیں۔ صحیح لکھ دیں کم لکھیں
زیادہ لکھ دیں۔ ہمارے اعمال لکھنے کے لئے آدمی مقرر ہونے چاہئیں تھے۔ تاکہ وہ
درست طور پر لکھتے کیونکہ انہیں انسانوں کی مجبوریاں معلوم ہوتی ہیں اور سمجھ سکتے
ہیں کہ کونسا فعل واقعی گناہ سے +

۱۱۔ ریختہ اردو شاعری کو کہتے ہیں شعر صاف ہے۔ اس شعر میں میر کو بھی ریختہ کا اُستاد
تسلیم کیا ہے +

(۳۶)

لب خشک در شنگی مُردگاں کا - ۱ زیارت کدہ ہوں دل آزر دگاں کا
ہمہ نا امید می ہمہ بدگمانی
۲ میں دل ہوں فریب و ناخوردگاں کا

۱۔ میں پیاس میں مرنے والوں یعنی عشق میں ناکام میاب مرنے والوں کا لب خشک
ہوں اور اس لئے دل آزر دگاں یعنی عاشقوں کا زیارت کدہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ
میں ناکام میاب مرے ہوئے عاشقوں کی نشانی ہوں اور اس لئے زندہ عاشقوں کے لئے
زیارت گاہ ہوں +

۲۱۔ میں ہمت ناکامی اور بدگمانی ہوں کیونکہ میں اُن عاشقوں کا دل ہوں جو معشوق سے وفا کا دھوکہ کھائے ہیں یعنی جو یہ سمجھتے رہے کہ معشوق وفادار ثابت ہوگا اور معشوق بے وفادار ثابت ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ چونکہ میں معشوق کو وفادار سمجھنے میں دھوکا کھائے ہوئے ہوں اس لئے ہمت ناکامی اور بدگمانی ہے۔ میرے خیال میں معشوق سے وفا کی اُمید رکھنی سخت غلطی ہے +

(۳۷)

تو دوست کسی کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا ۱ اور دل پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا مہنچشب کی طرح دستِ قضا نے ۲ خوشید ہنوناُس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے ۳ آنکھوں میں آوہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا
جنگ کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم ۴ میں معتقدِ فتنہ محشر نہ ہوا تھا
میں سادہ دل آزدگی یار سے خوش ہوں ۵ یعنی سببِ شوق مُکرر نہ ہوا تھا
دریائے معاصی تنگ آبی لکھے ہوا خشک ۶ میرا سِرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
جاری تھی آبدارِ جگر سے مے کی تحصیل
آتشکہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اے ستمگر تو کبھی بھی کسی کا دوست نہیں ہوا۔ پہلے مجھ پر ستم روا رکھتا تھا اب اور دل پر ایسے سخت مظالم کر رہا ہے کہ مجھ پر بھی نہیں کئے تھے اس شعر میں ایک تو یہ بتلایا گیا ہے کہ ظلم و ستم کرنا معشوق کی فطرت ہے ۲۔ فیشنِ عقیب نہ اندھے کین ہست ۳۔ مقتضائے طبیعتش ایں است

دوسرے مرزا صاحب اس امر کا افسوس کر رہے ہیں کہ معشوق نے اب مجھ سے قطعِ تعلق کر کے رقبوں سے تعلق کر لیا ہے۔ اور حالانکہ معشوق اب زیادہ ظلم و ستم کر رہا ہے لیکن مرزا صاحب کو ملال ہے کہ کاش معشوق مجھ سے قطعِ تعلق نہ کرتا خواہ وہ

۳۔ عظیم بھی جو رقیب برداشت کر رہے ہیں مجھے بھی برداشت کرنے پڑتے +
 ۴۔ حکیم عطا نے ایک عرصے کی کاوش کے بعد بہت سے مصالح و جہات سے ایک چاند تیار کیا تھا اور اُسے چاندِ خشب سے برآمد کیا تھا یا چھوڑا تھا۔ اُس چاند کی روشنی صرف بارہ کو س تک ہوتی تھی اور وہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد سیکار ہو گیا نہ ظاہر ہے کہ اصلی چاند کے مقابلے کا تیار نہ ہوا تھا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ دستِ قدرت نے بھی خورشید کو اسی طرح گردش کرنے کے لئے چھوڑا ہوا ہے اور وہ بھی اصل خورشید یعنی رُوئے یار کے مقابلہ کا ثابت نہ ہو سکا اور ایک مدت بعد ہیکار ہو جائیگا۔ اس شعر میں مبالغہ جمع ہے لیکن عاشق کی نگاہ میں رُوئے یار خورشید سے بدرجہا زیادہ نتوہ اور روشن ہوتا ہے +

۵۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے حد درجے کا کمال دکھایا ہے۔ اگرچہ مطلب غور کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں مددِ غیبی ہمت اور حوصلہ کے مطابق ہوتی ہے۔ گوہر بھی پانی کا قطرہ ہے۔ اور آنکھ کا آنسو بھی پانی کا ایک قطرہ ہے۔ لیکن گوہر وہ قطرہ ہے جو ابر بہاری یعنی بلندی سے لپٹی کی طرف دریا کے دل میں گرا اور اس وجہ سے وہ نظروں سے اوجھل اور دریا کی تہ کی تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے۔ برخلاف اس کے آنکھ کا آنسو وہ قطرہ ہے جو دریا کے دل سے نکل کر بلندی کی طرف چلا اس لئے قدرت نے اُس کی ہمت کے مطابق اُس کی مدد کی اور اُس کو ایسی عزت بخشی کہ اُس کا مقام آنکھ قرار دیا یعنی آنکھوں پر بٹھایا۔ لپٹی کی طرف جانے والا قطرہ آنکھوں سے اوجھل کر دیا جاتا ہے۔ اور بلندی کی طرف جانے والا قطرہ آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے +

۶۔ جب تک میں نے معشوق کے قد کی درازی اور فتنہ انگیزی نہ دیکھی تھی میں فتنہ محسوس کا قائل نہ ہوا تھا۔ قیامت کا دن ہذا المبادن ہوگا اور اُس روز دُنیاد ما فہیاتہ وبالا ہو جائیگی فرماتے ہیں یار کا دراز قد اور اُس کی فتنہ انگیزی دیکھ کر مجھے قیامت کے آنے کا یقین ہوا

اس سے پیشتر نہ ہوا تھا +

۵۔ فرماتے ہیں میں ایسا احمق ہوں کہ یار کی ناراضگی سے بھی خوش ہو گیا۔ اور میں نے یہ سمجھا کہ دوبارہ جب یار رضا مند ہو جائیگا تو پھر عشق کا سبق دوہرایا جائیگا اور میرے دل کو دوبارہ لذت درِ عشق حاصل ہوگی۔ لیکن یہ میرا ایک احمقانہ اور مجنونانہ خیال ہے۔ اُس کا رضا مند ہونا دشوار ہے +

۶۔ تردامنی گنہگار سی کو کہتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرنے میں ہمارا حوصلہ اتنا فراخ ہے کہ دریائے معاصی خشک ہو گیا اور میرے دامن کا پلہ بھی ابھی تر نہ ہوا تھا۔ (یادگار غالب) مطلب یہ ہے کہ میں تمام گناہوں کا مرتکب ہو چکا لیکن ابھی میری طبیعت کو بالکل سیری نہیں ہوئی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میں خدا سے غافل کی رحمت کو اتنا وسیع سمجھتا ہوں کہ اُس کے مقابلے میں میرے گناہ بہت تھوڑے ہیں +
۷۔ اسے اسد میں اُس وقت سے اپنے داغِ جگر سے فائدے یعنی لذتیں حاصل کر رہا ہوں جبکہ آنشکہ سمندر میں پیدا بھی نہ ہوا تھا + جائیر۔ جاؤاد + آنشکہ۔ وہ مقام جہاں پارسی لوگ آگ جمع رکھتے ہیں + سمندر۔ ایک کثیر الجہ ہمیشہ آگ میں رہا کرتا ہے تحصیل سے مراد درِ عشق کی لذتیں +

(۳۸)

شب کہ وہ مجلس فروزِ خلوت ناموس تھا ۱ رشتہ ہر شمع خارِ کسوتِ فانوس تھا
مشہدِ عاشق سے کوسوں تک جو اُگتی ہے خا ۲ کس قدر یارِ لبِ ہلاکِ حسرتِ پالوس تھا
حاصلِ اُلفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو ۳ دل بدل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا
کیا کہوں بیمارِ غم کی فراغت کا بیاں
جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیوس تھا

۱۔ رات کے وقت جبکہ معشوق حیا کی محفلِ خلوت میں محفلِ کور و نقِ بخش رہا تھا۔

یعنی جلوہ افروز تھا۔ تو ہر شمع کا ناگہ فانیوں کے خلاف کاٹنا بنا ہوا تھا یعنی شمع آتش
حسد کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ مطلب یہ کہ حسن معشوق حسن شمع
سے بدرجہا افضل تھا اور شمع آتش حسد سے سلگ رہی تھی۔

۲۔ عاشق کی جائے قتل سے کوسوں دور تک جانا اگتی ہے۔ یارب عاشق کس درجہ
معشوق کی پابوسی کا آرزو مند (ہلاک) تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عاشق صادق کی تمنا کرنے
کے بعد پوری ہو رہی ہے۔ چونکہ زندگی میں عاشق کو پابوسی یا رمیت نہ آئی تھی اس لئے
فطرت نے اس کے خون میں یہ تاثیر بخشی کہ کوسوں دور تک جانا پیدا ہوتی ہے اور
اس کے خون سے پیدا ہوئی جانا معشوق کی پابوسی کر رہی ہے۔

۳۔ عشق کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہ دیکھا کہ آرزو میں خاک میں مل جاتی ہیں
دو دلوں کا ملنا گویا ایک لب افسوس کا ظاہر ہونا ہے۔ جب انسان کو کسی امرا افسوس
ہوتا ہے تو وہ اپنے لب دانتوں کے نیچے دبالتا ہے اور دو لب ایک لب کی صورت
میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حاصل عشق جز غم و افسوس اور کچھ نہیں۔

۴۔ بیماری غم یعنی مرض عشق میں فارغ البالی کا کیا حال بیان کروں۔ جو کچھ میں نے
کھایا اس سے بے منت کیوس خون دل حاصل ہوتا تھا۔ یعنی جو کچھ بھی میں کھاتا تھا
یہ معلوم ہوتا تھا کہ خیر دل کھا رہا ہوں۔ خون دل کھانا محاورہ ہے یعنی غم و غصہ کھانا
کیوس مضمج جگر یعنی ہضم دوم کو کہتے ہیں جہاں غذا سے اخلاط اربعہ بلغم صفر۔ خون پیدا
ہوتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مرض عشق میں غم غذا ہوتی ہے یعنی عاشق کو بہت
زیادہ غم و الم اٹھانا پڑتا ہے۔

(۳۹)

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے ۱ صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور تھا
قاصد کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے ۲ اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

۱۔ معشوق سے فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنا دل کسی کو نہ دینے پر کتنا غور رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب آپ کا غور ٹوٹ گیا اور آپ آئینہ دیکھ کر خود اپنے اوپر ہی عاشق ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے یعنی شرمندہ ہو گئے ۔

۲۔ اس شعر کے بیان میں عجیب لطف پیدا کیا ہے اور مرزا صاحب کو اپنی تمنا پورا کرنے کا خوب بہانہ ہاتھ آیا ہے۔ فرماتے ہیں آپ قاصد کے خون کا بار اپنی گردن پر نہ لیں کیونکہ اول تو قاصد کا مارنا روا نہیں دوسرے وہ بے گناہ ہے اُس کی کوئی خطا نہیں یہ میرا قصور ہے آپ میری گردن مار دیں اس بہانے سے مرزا صاحب معشوق کو قتل بے گناہ سے بچانے اور اپنی آرزو پوری کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں ۔

(۴۰)

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا ۱ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
جانا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے بھوئے ۲ ہوں شمعِ کشتہ درِ خورِ محفل نہیں رہا
مرنے کی لے دل اور ہی تدبیر کر کہ نہیں ۳ شایانِ دستِ بازوئے قاتل نہیں رہا
بروئے شش بہت درِ آئینہ باز ہے ۴ یاں امتِ سیارِ ناقصِ کمال نہیں رہا
وا کر دیئے ہیں شوق نے بند نقابِ حسن ۵ غیر از نگاہِ اب کی کوئی حال نہیں رہا
گوئیں رہا یہ مین سے تمہارے روزگار ۶ لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
دل سے ہوائے کشتِ وفامد گئی کرواں ۷ حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا
بیدارِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر است

۸ جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۱۔ میرا دل عشق کے (دیر میں) پیشکش کئے جانے کے قابل نہیں رہا۔ کیونکہ میرا دل جس پر مجھے پہلے ناز تھا اور پہلے وہ پیشکش کئے جانے کے قابل بھی نہ تھا اب ویسا دل نہیں رہا۔ مطلب یہ کہ غمِ عالم نے میرے دل کو بیکار بنا دیا ہے ۔

۴۔ میں (دنیا سے) زندگی کی حسرت کا داغ لٹے ہوئے جا رہا ہوں۔ یعنی میں ابھی دنیا میں اور زندہ رہنا چاہتا تھا۔ میں شمع کشتہ کی مانند ہوں اور محفل دنیا میں رہنے کے قابل نہیں رہا۔ شمع کے جل جانے کے بعد ایک دو لمحہ تک اُس کا جلا ہوتا گا روشن رہتا ہے اُس کے تانگے کی روشنی کو شمع کا داغ حسرت تصور کیا گیا ہے +

۵۔ اے دل اب مرنے کی کچھ اور ہی تدبیر سوچ۔ کیونکہ قاتل تو مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کرنا اپنی شایان شان نہیں سمجھتا۔ اگر اُسے قتل کرنا منظور ہوتا تو کبھی تو میری حالت پر رحم کرتا۔ اب تو مجھے مایوسی ہو گئی۔ اب مرنے کی کوئی اور تدبیر سوچنی چاہئے کیونکہ پھر یار کے مزید صدمے برداشت نہیں ہو سکتے +

۶۔ شش جہت۔ چھ طرف (مشرق، مغرب، شمال، جنوب، نیچے، اوپر) آئینہ کا دروازہ ہر ایک طرف کھلا ہوا ہے۔ یعنی آئینہ ہر ایک سمت کی چیزوں کو یکساں دیکھتا ہے مطلب یہ کہ آئینہ کے سامنے جو چیز آجائے گی اُسی کا عکس قبول کرے گا خواہ وہ چیز اچھی ہو یا بُری۔ چھوٹی ہو یا بڑی۔ دوسرے مصرع میں فرماتے ہیں کہ یہاں یعنی دنیا میں اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ دنیا اور اہل دنیا آئینہ کی مثل ہیں جس طرح آئینہ ہر ایک چیز کو عکس یکساں قبول کر لیتا ہے اسی طرح اہل دنیا بھی اچھے اور بُرے میں تمیز نہیں کر سکتے اور سب کو یکساں سمجھتے ہیں +

۷۔ عشق صادق نے حُسن کے نقاب کے ہند کھیل دئے یعنی عاشق صادق کے سامنے معشوق بے نقاب ہو جاتا ہے اور عاشق اور معشوق کے درمیان نگاہ کے سوا اُسے اور کوئی چیز حائل نہیں رہتی مطلب یہ کہ عاشق صادق کا دل آئینہ جمالِ یار ہے وہ جب چاہے حُسنِ یار کا دیدار کر سکتا ہے +

دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی اس شعر میں بھی شوق سے مراد عشق ہے +

- ۶۔ معشوق حقیقی سے عرض ہے اگرچہ میں مبتلائے غم روزگار رہا۔ لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا۔ یعنی تیرا خیال کبھی میرے دل سے محو نہیں ہوا ۛ
- ۷۔ اب دل سے وفا کی کھیتی کی خواہش جاتی رہی کیونکہ تجربہ نے یہ بات بتادی ہے کہ وفا کی کھیتی میں بیدار کی حسرت کے سوا اور کوئی پیداوار نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ وفا کا بدلہ حسرت و افسوس کے سوا کچھ نہیں ملتا ۛ
- ۸۔ اے اسد میں بیدار عشق سے نہیں ڈرتا۔ مگر جس دل پر مجھے ناز تھا اور جو بیدار عشق اٹھایا کرتا تھا اب وہ دل میرے پاس نہیں رہا۔ بلکہ وہ دل غم و آلام سے ایک بیکار سی چیز بن گیا ہے ۛ

(۴۱)

رُشک کہتا ہے اُس کا غیر سے افلاص حیف ۱ عقل کہتی ہے کہ وہ بے ہرکس کا آشنا
ذِرہ ذِرہ سا غریب خانہ نیزنگ ہے ۲ گردشِ مجنوں بچشمِ کہا سَے بیلا آشنا
شوق ہے سامان طرازِ نازش اربابِ عجز ۳ ذِرہ صحرا دستِ گاہ و قطرہ وریا آشنا
شکوہ سنجِ شکہ ہمدیکر نہ رہنا چاہئے ۴ میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دل وحشی کہے ۵ عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
کو کہن نقاش یک تمثالِ شیریں تھا اسد
سنگ سے سہارا کر ہو دے نہ پیدا آشنا ۶

- ۱۔ میں اپنے رُشک کی وجہ سے تو غیر سے اُس کی محبت پر افسوس کرتا ہوں۔ مگر میری عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ وہ بے ہرکسی کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اُس کی محبت قابلِ اعتبار ہے ۛ
- ۲۔ گویا کا ذِرہ ذِرہ انقلاب کے میخانے کا سا غریب ہے یعنی دنیا میں نیزنگی اور انقلاب ایک لازم چیز ہے اور یہ سب کچھ معشوق حقیقی (خدا) کے حکم سے ہو رہا ہے۔ پس کون مجنوں کی گردش یعنی مجنوں کا ہر ایک کام لیلے کے اشارے سے ہوتا تھا۔ یعنی مجنوں کے ہر

مجھ کو نہ فعل کا سبب لیلیٰ ہی تھا۔ ذرہ ذرہ سا غریبا نہ نیرنگ ہے یعنی ذرے ذرے میں انقلابی کیفیت بھردی گئی ہے +

۱۳۔ اربابِ عجز یعنی عاشقوں کے لئے عشق حقیقی فخر و مرتبہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح کہ ذرہ صحرا میں پہنچ کر صحرا اور قطرہ دریا سے مل کر دریا ہو جاتا ہے اسی طرح عاشقان حقیقی عشق کے وسیلے سے محبوب حقیقی کی ذات سے مل جاتے ہیں۔ من تو شدم تو من شدی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے +

۱۴۔ مطلب یہ ہے کہ میرا پالا ایک آفت کے ٹکڑے یعنی دل وحشی سے پڑ گیا ہے۔ جو میری عافیت کا دشمن ہے اور جس نے مجھے آوارہ مزاج بنا دیا ہے +

۱۵۔ معشوق سے خطاب ہے کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے رشک کا شکوہ نہ پہنچا ہے کیونکہ ہم دونوں مساوی حالت میں ہیں۔ میرا مونہ زانو یعنی میں ہر وقت سر بہ زانو رہتا ہوں اور آئینہ دل میں تمہارا جلوہ دیکھتا رہتا ہوں اور تم بھی ہر وقت آئینہ میں اپنے حسن کا جلوہ دیکھتے رہتے ہو +

۱۶۔ اسے اسد کو کہن فرما د شیریں کی ایک تصویر کا نقاش تھا پتھر سے سر مارنے سے آشنا پیدا نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ کو کہن جو کوہِ مستوی کو کاٹ رہا تھا اُس کی غرض یہ تھی کہ پتھر تراش کر شیریں کا بُت بنا لوں لیکن پتھروں سے سر مارنے سے دوست کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ (دوست کی تصویر تو ہر وقت آئینہ دل میں رہتی ہے)۔

(۴۲)

ذکر اُس پر می و ش کا اور پھر بیاں اپنا ۱ بن گیا رقیب آخر تھا جو رازِ داں اپنا
مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب ۲ آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحاں اپنا
منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے ۳ غش سے اکھر ہوتا کا شکے مرکاں اپنا
نست وہ جستہ ذلت ہم نہیں میں ٹالیں گے ۴ بارے آشنا نکلا اُن کا پاسباں اپنا

درِ دل لکھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں ۵ انگلیاں نگار اپنی خامہ خورتیکاں اپنا
 گھستے گھستے مٹ جانا آپ نے عبث بدلا ۶ تنگ سجدہ سے میرے تنگ آستان اپنا
 تار سے نہ عمارتی کر نیا ہے دشمن کو ۷ دوست کی شکایت میں ہم نے ہنریاں اپنا
 ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں بکنا تھے
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسمان اپنا

۱۔ میں نے جو معشوق کے حسن کی تعریف کی۔ تو جو شخص میرا محرم راز اور ہمنشین تھا وہ
 بھی سُنکر میرا رقیب بن گیا اس واسطے کہ اول تو ایسے پر پوشش کی تعریف تھی اور وہ بھی
 مجھ جیسے جادو بیاں کی زباں سے۔ پہلے مصرعہ کا دوسرا رکن یعنی اور کچھ بیاں اپنا یہ مرزا
 صاحب کی خصوصیات میں سے ہے (از یادگار غالب)

۲۔ وہ محفل غیر میں بہت شراب کیوں پیتے اگر انہیں آج اپنی عالی ظرفی کا امتحان منظور
 نہ ہوتا۔ مطلب یہ ہے میری بد قسمتی سے آج ہی جبکہ وہ محفل غیر میں تھے انہیں اپنی عالی
 ظرفی کا امتحان منظور ہوا اور اس لئے وہ بہت زیادہ شراب پی گئے اور بنچود ہو گئے۔ اور
 رقیب کو اُن کا وصل حاصل ہو گیا۔ کاش وہ میرے گھر آتے اور اس طرح شراب پی
 کر بے خود ہوتے +

۳۔ ہمارا مکان یعنی ہمارا مقام عرش پر ہے لیکن کاش ہمارا مقام عرش سے ادھر
 یعنی عرش سے کچھ نیچے ہوتا تاکہ ہم بلندی کی طرف دیکھ سکتے (منظر بنا سکتے) مطلب
 یہ ہے کہ ہمارا تخیل اتنا بلند ہے کہ اُس سے زیادہ بلند ہونا ممکن نہیں رہا اور ترقی سدھ
 ہو گئی ہے +

۴۔ وسیع مضامین کو ایک شعر میں سما دینا اور اُس کو اچھوتے ڈھنگ سے باندھنا
 مرزا صاحب کا خاص و طیرہ ہے۔ فرماتے ہیں خوب ہوا کہ معشوق کا پاسبان ہمارا جان پہچان
 نکلا۔ اب ہمارے لئے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ذلت ہم کو دے

ہم اُس کو ہنسی میں ڈالتے رہیں گے اور یہ ظاہر کرینگے کہ وہ ہمارا قدیم آشنا ہے۔ ہمارا اس کا قدیم سے یہی بڑا دوس ہے (یا دھکار غالب) +

۵۔ میں معشوق کو اپنے دل کے درد کا حال کب تک لکھ سکوں گا۔ لکھتے لکھتے میری انگلیاں زخمی اور قلم خونچکاں ہو گیا اور دردِ دل کا قصہ ختم نہ ہوا۔ بہتر تو یہی ہوگا کہ میں خود اُن کے پاس جا کر نگار انگلیاں اور خامہ خونچکاں دکھلا دوں اس سے وہ میرے دردِ دل کے حال کا اندازہ لگا لیں گے کہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکا +

۶۔ آپ نے اس خیال سے کہ آپ کے آستان کا پتھر میرے سجدہ کرنے سے نجس ہو گیا تھا اپنا سنگِ آستان عبث بدل دیا۔ کیونکہ وہ میرے سجدوں سے گھس گھس کر آپ ہی مبت جاتا +

۷۔ ہم نے معشوق کی شکایت کرنے میں رقیب کو اپنا ہم آواز بنا لیا ہے تاکہ وہ ہماری جھلی نہ کھائے + غمخیزی۔ چغل خوری +

۸۔ اے غالب ہم ایسے کہاں کے عقلمند اور ہنرمند تھے۔ آسمان بے سبب ہمارا دشمن ہو گیا +

۲۳

سرِ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے آ کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا
رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مہارِ ظالم
تیرے چہرہ سے عیاں ہو غم پنہاں میرا

۱۔ فرماتے ہیں میرا کلام سرِ مفت نظر ہے اور اس کی قیمت چشم خریدار پر احسان ہے مطلب یہ کہ میرا کلام لوگوں کو سخنِ سخی اور سخنِ فہمی سکھاتا ہے +

۲۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اے ظالم مجھے نالہ کرنے کی اجازت دے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ضبطِ نالہ سے مر جاؤں اور پھر تیرے چہرے سے میرا غم پنہاں ظاہر ہو +

(۲۴)

غافل بہ وہم ناز خود آ رہے در نہ یاں ۱ بے شانہ صبا نہیں طستہ گیہا کا
 بزم قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ ۲ صیر سے درام جستہ ہے اس دام گاہ کا
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید رہے ۳ شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا
 مقتل کو کس نشانی سے جانا ہوں میں کہ ہے ۴ پیکل خیال زخم سے دامن نگاہ کا
 جاں در ہوائے یک نگہ گرم بہتہ است ۵
 پروانہ ہے کیل تر سے زاد خواہ کا

۱۔ انسان غافل اپنے ناز و فخر کے خیال سے خود آ رہے یعنی شیخی بگھارتا ہے کہ میری عقل و فہم کے سبب یہ کام ہو گیا جانا نہ اس جہاں میں ایک طرہ گیہا بھی شانہ سبار سلیمانی کے بغیر نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کام خدا کے حکم سے ہوتا ہے انسان ضعیف العقل کچھ نہیں کر سکتا ۵

۲۔ قمع یعنی پیالہ مراد شراب ۳ مطلب یہ ہے کہ بزم شرب سے عیش کی تمنا نہ رکھ کیونکہ اس بزم کا رنگ ایسا شکار ہے جو دام سے بھاگ چکا ہے۔ یعنی بزم عیش کے رنگ کو ثبات حاصل نہیں ۵

۴۔ ہم ایسے گناہگار ہیں کہ شرمندگی کی وجہ سے عذر بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن رحمت خداوندی سے بعید نہیں کہ وہ ہمارا شرمندگی سے عذر نہ کرنا ہی عذر نہ شمار کر لیتا اور ہمارے گناہ معاف کر دیوے ۵

۵۔ میں مقتل میں کیسی خوشی سے جا رہا ہوں گویا میں اپنے خیال میں اپنے نگاہ کے دامن کو زخموں کے پھیلوں سے بھرا ہوا دیکھتا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں سمجھ رہا ہوں کہ میں نازاً معشوق کے ہاتھ سے زخمی ہو کر قتل ہو جاؤں گا ۵

۵۔ اسد تیری نگاہ ہر کی آرزو میں جان دینے کو تیار ہے۔ اور تیرے زاد خواہ یعنی

اسد کا وکیل پروانہ ہے جو شمع پر قربان ہو کر اسد کی وکالت کر لگا۔ اسد بھی چاہتا ہے کہ ایک لگاؤ کرم ڈال کر اُس کی آند و پوری کر اور اُس کی جان کی قربانی قبول فرما۔

(۷۵)

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا
رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا
لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ جب ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
ہوئے کیوں نامہ پر کے ساتھ ساتھ یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
بچ خوں سر سے گز رہی کیوں نہ جائے آستانِ یار سے اُمٹ جائیں کیا
عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

۱۔ وہ جفا کرنے سے باز آگئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باز نہیں آسکتے کیونکہ انہوں نے مجھ پر جفا نہیں نہ کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم نے تم پر بہت جور کئے ہیں اسلئے جھکو منہ نہیں دکھلا سکتے۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے منہ چھپا لیا۔ یہ مجھ پر اور طرفہ ستم کیا۔ پس معلوم ہوا کہ وہ جور سے باز آہی نہیں سکتے +

۲۔ آسمان گردش میں لگے ہوئے ہیں۔ جو کچھ ہونا ہو گا ہو جائیگا۔ خدا جو کچھ کرتا ہے ہماری بہبودی کے لئے ہم کیوں گھبرائیں۔ خدا پر توکل کا اظہار ہے +

۳۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کو نہ ہمارے ساتھ دشمنی ہے اور نہ دوستی۔ اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس لئے کہ اس میں ایک نوع کا تعلق ہے ہم اُس کو دوستی سمجھتے لیکن جب نہ دوستی ہو نہ دشمنی تو پھر کس بات پر دھوکا کھائیں۔ قطع نظر خیال کی عمدگی اور ندرت کے لال اور لگاؤ ایسے دو لفظ ہم پہنچائے ہیں جن کا ماخذ متبر اور معنی تضاد ہیں

جس نے خیال کی خرابی کو روچھ کر دیا ہے + (از یادگار غالب)

۴۔ نامہ برک خوشامد میں اور معشوق کی محبت میں ہم بھی نامہ برک کے ساتھ ساتھ ہوئے جب دُور پہنچ گئے تو خیال آیا کہ ہم تو معشوق کے گھر کے نزدیک ہی پہنچ گئے۔ کیا ہم خود اپنے خط کو پڑھ پڑھیں۔ یہ تو رسم و رواج کے خلاف اور شرمناک بات ہے +

۵۔ خواہ ہمیں کتنی ہی ایذا میں دی جائیں اور خواہ ہماری زندگی کا خاتمہ ہو جائے لیکن ہم آستانِ یار سے نہ اٹھیں گے پر نہ اٹھیں گے +

۶۔ ہم تمام عمر مرنے کا انتظار دیکھا کئے۔ کیونکہ زندگی میں کبھی چین نہ ملا۔ اب دیکھتے مرنے کے بعد خدا کیا دکھلاتا ہے +

۷۔ معشوق کے دُراڑے پر پہنچے۔ اطلاع کرائی۔ وہاں سے معشوق نے دربان کو حکم دیا کہ پہلے یہ پوچھ کر آؤ غالب کو ان سے ہے۔ اب میں حیران ہوں کہ کیا جواب دوں تمام عمر ان کے عشق میں سرگرداں رہا۔ مصائب و آلام اٹھائے اب وہ تجاہل عارفانہ سے پوچھتے ہیں کہ غالب کو ان سے ہے۔ گویا وہ مجھ سے آشنا ہی نہیں۔ میں حیران ہوں کیا جواب دوں۔ اُن کے اس سوال سے میری ایسی دل شکنی ہوئی کہ میں جواب دینے کے قابل نہ رہا +

(۲۶)

لطف بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی ۱ چمن رنگار ہے آئینہ باد بہاری کا

حرف جوشش دریا نہیں خود داری حاصل

۲ جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

۱۔ کثافت کے بغیر لطافت پیدا نہیں ہو سکتی جس طرح جوہر آئینہ کی سنہری کے بغیر آئینہ

جلوہ نہیں دیتا۔ اسی طرح چمن بھی آئینہ باد بہاری کا رنگار ہے۔ اور چمن سے آئینہ باد

بہاری جلوہ دیتا ہے۔ کثافت کو رنگار سے اور لطافت کو جلوہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسرے مصرعہ پہلے مصرعہ کا ثبوت ہے چمن چونکہ سبز ہوتا ہے اس لئے زنگار سے تشبیہ کی گئی
۴۔ ساحل لاکھ اپنے کو بچانے مگر جیب دریا طغیانی پر آتا ہے تو ساحل محفوظ نہیں
رہ سکتا۔ اسی طرح جہاں تو ساقی ہوگا وہاں کسی کو ہوشیاری کا دعویٰ نہیں چل سکتا
(از یادگار غالب) *

(۲۷) ۵

- عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا ۱ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
- تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ایجد ۲ تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
- دل ہوا کشمکش چارہ رحمت میں تمام ۳ میٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا دوا ہو جانا
اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ ۴ اس قدر دشمن اسباب وفا ہو جانا
ضعف سے گریہ مبتدل بہ دم سرد ہوا ۵ باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے مٹا تری انگشت خانی کا خیال ۶ ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
بے مجھے ابو بیماری کا برس کر کھلنا ۷ روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
گر نہیں نگہت گل کو تو سے کوچہ کی ہوس ۸ کیوں ہے گردہ جولان صبا ہو جانا
تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل ۹ دیکھ بریت میں سبز آئینہ کا ہو جانا
بچنے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب
چشم کو چاہئے ہر رنگ میں دوا ہو جانا

۱۔ فرماتے ہیں درد کا حد سے زیادہ ہونا دوا ہو جانا ہے۔ یعنی جیب درد حد سے زیادہ
ہوگا تو مر جاؤں گا اور جس طرح قطرہ دریا میں مل کر دریا بن جاتا ہے اسی طرح میں بھی فنا
کے بعد اپنے گل یعنی ذات پاک خداوندی میں مل جاؤں گا اور یہی عین مقصد ہے۔
۲۔ قفل ایجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس کے حلقوں پر حروف، ایجد کھد سے مجھے
ہوتے ہیں۔ قفل کے کھولنے کے لئے ان حروف کو قفل بنانے والے کی بتائی ہوئی

ترتیب سے لانا پڑتا ہے۔ ان کے ترتیب سے ملنے کے بعد قفل کھل جاتا ہے۔ فرماتے ہیں جس طرح حروف کے بالترتیب ملتے ہی قفل ابجد کھل جاتا ہے اسی طرح میری تمہاری باتیں سنتے ہی ہم دونوں میں جدائی ہو گئی۔

۳۔ میرا دل تکلیفوں کے دور کرنے کی کشمکش میں ہی تمام ہو گیا۔ جس طرح گھستے گھستے رسی کی گرہ کھل جاتی ہے۔

۴۔ شعر حسرت و تمنائے عشق کا مرقع ہے۔ فرماتے ہیں خدا جو چاہے کرے پیلے معشوق ہم پر ہر و کرم کیا کرتا تھا۔ اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہر و کرم تو کجا ہم جیسے باؤ فادوں پر جفا بھی نہیں کرتے یعنی ہم سے قطع تعلق ہی کر لیا۔ معشوق اب ہمارا ایسا دشمن ہو گیا ہے کہ جفا بھی نہیں کرتا۔ کاش جس جفا میں ہی کرتا تعلق تو رہتا۔

۵۔ کمزوری سے ہمارا گریہ ٹھنڈی آہ میں تبدیل ہو گیا اور اب ہمیں یقین آ گیا۔ کہ پانی تپش سے ہوا بن کر اڑا جاتا ہے۔ اس سے پیشتر ہم اس مسئلہ کو نہ سمجھے تھے۔

۶۔ محاورہ یہ ہے کہ کہیں گوشت سے ناخن بھلی جدا ہوتا ہے۔ فرمانے میں تیری انگشت حنائی کا خیال کا ہم سے جدا ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے گوشت سے ناخن کا جدا ہونا۔ ۷۔ اس تمام غزل میں مرزا صاحب نے انتہائے فصاحت دکھلائی ہے۔ اس شعر میں فرمایا ہے جس طرح ابر بہاری برس کر اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے اسی طرح میں بھی غمِ فراق میں روتے روتے فنا ہو جاؤں گا۔ اور جس طرح ابر بہاری کا برس کر گھٹنا اچھا منظر پیش کرتا ہے اسی طرح میرے لئے بھی رورو کر فنا ہو جانا بہت اچھا ثابت ہو گا۔

۸۔ اگر نگہب گل کو تیرے کوچہ میں پہنچنے کی ہوس نہیں ہے تو وہ صبا کے چلنے کے راستے کی گرد کیوں بنی ہوئی ہے۔ یعنی کیوں صبا کے ساتھ پھرتی ہے۔ مطلب یہ نگہب گل صبا کے ہمراہ تیرے کوچہ میں پہنچنا چاہتی ہے۔

۹۔ برسات میں آئینہ کا سبز ہو جانا دیکھنا تاکہ تجھ پر صیقل کرنے والی ہوا کا اعجاز کھلے۔

موسم برسات میں آئینہ رنگ آلود ہو جاتا ہے اور رنگ سبز رنگ کا ہوتا ہے صیقل بھی سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ برسات کی ہوا ہر جگہ سبزی پیدا کرتی ہے +

رولینا (ب)

(۴۸)

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب ۱ دے بلے کو دل و دست شام موج شراب
 پوچھ مت وجہ سیہ مستی ارباب چمن ۲ سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب
 جو ہوا غرقہ فتنے سخت رسا رکھتا ہے ۳ سرگزشتے یہ بھی ہے بال ہما موج شراب
 ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر ۴ موج ہستی کو کسے فیض ہوا موج شراب
 چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو ۵ موج گل موج شفق موج صبا موج شراب
 جس قدر روح بناتی ہے جگر تشنہ ناز ۶ دے ہے تسکین یہ دم آب لقا موج شراب
 بسکہ دوشے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر ۷ شہر رنگ سے ہے بال کشا موج شراب
 موج گل سے جراتاں ہے گزہ گاہ خیال ۸ ہے تصور میں بس جلوہ نما موج شراب
 نشہ کے پردہ میں ہے محو تماشائے داغ ۹ بسکہ رکھتی ہے سر نشو و نما موج شراب
 ایک عالم پہیں طوفانی کیفیت فصل ۱۰ موج نبرہ نوخیز سے تا موج شراب
 شرح ہنگامہ ہستی ہے نہ ہے موسم گل ۱۱ رہبر قطرہ بدریا ہے خوشا موج شراب
 ہوش اڑتے ہیں سے جلوہ گل دیکھ اسد

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب ۱۲

۱۔ پھر وہ وقت آیا کہ موج شراب اپنے پر کھولے یعنی موج شراب اڑے یعنی جوش میں آئے اور نئے کی لہج (سے کی صراحی) کو موج شراب تیرنے کی قوت بخشنے۔ مطلب یہ کہ موسم بہار آگیا اور شراب کا دور دورہ شروع ہو گیا اس شعر میں بال کشا اور شنباط

کی رعایتیں ہیں۔ مئے بلہ شراب کی اس صراحی کو کہتے ہیں جو بلخ کی شکل کی ہوتی ہے۔
دل و دستِ شستا۔ تیرنے کا ہاتھ اور دل یعنی طاقت +

۳۔ اربابِ چین سے مراد درختانِ چین ہے۔ درختوں کی سیہستی کی وجہ نہ پوچھ۔ یعنی خست
اس وجہ سے جھوم رہے ہیں کہ سایہ تاک میں گزرنے کی وجہ سے ہوا موجِ شراب بن گئی ہے
انگور کی بیلوں کے سایہ کی وجہ سے ہوا میں وہ اثر آگیا ہے جو موجِ شراب میں ہوتا ہے
اور اس ہوا کے اثر سے درخت بھی بدست ہو کر جھوم رہے ہیں +

۴۔ شراب کا اعتدال سے پینا تو نہایت ہی اچھا ہے لیکن شراب کا حد سے زیادہ پینا
بھی بہت اچھا ہے۔ اور جو اعتدال سے زیادہ پیتا ہے وہ بھی بختِ رسا رکھتا ہے۔ اور
موجِ شراب اُس کے لئے بالِ ہما کا اثر رکھتی ہے۔ ہما کے سر سے گزرنے سے
انسان بادشاہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جس کے سر سے موجِ شراب گزر جاتی ہے
یعنی جو حد سے زیادہ شراب پیتا ہے وہ بھی عالمِ بخود میں بادشاہ سے کم نہیں ہوتا +
۵۔ برسات کے موسم میں فیضِ ہوا سے موجِ ہستی کا موجِ شراب ہو جانا کوئی تعجبِ غیر
بات نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ برسات کی ہوا میں بھی شرارت جیسا سرور ہوتا ہے +
۶۔ طوفانِ طرب سے چار موجیں موجِ گل۔ موجِ شراب۔ موجِ شفق اور موجِ صبا اٹھتی
ہیں +

۷۔ روحِ نباتی۔ نباتات کی روح یعنی قوتِ نامیہ + جگر شہ ناز۔ حسن کی شائق +
قوتِ نامیہ جس قدر حسن و ناز کی شائق ہے اُسی قدر موجِ شراب جس میں آبِ بقا کا اثر
ہے قوتِ نامیہ کے شوق کو پورا کر کے اُسے تسکین دیتی ہے۔ یعنی موجِ شراب قوتِ نامیہ
کے حسن میں اضافہ کرنے والی ہے +

۸۔ موجِ شراب اپنے شہپر رنگ سے اڑ رہی ہے اور انگور کی بیلوں میں خون ہو
ہو کر دوڑ رہی ہے۔ یعنی موجِ شراب انگور کی بیلوں کی پرورش ہو رہی ہے +

۸۔ ہمارے تصور میں موج شراب اس قدر جلوہ نما ہے کہ گذرگاہ خیال میں ہجوم گل سے چراغاں ہو رہا ہے۔ شراب کا رنگ سُرخ ہوتا ہے اس لئے گل سے تشبیہ دی گئی ہے۔
 ۹۔ موج شراب نشوونما دماغ کا اس قدر خیال رکھتی ہے کہ نشہ کم بردے میں دماغ کی سیڑ میں موہ رہی ہے۔ دماغ کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔ مطلب یہ کہ دماغ میں شراب کا نشہ نہیں ہے بلکہ شراب دماغ کی دیکھ بھال کر رہی ہے +

۱۰۔ موج بہار کی کیفیت کا طوفان اٹھانے والے سبزہ نوخیز سے لگا کر موج شراب تک ایک عالم یعنی یکساں (مستند) حالت میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سبزہ نوخیز سے موج شراب تک موسم بہار کی کیفیت کا طوفان اٹھا رہے ہیں +

۱۱۔ کیا خوب موسم گل ہے کہ شرح ہنگامہ ہستی ہے (موسم گل اور ہنگامہ ہستی کو بوجہ بے شباتی تشبیہ دی گئی ہے) اور موج شراب کیا اچھی چیز ہے کہ قطرہ کو دریا میں پہنچا دیتی ہے۔ قطرہ سے مراد انسان اور دریا سے مراد ذات الہی۔ جس طرح قطرہ دریا سے مل کر دریا بن جاتا ہے اسی طرح انسان ہی شراب (محبت الہی) پی کر عالم بخود میں اپنے گل سے مل جاتا ہے +

۱۲۔ اسے اسد جلوہ گل دیکھ کر میرے ہوش اڑے جا رہے ہیں یعنی موسم بہار آنے سے شراب پئے بغیر ہی مجھ پر بخود طاری ہو رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موسم بہار آگیا اور موج شراب کو پرواز ہو اپنی جوش میں آئی +

روایت (ت)

(۴۹)

افسوس کہ دیدار کا کیا رزق فلک نے ۱ جن لوگوں کی تھی درخور عقد گہر انگشت کافی ہے نشانی تری چھپنے کا نہ دینا ۲ خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
تارکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

۱۔ افسوس کہ جن لوگوں کی انگلیاں موتیوں کی لڑیوں کے قابل تھیں (مرنے کے بعد) آسمان نے ان کی انگلیوں کو دیدان کا رزق قرار دیا۔ دیدان۔ کیڑے مکوڑے + اس شعر میں انقلابِ زمانہ پر تاسف کیا گیا ہے +

۲۔ میرے لئے تیری یہی نشانی کافی ہے کہ جب میں نے بوقتِ سفر تجھ سے نشانی مانگی تو تو نے خالی انگشت مجھے دکھلا دی۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی خالی انگشت دکھلانے کا مجھ کو نہایت صدمہ ہوا اور اس نے چھلانہ دے کر چھلادینے سے زیادہ مؤثر نشانی مجھ کو دی +

۳۔ اسے اسد میں بڑی کاوش سے عمدہ اور پاکیزہ اشعار اس نے لکھتا ہوں تاکہ کوئی میرے اشعار پر نہکتہ چینی نہ کر سکے +

(۵۰)

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت ۱ پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشقِ خوننا بہ مشرب ۲ لکھ ہے خداوندِ نعمت سلامت
علیٰ الرحمٰن دشمنِ شہید و فابوں ۳ مبارک مبارک سلامت سلامت
نہیں گر سروِ برگ اور اک معنی
تماشا ہے نیرنگِ صورت سلامت

۱۔ اگر کوئی قیامت تک بھی زندہ رہا تو پھر بھی اک روز مرنا ہے۔ مریت ہر ایک کے لئے لازم ہے۔ کل نفس ذائقة الموت۔ حضرت سلامت سے مراد حضرت سلامت ہیں +

۲۔ عشقِ خوننا بہ مشرب۔ وہ عشق جس کا مشرب (طریقہ) خونخواری ہو۔ فرماتے

ہیں عشقِ خوننا بہ مشربِ میرے جگر خداوندِ نعمت سلامت کا القاب لکھتا ہے +
۴۳۔ میں رقیبِ نکلے بر خلافِ شہید و فامیوں۔ مجھے بہت مبارک ہو اور میں ہمیشہ
سلامت رہوں گا +

۴۴۔ اگر محبوبِ حقیقی کے ادراک کی قابلیت نہیں تو نہ سہی۔ فلاہری نیرنگی کا تماشا
ہی سلامت رہے۔ مطلب یہ کہ اگر ذاتِ خدا نے تعالے کو نہیں سمجھ سکتے نہ سہی
اس کی مخلوق کو دیکھ کر ہمارا یہ یقین ہی سلامت رہے کہ ضرور ان کا کوئی لاشریک
خالق ہے + سرورِ برگ۔ سامان۔ قابلیت +

منہ گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب
یار لائے مرے بالیں پہ اُسے پر کس وقت

۱۔ افسوس کہ میرے دوست میرے معشوق کو اُس وقت میرے سر ہانپے پر
لائے جبکہ مجھ پر حالتِ نزع طاری تھی اور میں کبھی آنکھیں کھولتا تھا کبھی بند کر لیتا
تھا۔ یہاں تک کہ میری آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں +

(۵۱)

۱۔ خط سے ہوا ہے سرد جو بازارِ دوست ۱۔ دُورِ شمع کشتہ تھا شاہِ خطِ رُحسارِ دوست
۲۔ لے دل نا عاقبت اندیش ضبطِ شوق کر ۲۔ کون لا سکتا ہے تابِ جلوہ دیدارِ دوست
۳۔ خانہ ویراں سازِ حیرت تماشا کیجئے ۳۔ صورتِ نقشِ قدم ہوں فتنہ رفتارِ دوست
۴۔ عشق میں بیدارِ شکِ غیر نے مارا مجھے ۴۔ کشتہ دشمن ہوں آخر گر چہ تھا بیمارِ دوست
۵۔ چشمِ مارِ روشن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے ۵۔ دیدہ پرخوں ہمارا ساعِ سرشارِ دوست
۶۔ غیرتوں کو تباہ ہے میری کپش اُسکے حجر میں ۶۔ بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غبارِ دوست
۷۔ تاکہ میں جانوں کہ ہے اسکی سیانیِ دلِ تلک ۷۔ مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
۸۔ جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعفِ دماغ ۸۔ سرے سے وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر ۹ ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست
مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے ۱۰ یا بیان کیجئے سپاس لذت آزاد دوست

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیف شعر میں غالب زبیں تکرار دوست ۱۱

۱۔ رخسار یار پر آغاز سبزہ سے یار کا بازار سرد ہو گیا ہے یعنی اُسے اب کوئی نہیں چاہتا
شائد خط رخسار دوست شمع کشتہ کے دھوئیں کی مانند تھا۔ رخسار کی تشبیہ شمع سے
اور خط کی تشبیہ دود سے ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح شمع بجھنے پر اندھیرا ہو جاتا ہے
اور شمع بجھتے ہوئے بہت دھواں دیتی ہے اسی طرح حسن رخسار کا خاتمہ ہوتے ہی خط
کا آغاز ہو گیا۔ یا آغاز سبزہ نے حسن رخسار کا خاتمہ کر دیا ۛ

۲۔ اے ناعاقبت اندیش دل شوق دیدار کو ضبط۔ جلوہ دیدار دوست کی تاب
کوئی بجلی نہیں لاسکتا۔ اس شعر میں حضرت موسیٰ کے واقعہ کوہ طور کی طرف اشارہ ہے
۳۔ میری حیرت نے جو میرے گھر کی دیرانی کی ہے اُس کا تماشہ دیکھئے۔ اور میری
حیرانی کا باعث یہ ہے کہ میں رقتار دوست پر نقش قدم کی طرح حیران و بیخود ہو گیا
ہوں اور اغلب ہے کہ اس بیخودی میں میری روح جسم سے مفارقت کرے اور میل گھر
ویران ہو جائے ۛ اپنے آپ کو عاجزی اور حیرانی کی بنا پر نقش سے تشبیہ دی ہے ۛ

۴۔ مجھے عشق دوست میں رقیب کے رشک کی تکلیف نے مارا۔ اگرچہ میں بیمار
دوست تھا یعنی دوست کا عاشق تھا۔ لیکن آخر میں کشتہ دشمن ہوا۔ مطلب یہ کہ
میرا انجام اچھا نہ ہوا۔ مجھے دوست کے ہاتھ سے قتل ہونا چاہئے تھا۔ یہ میری بد نصیبی
ہے کہ کشتہ دشمن ہوا ۛ

۵۔ پہلے مصرع میں چشم مار و شن دل ماثدا کے محاورے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بڑی
خوبصورتی سے کھپایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمارا دیدہ پر خون دیکھ کر اُس بے درد یعنی

یعنی معشوق کا دل شاد ہوتا ہے چشم مار و شن ہم بھی بہت خوش ہیں کہ ہمارا دیدہ
پرخون دوست کے لئے ساغر شراب ہے یعنی دوست اس سے ایسا ہی سرور حاصل
کرتا ہے جیسے ساغر شراب سے +

۷۔ (قطعہ بند) ہجر معشوق میں رقیب میری مزاج پُرسی اور ہمدردی ایک
بے تکلف اور غمخوار دوست کی طرح کیوں کرتا ہے

۸۔ اس لئے کہ میں یہ جان لوں کہ رقیب کی رسائی یا ترک ہے وہ مجھے وعدہ دیدار
دوست کا پیغام دیتا ہے +

۹۔ جب میں اُس کے روبرو اپنے ضعف دماغ کی شکایت کرتا ہوں تو وہ دوست کی
غیر برسانے والی زلفوں کا ذکر شروع کر دیتا ہے + سر کرنا - شروع کرنا +

۱۰۔ اور اگر رقیب مجھے چپکے چپکے روتا ہوا دیکھ لیتا ہے تو دوست کی شوخی گفتار
کا بیان ہنس ہنس کر کرتا ہے +

۱۱۔ دوست کی ہربانیوں یعنی ناہربانیوں کی شکایت کروں یا دوست (معشوق)
کی لذت آزار کی تعریف یعنی شکایت کروں + اس شعر میں طنزاً ناہربانی کو ہربانی
اور شکایت کو سپاس لکھا گیا ہے +

۱۲۔ اے غالب مجھے یہ اپنی غزل دل سے پسند ہے۔ کیونکہ ردیف شعر میں لفظ
دوست بہت زیادہ (ہزار) آیا ہے + غالب اور زلیں کی رعایت ملاحظہ ہو۔ شعر
کے آخری لفظ کو ردیف کہتے ہیں +

ردیف (ج)

(۵۲)

گلشن میں بندوبست بنگلہ گر ہے آج ، قمری کا طوق علقہ بیرون در ہے آج

آتا ہے ایک پارہ دل ہر فغاں کے ساتھ ۲ تارِ نفس کندِ شکارِ اثر ہے آج

اسے عاقبت کنارہ کرے انتظامِ حل

سیلابِ گریہ نہ پڑے دیوارِ دور ہے آج

۱۔ میرا دوست آج باغ میں آئیواں ہے۔ بیرون در کی محرابِ قمری کا طوق بنا ہوا ہے

یعنی بیرون در کی محراب کے نیچے مجمعِ عشاق ہے۔ قمری کا طوق اُس کے گرفتارِ عشق ہونے

کی علامت ہے۔ جس طرح کہ گردن کا حلقہ قمری کے گرفتارِ عشق ہونے کی علامت

ہے اسی طرح محرابِ بیرون در نے بہت سے عشاق کو گرفتار کیا ہوا ہے یعنی اُس

کے نیچے مجمعِ عشاق ہے +

۲۔ آج ہر فغاں کے ساتھ میرے دل کا ایک ٹکڑا باہر آ رہا ہے۔ میرے نفس کا تار آج

اثر کے شکار کے لئے کند بنا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ آج میری آنکھوں میں اثر پیدا ہو رہا

ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے دل پر آج نئے طریق سے اثر ہو رہا ہے۔ یعنی

دل کے ٹکڑے باہر آ رہے ہیں +

۳۔ مکان کے در و دیوار عاقبت اور انتظام کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ عاقبت

اندیشی اس لئے کہ آئندہ زندگی آرام سے کرے اور انتظام اس لئے کہ چور چکار داخل

نہ ہو سکے۔ فرماتے ہیں اے عاقبت کنارہ کر اور اے انتظام رخصت ہو کیونکہ آج

میرے رونے کا طوفان دیوار و در کے درپے ہے۔ یعنی میں اتنا روؤں گا کہ در اور

دیوار بہہ جائیں گے +

دیگر لوہم مریضِ عشق کے تیمار دار ہیں

اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

لوگ کہتے ہیں کہ مریضِ عشق کی تیمارداری نہیں ہوتی لوہم تیمارداری کرتے ہیں

لیکن اگر پھر بھی اچھا نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج یعنی مسیحا کو کس طرح لائیں گے۔ مسیحا

مراد معشوق مجازی۔ فرماتے ہیں معشوق مجازی تو ایسا بیدرد اور ظالم ہے کہ مریض
عشق خواہ مر جائے وہ ہرگز اس کے بالیں پر نہ آئیگا +
مرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے وصل کے سوا مریض عشق کا اور کچھ علاج
ہی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مرزا صاحب بعض اشعار کو عمداً ایسا معنی بنا دیتے ہیں
کہ ان کا مطلب واضح ہونا ناممکن ہو جاتا ہے بقول مرزا صاحب مدعا عقاب ہے
اپنے عالم تعری کا۔“

ردیف (ج)

(۵۳)

نفس نہ انجمن آرزو سے ہا ہر کھینچ ۱ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
کمال گرمی سعی تلاش دید کہ نہ پوچھ ۲ بزمِ خار سے آئینہ سے جو ہر کھینچ
تجھے بہانہ راحت ہے انتظار اے دل ۳ کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستہ کھینچ
تری طرف ہے بہ سرت نظارہ نرگس ۴ بجوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ
نہ نیم غم نہ ادا کر حق و دیعت ناز ۵ پیام پر وہ زخم جگر سے خنجر کھینچ
برے قدح میں ہے صبا کے آتش نہاں
بروئے سفر کہ باب دل سمندر کھینچ

۱۔ پہلے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ امید نہ چھوڑ۔ اگر اس وقت تجھے شراب تیر نہیں
تو انتظار کر۔ آندو نہ چھوڑنی چاہئے +

۴۔ تلاش دیدار کی گرمی سہی کی حد نہ پوچھ۔ یعنی میں نے دیدار کی تلاش میں بچہ کوشش کی ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے آئینہ دل میں جوہر آئینہ کے بجائے کانٹے ہو گئے ہیں۔ قاعدہ ہے سعی تلاش میں انسان کے پاؤں میں کانٹے لگ جاتے ہیں صیقل آئینہ کے لئے پہلے الف کی شکل بناتے ہیں۔ خارجی شکل الف ہوتا ہے اسلئے اچھی مناسبت ہے +

۴۳۔ اسے دل انتظارِ یار تجھے آرام کرنے کا بہانہ مل گیا۔ تجھے یہ کس نے بتایا کہ بستر کے ناز اٹھا۔ ناز بستر کھینچ سے مراد بستر پر آرام سے پڑا رہنا اور اس طرح گویا ناز بستر کھینچنا ہے۔ مطلب یہ کہ شاعر دل سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ انتظارِ یار میں آرام سے بستر کے مزے کیوں لوٹ رہا ہے + آہیں کھینچ۔ آہ دہکا کر یا نالہ دزاری سے مصروف ہو ۴۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ گل نرگس تیری سمت نگاہ حسرت سے دیکھ رہا ہے۔ تجھے چاہئے کہ رقیب یعنی نرگس کی خوش کجلاں اور اس کو اندھا کر کے پیالہ چڑھا مطلب یہ ہے کہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ نرگس بھی تجھ کو شراب نوشی میں مصروف دیکھے۔ اُس سے آنکھ بچا کر ساغر بنی تاکہ اُس کا دل مسرور نہ ہو سکے +

۵۔ اے معشوق میرے زخمِ جگر کے پردہِ نیام سے خنجر کھینچ اور چونکہ میں نے کچھ عرصے تک تیرے خنجر کو زخمِ جگر میں بطور امانت رکھا ہے۔ تجھے چاہئے کہ تو بھی حق و دیعتِ ناز یعنی خنجر کی امانت کا حق بہ نیم غمزہ ادا کرے نیم اور نیام کی لفظیں صنعت سے خالی نہیں اگر نیام کا الف جو خنجر کی شکل کا ہوتا ہے نکال لیا جاوے تو نیم رہ جاتا ہے +

۶۔ میرے قدح یعنی دل میں آتشِ پہاں کی شرابِ آتشِ عشق بھی ہوئی ہے اس لئے دسترخوان پر شراب کی مناسبت سے کیا ب بھی ہونا چاہئے۔ اور چونکہ شراب آتشِ پہاں کی ہے اس لئے کیا ب بھی سمندر کا ہونا چاہئے + سمندر۔ نیرے سے

چھوٹا ایک جانور جو آتشکدوں میں پیدا ہوتا ہے اور رہتا ہے +

(۵۴)

حسنِ سزا کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد ۱۔ باسے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد
منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا ۲۔ ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد
شمع بجھتی ہے تو اُس میں دھواں اُٹھتا ہے ۳۔ شعلہ عشق سیہ پوش ہو میرے بعد
خون ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی ۴۔ اُن کے ناخن مجھے محتاجِ حنا میرے بعد
درِ خورِ غرض نہیں جو ہر بیداد کو جا ۵۔ نگہ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد
ہے جنوں اہل جنوں گئے لئے آغوشِ وداع ۶۔ چاک ہوتا ہے گریباں سے جفا میرے بعد
کون ہوتا ہے حلینا نے مردِ انگن عشق ۷۔ ہے مکرِ لبِ ساقی پہ ملا میرے بعد
غم سے مڑا ہوں کہ اتنا نہیں سنیا میں کوئی ۸۔ کہ کرے تعزیت بہرِ وفا میرے بعد
آئے ہے سیکسی عشق پہ رونا غالب

۹۔ کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

۱۔ میرے مرنے کے بعد حسنِ ناز و انداز دکھلانے کی مصیبت سے چھوٹ گیا۔ باسے
اہل جفا میرے بعد آرام سے تو ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بعد کوئی عاشق نہیں
رہا اور حسینوں کو ناز و ادا دکھلانے کی ضرورت نہ رہی +
۲۔ پہلا شعر سمجھنے کے بعد یہ شعر بالکل صاف ہے +
۳۔ شعلہ عشق میرے بعد سیہ پوش ہو گیا۔ جس طرح شمع بجھتی ہے تو دھواں چھوڑتی
ہے اور تاریکی کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ میرے بعد کوئی عاشق نہ رہا اور شعلہ عشق نے
میرے ماتم میں کالا لباس پہن لیا +

۴۔ قبر میں میرا دل بتوں کے حال پر خون ہے یعنی رو رہا ہے۔ کیونکہ میرے بعد
ان کے ناخن حنا کے محتاج ہوئے۔ یعنی میری زندگی میں معشوق ہندی کہ بجائے میرا

خون استعمال کر لیتے تھے کیونکہ ہندی لگا کر دیر تک چلنے پھرنے سے باز رہتا اور بچلا بیٹھا معشوقانِ شوخ طبع کے لئے بہت مشکل اور تکلیف دہ تھا +

۵۔ جو ہر ظلم کے اظہار کے قابل کوئی جا نہیں رہی۔ یعنی جب میں مر گیا تو حسینوں کا ظلم اٹھانے والا کوئی نہ رہا۔ اس لئے نگہ ناز سرے سے خفا ہے۔ یعنی حسینوں نے سرمہ لگانا چھوڑ دیا +

۶۔ دیوانوں کے لئے جنوں آغوشِ وداع ہو گیا۔ یعنی میرے بعد دیوانوں کے جنوں رخصت ہو گیا۔ اور لفظ چاک گریباں سے جدا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ میرے بعد کوئی دیوانہ نہ رہا۔ اور اس لئے کوئی چاک گریباں بھی نہ رہا۔ گریباں سے لفظ چاک ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ اب کسی کا گریباں چاک نہ ہو گا +

۷۔ صلا۔ بلائے کی آواز۔ یہ شعر بڑا پُر لطف ہے اور ایسا لطیف شعر مرزا صاحب کے پُر جذبات دل کی ہی آواز ہو سکتا ہے + پہلا مصرعہ سوالیہ بھی ہے اور مایوسانہ بھی مطلب یہ ہے کہ میرے بعد معشوق کے لب پر کمر یہ صلا ہے کہ حریف سے مردانگین عشق کون ہوتا ہے پہلی مرتبہ معشوق سوال کرتا ہے کہ آیا ایسا کوئی ہے کہ عشق کی مردانگین شرب کا حریف بنے۔ پھر مایوسانہ کہتا ہے کہ سے مردانگین عشق کا حریف کوئی نہیں ہوتا + لفظ کمر نے اس شعر کے معانی کی خوبی کو دو چند بلکہ چار چند کر دیا (اقتباس از یادگار غالب) ۸۔ مجھے تو اس غم نے مار دیا کہ میرے بعد ہر وفا بھی دنیا سے اٹھ جائے گی اور میرے بعد کوئی ایسا بھی نہ رہے گا کہ ہر وفا کی تعزیت ہی کرے یعنی دنیا سے ہر وفا کے مٹ جانے کا غم کرے +

۹۔ اے غالب مجھے عشق کی بیکسی پر رونا آتا ہے کہ میرے بعد سیلابِ بلا (عشق) کس کے گھر جائیگا۔ (اب تو یہ سیلاب میرے گھر میں تھا) مطلب یہ ہے میرے بعد کوئی ایسا نہ رہیگا جو عشق جیسی مصیبت میں گرفتار ہونا چاہے +

روایت (۵۵)

(۵۵)

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار ، نگاہ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار
 و قہر اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ ، کہ ہو گئے مرے دیوار و در و دیوار
 نہیں ہے سایہ کہ سُکر نوید مقدم بار ، گئے ہیں چند قدم پیش تر در و دیوار
 ہوئی ہے کس قدر ارزانی مے جلوہ ، کہ مست ہے تھے کوچ میں ہر در و دیوار
 جو ہے تجھے میر سودائے انتظار تو آ ، کہ ہیں دکان متاع نظر در و دیوار
 ہجوم گریہ کا سلمان کب کیا میں نے ، کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار
 وہ آ رہا مرے ہمسایہ میں تو سایہ سے ، ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار
 - تھیں کھلے ہے پن تیرے گھر کی آبادی ، ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار
 - نہ پوچھ بیخود می عیش مقدم سیلاب ، کہ ناپتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار
 - نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانہ میں

۱۰ حریف راز محبت مگر در و دیوار

۱- فرماتے ہیں میرے پیش نظر جو معشوق کے گھر کے در و دیوار ہیں - بلا سے - میں ان
 کی پروا نہیں کرتا - یہ میری نگاہ شوق کو نہیں روک سکتے - بلکہ یہ نگاہ شوق کے لئے بال پر
 بن جائیں گئے - یعنی در و دیوار کی رُکاؤ میں میری نگاہ شوق کے لئے قوت پر وار میں اضافہ
 کریں گی - رُکاؤ میں جو شیلے کام کرنے والوں کے لئے ترقی کا باعث بن جاتی ہیں +
 ۲- کثرت گریہ نے میرے گھر کا یہ حال بنا دیا ہے کہ سیلاب گریہ سے دیوار گر کر در بن گئی
 ہے - اور گری ہوئی دیوار کی اینٹوں نے در کو دیوار بنا دیا ہے +
 ۳- یہ میرے گھر کے در و دیوار کا سایہ نہیں ہے جو کہ در و دیوار سے چند قدم آگے

بڑھ رہا ہے۔ بلکہ خود درو دیوار ہی بار کے آنے کی خبر سنکر استقبال کے لئے چند قدم آگے چلے گئے ہیں +

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تُو نے اپنے جلوہ کی شراب کو اس قدر ارزاں کر دیا ہے کہ ترے کوچہ کا ہر در اور ہر دیوار تیرے دیدار کی شراب سے مست نظر آرہی ہے
۵۔ بار کے مکان سے درو دیوار متابع نظر کی دکان بنے ہوئے ہیں یعنی عشاق کی نظریں درو دیوار پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر تجھے بھی انتظار کی خریداری کا خیال ہے تو تو بھی آ جا +
۶۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے ہجوم گریہ کا ارادہ کیا ہو اور درو دیوار میرے پاؤں پر نہ گر پڑے ہوں۔ مطلب یہ کہ درو دیوار میرے ہجوم گریہ سے خوفزدہ ہیں کیونکہ اگر میں زیادہ روؤں گا تو میرے گریہ کا سیلاب اُن کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اس لئے جب میں ہجوم گریہ کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے پاؤں پر گر کر خوشامد سے مجھے باز رکھتے ہیں +

۷۔ کتنا لطیف تخیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ معشوق میرا ہمسایہ بنا۔ تو میرے گھر کے درو دیوار اُس کے درو دیوار پر فدا ہو گئے۔ دو مکانوں کا سایہ آپس میں ملتا ہے اُس سے مرزا صاحب ایک سایہ کا دوسرے سایہ پر فدا ہونا تعبیر کرتے ہیں +
۸۔ معشوق سے خطاب ہے۔ تیرے بغیر گھر کی آبادی میری نظر میں کھٹکے ہے۔ یعنی برا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم ہمیشہ درو دیوار دیکھ کر دلتے رہتے ہیں +
۹۔ سیلاب کے استقبال کی مسترت بخودی کا حال نہ پوچھ۔ میرے گھر کے درو دیوار جو ش مسترت سے رقص کرتے ہیں +

۱۰۔ اے غالب تو اپنا بھید کسی سے نہ کہہ۔ کیونکہ درو دیوار سے سوانا نے میں کوئی حرف زار محبت نہیں۔ اگر تجھے کہنا ہی ہے تو درو دیوار سے کہہ لے۔ مرزا صاحب کا یہ شعر ”دیوار ہم گوشش دارد“ کے برعکس ہے +

(۵۶)

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر ۱ جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر
 کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن ۲ جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں ۳ یوسے نہ کوئی نام ستم گر کہے بغیر
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے وگرنہ ہم ۴ سر جائے یا سہے نہ رہیں پر کہے بغیر
 چھوڑ دو نگاہیں اُس بُت کافر کا پوجنا ۵ چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کہے بغیر
 مقصد ہے ناز و غمزہ دے گفتگو میں کام ۶ چلتا نہیں ہے وشنہ و خجبر کہے بغیر
 ہر چند ہموشا بدہ حق کی گفتگو ۷ بنتی نہیں ہے بادہ و سانغ کہے بغیر
 بہر ہوں میں تو چاہئے دونا ہوا التفات ۸ سنتا نہیں ہوں بات کر کہے بغیر
 غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض

۹ ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

۱- معشوق سے خطاب ہے کہ اب تو میں نے تیرے دروازے پر اپنا گھر بنا لیا یعنی
 تیرے دروازے پر پڑا رہتا ہے۔ کیا اب بھی تو میرے گھر آنے کا وہی عذر کر لیا جو پہلے
 کیا کرتا تھا کہ مجھے تو آپ کا گھر معلوم نہیں +

۲- جب مجھے طاقت سخن نہ رہی تو معشوق کو یہ اچھا عذر ملا تھا آیا کہ جب تم کچھ کہتے
 ہی نہیں تو مجھے تمہارے حال دل کی کیا خبر +

۳- مجھے ایسے سخت دل معشوق سے پالا پڑا ہے کہ دنیا میں سب لوگ اُسے ستمگر سے
 نام سے یاد کرتے ہیں +

۴- مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل میں کسی کی طرف سے بُرائی ہی نہیں ہے۔ اگر ہو تو
 ہم کہے بغیر کبھی نہ مانیں۔ ہمارا سر جائے یا سہے یعنی ہم مرنے کی بھی پروا نہیں کرتے۔
 صاف کہہ دیتے ہیں +

- ۵۔ میں اُس بُت کافر کی پوجا پر گزرنے چھوڑ دوں گا۔ خواہ دنیا مجھے کافر ہی کہے جائے +
 ۶۔ کلام شاعری میں دشمنہ و خجرت سے ہم ناز و غمزہ مراد لیتے ہیں +
 ۷۔ شاید حق کو ہم بادہ و ساغر سے تعبیر کیا کرتے ہیں +
 ۸۔ مرزا صاحب آخر عمر میں بہرے ہو گئے تھے۔ یہ شعر حسب حال تخریج فرمایا ہے قرأتے ہیں میں بہرا ہوں اور مکرر کہتے بغیر بات کو نہیں سستا۔ اس لئے آپ کو دو نا التفات فرمانا چاہئے +

۹۔ حضور سے مراد بادشاہ یا خدا ہے تعالے ہے +

(۵۷)

کیوں جل گیا نہ تابِ رُخ یار دیکھ کر ۱ جلتا ہوں اپنی طاقتِ دیدار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے ۲ سرگرم نالہ ہائے شرر بار دیکھ کر
 کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا ۳ رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
 آتا ہے میرے قتل کو پر جوشِ رشک سے ۴ مرنے والوں اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
 ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خونِ خلق ۵ لرزے ہے موجِ فتنے تری رفتار دیکھ کر
 واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ۶ ہم کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر
 یک جانتے ہیں آپ متابعِ سخن کے ساتھ ۷ لیکن عیارِ طبع خسریدار دیکھ کر
 زنار باندہ سبچہ صد دانہ توڑ دال ۸ رہ رہو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں ۹ جی خوش ہوا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں سے ۱۰ طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر
 گرنی تھی ہم پہ برقی تجلی نہ طور پر ۱۱ دیتے ہیں بادہ طرفِ قدحِ خوار دیکھ کر
 سر پہوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر ۱۳

۱۔ پہلے مصرعہ میں جلنے سے مراد نذر آتش ہو جانا اور دوسرے مصرعہ میں جلنے سے مراد حسد کرنا ہے۔ فرماتے ہیں یہ بہتر ہوتا کہ میں رُخ یار کی تپش سے جل جاتا۔ افسوس کہ میں اپنے میں طاقت دیدار دیکھ کر اپنے ہی اوپر رشک و حسد کرتا ہوں۔ خوبی طرز بیان کے ساتھ اس شعر میں حد درجے کا رذمرہ اور مجاورہ بندی بھی ہے +

۲۔ شعر بالکل صاف ہے

۳۔ معشوق سے خطاب ہے۔ تم ہر ایک پر جفا کرتے ہو اور جفا و ظلم محض عاشق کے حصے میں ہونا چاہئے اس لئے تمہارے ہاں عشق کی کوئی آبرو نہیں۔ یعنی سچے عاشق اور چھوٹے عاشق میں کوئی امتیاز نہیں۔ یہی سبب ہے کہ میں تم سے عشق کرنے میں رکتا ہوں۔ تم بے سبب عشق لوگوں کو آزار پہنچاتے ہو +

۴۔ معشوق میرے قتل کے لئے آرہا ہے اور میں اُس کے قتل کرنے سے پہلے ہی اُس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر رشک سے قرا ہوں۔ رشک اس وجہ سے کہ اُس کے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہونا چاہئے تھا نہ کہ تلوار +

۵۔ شیشے کی گردن پر ایک جہاں کا خون ہے۔ کیونکہ نہ تو شراب پتیا نہ تیری رفتار سے لوگوں کے خون ہوتے۔ اس لئے مروج سے تری رفتار دیکھ کر خوفِ عذاب لرز رہی ہے +

۶۔ افسوس کہ یار نے ہمیں حریفانہ لذتِ آزار دیکھ کر ظلم و ستم سے کبھی ہاتھ کھینچ لیا۔ مطلب یہ کہ یار ہماری کوئی خواہش پوری نہیں ہونے دیتا شربتِ وصال تو کجا اگر ہم ظلم و ستم کی آرزو کرتے ہیں تو وہ بھی پوری نہیں کرتا +

۷۔ ہم اپنے خریدار کی طبیعت کی کسوٹی کا اندازہ لگا کر اپنے متاعِ سخن کے ساتھ خود بھی ہک جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے سخن کا قدردان واقعی سخن فہم ہے تو ہم خود ہی اُس کے گرویدہ اور قدردان ہو جاتے ہیں + عیار۔ پرکھنا۔ کسوٹی +

۸۔ زنا باندھ اور متوادانے کی تسبیح توڑ دے۔ رہبر و ہمیشہ ہمارے راستے پر چلتا ہے

زنا بہ نسبت تسبیح کے ہمارا ہوتی ہے اس لئے ہمارا راستے سے تشبیہ دی ہے +
 ۹۔ جنوں عشق میں صحرانوردی سے میرے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ لیکن پُر خارا راستہ
 دیکھ کر میزاجی خوش ہو گیا ہے۔ یعنی اب کانٹوں سے میرے آبلے پھوٹ جائیں گے
 ظاہر ہے کہ آبلوں میں کانٹے چھنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن سالکان عشق سب
 بخوشی برداشت کرتے ہیں +

۱۰۔ اس شعر میں معشوق کی بدگمانی ظاہر کی گئی ہے۔ معشوق کی نسبت فرماتے ہیں کہ
 وہ مجھ سے بہت زیادہ بدگمان ہے۔ اگر میں آئینہ دیکھتا ہوں تو زنگار آئینہ کو طوطی سمجھ
 لیتا ہے۔ اور چونکہ نغمہ طوطی مشہور ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ کہیں میرا عاشق طوطی کی آواز پر
 فریفتہ نہ ہو جائے اور میرا فریفتہ اور گردیدہ نہ رہے +

۱۱۔ اس شعر میں اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ
 ہم نے امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر وہ اس کے متحمل نہ ہوئے
 اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں برق تجلے کے ہم
 مستحق تھے نہ کوہ طور۔ اس لئے کہ شراب خوار کا ظرف دیکھ کر اس کو شراب دی جاتی ہے۔
 پس کوہ طور جو منجملہ جمادات ہے کیونکر تجلی الہی کا متحمل ہو سکتا ہے (ایضاً گار غالب)
 ۱۲۔ اے معشوق مجھے تیری دیوار دیکھ کر غالب شوریہ حال کا سر بھوڑا یاد آ گیا +

(۵۸)

زنا ہے مراد دل رحمت ہر درخشاں پر ۱ میں ہیں وہ قطرہ شبنم جو ہوا غریباں پر
 نہ چھوٹی حضرت یونسؑ یاں بھی خانہ آرائی ۲ سفیدی دید یعقوب کی کھرتی ہے زنداں پر
 قتال علم دیں بخودی ہوں اس زمانہ سے ۳ کہ مجنوں ام الف لکھتا تھا دیوار دبتاں پر
 فراغت ملے قدر رستی مجھے تشویش مرہم ہے ۴ بہم گر صلح کرتے پارہ اے دل مکداں پر
 نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا ۵ کہ پشت چشم سے جس کے ہنوسے ہر عنوان پر

مجھے اب دیکھ کر ابرہہ شفق آلود یاد آیا ، کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گستاں پر
 بجز پرواز شوق ناز کیا باقی رہا ہوگا ، قیامت اک بھٹے ٹہنے سے خاک شہیداں پر
 نہ لڑنا صبح سے غالب کیا ہو اگر اُس نے شہت کی
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

۱۔ میرا دل ہر درخشاں کی زحمت پر لرزتا ہے کہ وہ ایک ایسے قطرہ شبنم کو فنا کرنے
 کے لئے جو خارِ بیاہاں پر ہوزِ حمت اُٹھاتا ہے۔ اول تو قطرہ شبنم کو ہر درخشاں سے کیا
 نسبت اور پھر ایسا قطرہ جو خارِ بیاہاں پر ہوا اس کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے ؟
 ۲۔ اس شعر میں حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کی یاد میں روتے روتے نابینا ہو
 جانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں حضرت یوسف نے زنداں میں خانہ آرائی نہ
 چھوڑی۔ کیونکہ حضرت یعقوب کی آنکھوں کی سفیدی جو حضرت یوسف کی تلاش میں زنداں
 تک چلی آئی ، زنداں پر پھرتی ہے۔ پھرتی ہے ذومعنی ہے۔ اول تلاش میں پھرتی ہے دوسرے
 مکانوں پر جو سفیدی آرائش کی غرض سے کی جاتی ہے اُسے بھی سفیدی پھرتی ہے کہا جاتا ہے
 ۳۔ میں اُس زمانے سے دس پچودہ میں تعلیم کا حاصل کر رہا ہوں۔ جبکہ مجھوں بچوں کی
 طرف دیوارِ دبستاں پر لا نکھاکرتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ میں درسِ فنا میں مجھوں سے
 بہت آگے ہوں۔ اور وہ میرے سامنے طفلِ دبستاں سے بھی کم ہے۔ لا اور فنا میں ایک
 مناسبت بھی ہے۔ کیونکہ لا کے معنی نہیں اور فنا کے معنی نہ ہونا ہے ۔

۴۔ اگر میرے ہارے ہائے دل اس بات پر اتفاق کر لیتے کہ اُن پر تک چھڑک دینا ہی کافی
 ہے تو مجھے مریم کی تلاش اور تیاری سے فراغت ہو جاتی ، ظاہر ہے کہ تک ایک معمولی
 چیز ہے اور ہر ایک شخص کو آسانی میں آسکتا ہے۔ مریم کی تلاش اور تیاری میں بڑی تشویش
 ہے۔ مطلب یہ کہ انسان جس قدر ضروریات بڑھاتا ہے اسی قدر زیادہ تکلیف اُٹھاتا

۵۔ اقلیم عشق میں کوئی طومار ناز ایسا نہیں جس کے عنوان پر پشت چشم یعنی انکار سے ہرگز ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جتنے مردان عشق گزرے ہیں ان سب کو ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس میں خواہ مخواہ مجنوں ہو یا فریاد۔ پشت چشم سے مراد ہے اغماض و انکار اور پشت چشم مشابہ ہے ہر سے۔ طومار بمعنی دفتر مراد کتاب۔ طومارِ ناز سے مراد دفتر عشق یا کتاب عشق۔

۶۔ معشوق سے خطاب ہے کہ مجھے اب ابرِ شفق آلود دیکھ کر یاد آ گیا کہ جس طرح ابرِ شفق آلود گلستاں اور آتش کا منظر پیش کر رہا ہے اسی طرح جبکہ میں غمِ فرقت سے گھر کر باغ میں چلا جاتا تھا تو باغ بھی یہی منظر پیش کرتا تھا اور میرے لئے غمِ فرقت میں سبز پودوں پر سُرخ پھولوں کا ہونا گلستاں پر آتش برسنے کا منظر پیش کرتا تھا۔ ابر کو گلستاں سے اور شفق اور پھولوں کو آتش سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس شعر میں بھی ایک بڑا وسیع مضمون نہایت مؤثر طرز اور نہایت پاکیزہ الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

۷۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ قیامت کو مرد سے زندہ کر کے نبیوں سے اٹھائے جائیں گے مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ شہیدانِ ناز کی خاک کے لئے تو راک ہوا ہے شہید ہی قیامت سے کم نہ تھی سینکڑوں بار۔ ہوائے شہد چل چکی اور ان کی خاک اڑ اڑ کر ضائع ہو چکی۔ گویا ان کے لئے تو سینکڑوں قیامتیں آچکیں۔ اب شہیدانِ ناز میں سوائے پروازِ شوقِ ناز کے اور کیا باقی ہو گا جس کو قیامت اٹھائے گی۔ پروازِ شوقِ ناز۔ معشوق کے عشق کا خیال

۸۔ مقطع میں اپنی بیکسی اور عاجزی کا اظہار فرماتے ہیں۔ اسے غالب نامح سے نہ لڑا اگر اُس نے زیادتی اور سختی کی تو کیا ہوا۔ بیکس اور کمزور کو ہر کوئی دبا لیتا ہے کمزور کو چاہئے کہ صبر کرے۔ اس گناہ سے ہم بھی بچے ہوئے نہیں ہیں یعنی کمزور کو ہم بھی سستاتے ہیں۔ ہمارا زور صرف گریبان پر چلتا ہے۔ سو جب غم و غصہ ہوتا ہے ہم اپنا گریبان چاک کر ڈالتے ہیں۔

(۵۹)

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارہ میں نشاں اور ۱ کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
 یا رب وہ نہ سمجھے نہ سمجھیں گے مری بات ۲ سے اور دل اُنکو جو نہ سے بھکو زباں اور
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند ۳ ہے تیر مقرر مگر اُس کی ہے کہاں اور
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے ۴ لے آئیں گے بازار سے جا کر دل بچا اور
 ہر چند سبکدست ہوئے بُت شکنی میں ۵ ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سب گراں اور
 ہے خونِ جگر جوش میں دل کھول کے روتا ۶ ہوتے جو کئی دیدہ خونباہِ فشاں اور
 مڑا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے ۷ جلا دے لیکن وہ کہے جائیں کہاں اور
 لوگوں کو ہے خورشیدِ جہاں تاب کا دھوکا ۸ ہر روز دکھانا ہوں میں اکٹا بغِ ہناں اور
 دیتا نہ اگر دل تمہیں لیتا کوئی دم چین ۹ کرتا جو نہ مڑا کوئی دن آہ و فغاں اور
 پاتے نہیں جہاں تو چڑھ جاتے ہیں نالے ۱۰ رگتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے ریاں اور

ہیں اور بھی دُنیا میں سنخور بہت اچھے

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

۱۔ اس شعر میں معشوق کی مکاری ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں اُن کے ہر اک اشارے کے
 حقیقی معنی دوسرے ہو کر رہتے ہیں۔ اگر وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو مجھے یہ گمان ہوتا ہے
 کہ یہ آزمائشی محبت ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ مجھ سے محبت جتا کر مجھے اپنی طرف
 اور راغب کر لیں اور جب اس طرح مجھے اُن سے بہت زیادہ محبت ہو جائے تو پھر اپنی
 ناز و ادا اور جور و جفا کا آغاز کریں۔

۲۔ وہ مری بات سمجھ تو جاتے ہیں لیکن دانستہ نادان بننے میں اور مجھے ٹالنے کے لئے
 کہہ دیتے ہیں کہ میں تمہارا مدِ غا نہیں سمجھا اس لئے یا خدا اگر مجھ کو اور زباں نہ دے یعنی ایسی
 موثر زبان عطا نہ کرے کہ جو کچھ میں کہوں وہ فوراً اس کو مان لیوں۔ تو اُن کو ہی دوسرا

دل عطا کر یعنی اُن کے دل میں رحم عطا کرنا کہ وہ میرا مطلب دل پورا کریں +
۴۳۔ اس کی نگاہ ناز کو ابرو سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی اس کی کمان ابرو نہیں بلکہ اُس کی کمان دل ہے۔ کیونکہ تیرے وہ اپنی منشاء دلی کے مطابق کام لیتا ہے۔ اگر عاشق کو زخمی کرنا ہوتا ہے زخمی کر دیتا ہے۔ اگر وعدہ وصل کی خوشخبری دینی ہوتی ہے تو وہ بھی نگاہ ناز سے دے دیتا ہے +

۴۴۔ اگر تہا سے عشق میں ہمارا دل اور جان دو ٹو بھی جاتے ہیں تو ہمیں پروا نہیں۔ کیونکہ شہر میں ہزاروں آدمی تمہارے عشق سے تنگ آکر دل فروش اور جان فروش کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ ہم جب اٹھیں گے یعنی جب ارادہ کریں گے بازار سے اور دل و جان خرید لائیں گے +

۵۔ اگرچہ ہم بہت شکنجی میں مشاق ہو گئے ہیں لیکن جب تک ہماری ہستی ہے یعنی جب تک ہم عشق حقیقی میں اپنی ذات کو فنا نہیں کر لیتے تب تک راستے میں ایک اور بھاری رکاوٹ ہے۔ مطلب یہ کہ فنا ہونے کے بغیر معرفت الہی حاصل نہیں ہو سکتی +
۶۔ شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں میرا خون جگر اس قدر جوش میں ہے۔ کہ اگر ان دو آنکھوں کے علاوہ مجھے کئی اور آنسو برسانے والی آنکھیں دی جائیں تب میں دل کھوایا کر رہ سکتا +

۷۔ میں تو اُن کی اس آواز ہاں اور ہاں پر فریفتہ ہوں۔ خواہ میرا سر ہی اڑ جائے لیکن وہ جلا دے کہ یہ کہے جائیں کہ ہاں اور۔ (زارنگا) +

۸۔ مرزا صاحب بعض اشعار میں مبالغہ ہم قدر بے کافر مانتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ میں ہر روز اپنے دل کے داغوں میں سے ایک داغ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ خورشید بربھاشاب ہی نکل آیا۔ اپنے داغ دل کو خورشید بھاشاب سے استعارہ فرماتے ہیں +

۹۔ مضمون کی ایسی بندش مرزا صاحب جیسے قادر الکلام کے سوا اور کون کر سکتا ہے
فرماتے ہیں اگر تمہیں دل نہ دیتا تو کوئی دم اور چین لیتا۔ اور اگر نہ مرنے کو کوئی دن اور
آہ و فغاں کرتا رہتا۔ کوئی دن سے مراد کچھ دنوں ہے +

۱۰۔ فی الحقیقت مصیبت اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت
دکھتی ہے اسی قدر راہ دیتی ہے خصوصاً جو مضمون وہ اُس وقت اپنے حسبِ حال لکھتا
ہے نہایت درد انگیز اور ٹوٹا ہوا ہے (یادگار غالب)

۱۱۔ مقطع میں حقیقت کا پورے طور سے اظہار کے واقعے یہ مرزا صاحب کا انداز بیان
ہی ہے جس نے انہیں دیگر شعرا سے ممتاز بنایا +

(۶۰)

صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگ آخر ۱ تغیر آبِ برجاماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ وحشت کی
ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پلنگ آخر ۲

۱۔ اس شعر میں آئینہ اور آبِ برجاماندہ کی مثال کتنی صحیح اور درست ہے فرماتے
میں جس طرح ٹھہرے ہوئے پانی کا رنگ آخر کار تغیر پاتا ہے اور اُس پر کافی جم جاتی
ہے اسی طرح آئینہ کی صفائی حیرت آخر کار رنگ آلود ہو جاتی ہے + رنگ آئینہ کو
کافی سے تشبیہ دی گئی ہے +

۲۔ مطلب یہ ہے کہ سامانِ عیش و راحت و حشرِ عشق کو کم نہیں کر سکتا۔ مجھے
جامِ زمرہ بھی داغِ پلنگ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جامِ زمرہ سے مجھے اتنی ہی گھراہٹ اور
خوف معلوم ہونے لگا جتنا کہ لوگوں کو داغِ پلنگ یعنی پلنگ دیکھنے سے + مطلب
یہ ہے کہ عوامانی کے بغیر جنوں کی تکمیل نہیں ہوتی +

(۶۱)

جنوں کی دیکھ بھری کرے ہو گر ہو نہ عریانی ۱ گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
 برنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی ۲ ہزار آبدلہ دل باندھے ہیں ایک پیدل پر
 فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے ۳ متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض ہزن پر
 ہم اور وہ بے سبب بچہ شمشیر رکھتا ہے ۴ شعاع ہر سے تہمت لگنے کی چشم روزن پر
 فنا کو سو نپ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا ۵ فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر
 اسد ہنس ہے کس انداز کا قابل سے کہتا ہے

۶ تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

۱۔ عریانی کے بغیر جنوں کی دستگیری نہیں ہو سکتی اور عریانی کے لئے چاک گریبانی لازم
 ہے۔ اس لئے چاک گریبانی کا حق میری گردن پر ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عریانی کے
 بغیر جنوں کی تکمیل نہیں ہوتی +

۲۔ اس شعر میں دل کی بیقراری کا فنا کہ کھینچا گیا ہے۔ فرماتے ہیں دل نے آتش زدہ کاغذ
 کی مانند جو کہ نیرنگ بیتابی ہے ایک ترپ کے بازو پر ہزاروں آئینے باندھ دیئے ہیں
 نیرنگ، بیتابی (بیتابی شعبہ باز) صفت ہے کاغذ آتش زدہ کی + جلے ہوئے کاغذ پر ہزاروں
 ستارے سے چمکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں +

۳۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے ہم عیش رفتہ کا بہت تقاضا کرتے ہیں اور
 متاع بردہ کو ہزن پر قرض سمجھے ہوئے ہیں۔ گریباں وہ کبھی نہ کبھی ہمیں واپس دے دیگا
 قاعدہ ہے کہ جب انسان امیر سے غریب ہو جاتا ہے تو وہ یہ سمجھتا رہتا ہے کہ لیکڑن
 پھر میں دلیا ہی دو لقمہ ہو جاؤں گا +

۴۔ معشوق بے سبب میر دشمن ہو گیا اور مجھ پر یہ تہمت رکھتا ہے کہ تو نے مجھے چشم
 روزن سے جھانکا ہے۔ حالانکہ شعاع ہر روزن سے داخل ہونا چاہتی تھی +

۵۔ اپنے آپ کو فنا کرتا کہ محرف الہی حاصل ہو جس طرح تنکے کی قسمت کا فروغ

گلخن پر موقوف ہے۔ یعنی جب تنکا بھٹی میں جھونکا جاتا ہے تو روشن ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان بھی فنا ہو کر فروغ معرفت الہی حاصل کر سکتا ہے +

۶۱۔ یہ اسد کس انداز کا بسمل ہے کہ قاتل سے کہتا ہے کہ تو اسی طرح مشق ناز کر یعنی

لوگوں کو قتل کرتا رہ اور دونوں جہاں کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں +

دیگر ستم کش مصلحت ہوں کہ خواباں تجھے عاشق ہیں

تکلف برطرف، بل جائیگا تجھ سارقیب آخر

میں ایک مصلحت سے تیرے ستم اٹھا رہا ہوں اور وہ یہ کہ مجھ پر بہت سے

خوبصورت عاشق ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ اگر تو مجھے نہیں ملتا تو حسینوں میں سے

کوئی تجھ جیسا رقیب ہی مل جائیگا۔ میں اُسے اپنا محبوب بنالوں گا +

(۶۳)

لازم تھا کہ دیکھو مرادستا کوئی دن اور ۱۔ تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

مٹ جائے گا سرگرترا پتھر نہ گھسے گا ۲۔ ہوں درپہ تھے ناصیہ قرسا کوئی دن اور

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں ۳۔ مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھٹا کوئی دن اور

ہاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے ۴۔ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف ۵۔ کیا تیرا بگڑتا جو نہ مڑتا کوئی دن اور

تم ماہ شب چار دم تھے مرے گھر کے ۶۔ پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور

تم کون سے تھے ایسے پھرے داد و سدا ۷۔ کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمہیں نفرت ہی تیرے لڑائی ۸۔ بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گڑی نہ بہر حال یہ مدت خوش ناخوش ۹۔ کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہو غالب

قست میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۱۔ یہ غزل مرزا عارف کا نوحہ ہے۔ مرزا عارف علاوہ اس کے کہ مرزا غالب کے عزیز تھے بڑے پُرگو اور خوش گو تھے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تمہیں لازم تھا کہ میرا کچھ دن اور انتظار کرتے تم تنہا کیوں گئے اب کچھ دن اور تنہا رہو +

۲۔ تیسرے دربار (پر کچھ دنوں اور پیشانی رگڑوں گا۔ اگر تیرا فقر نہ گھسے گا تو میرا سر تو میٹ جائیگا +

۳۔ تمہیں دنیا میں آنے ہوئے بہت تھوڑا عرصہ گزرا ہے۔ یہ مانا کہ ہمیشہ نہیں رہ سکتے تھے۔ مگر کچھ دن تو اور رہتے +

۴۔ تم مرتے ہوئے کہتے ہو کہ اب قیامت کو ملیں گے۔ کیا قیامت کا کوئی اور دن جی ہے +

۵۔ ہاں اسے فلک پیر عارف ابھی جواں تھا۔ تیرا کیا بگڑنا اگر کچھ دن اور نہ مرتا +

۶۔ تم میرے گھر کے چودہویں رات کے چاند تھے۔ پھر گھر کا وہ نقشہ کچھ دن اور بیوں نہ رہا۔ یکایک اب کیوں اندھیرا ہو گیا۔ بدر تو گھٹتے گھٹتے بھی کئی روز روشنی دیتا رہتا ہے +

۷۔ تم داد و ستد میں ایسے کہاں کے کھرے تھے۔ کہ ملک الموت کا تقاضا کرتے ہی تم نے جان دیدی۔ اُسے کچھ دن اور تقاضہ کرنے دیتے +

۸۔ نیر۔ نواب ضیا الدین احمد خاں صاحب بہادر جو نیر تخلص کرتے تھے اور مرزا عارف کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ اچھا مجھ سے تمہیں نفرت تھی اور نیر سے ہماری لڑائی تھی کچھ دنوں اور اپنے بچوں کا تماشہ تو دیکھتے +

۹۔ اسے جواں مرگ کچھ دن اور اسی طرح دنیا میں گزار دیتے۔ بہر حال یہ مدت دسی یا رنج سے گزر ہی گئی +

۱۰۔ تم جو کہتے ہو کہ اسے غالب تم اب عارف کے بعد کیوں جیتے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا

چاہئے کہ ابھی میری تقدیر میں اور کچھ دنوں زندہ رہنا اور مرنے کی تمنا کرنا رنج (ٹھانا)

روایت (۴۱)

(۶۳)

فارغِ بخت نہ جان کہ مانندِ صبح و ہر ۱ ہے داغِ عشق زینتِ جیبِ کفن ہنوز
ہے نازِ مفلسانِ زر از دستِ رفتہ پر ۲ ہوں گلفروشنِ شوخی داغِ کہن ہنوز

مینخانہ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
۳ تمیازہ کیپچے ہے بتِ بیدِ اوفس ہنوز

۱۔ مرنے کے بعد مجھے غم سے فارغ نہ جان کیونکہ داغِ عشق مانندِ مہر اب بھی
جیبِ کفن کی زینت ہے۔ داغِ عشق کو ہر سے اور کفن کو صبح سے تشبیہ دی گئی ہے
۲۔ مفلس لوگ کھوٹے ہوئے مال پر فخر کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ ہم اتنا کثیر
مال برباد کر دیا۔ اسی طرح میں بھی اپنے داغِ کہن عشق کا ذکر کیا کرتا ہوں +
۳۔ میرے جگر کے مینخانے میں اب کچھ بھی نہیں۔ لیکن وہ بتِ بیدِ اوفس اب تک چمائیے
ہی ہے۔ یہ ہے۔ مطلب یہ کہ میرے جگر میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا مگر
مشتوق اب بھی سیر نہیں ہوا +

(۶۴)

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز ۱ دُعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز
نہ ہو یہ ہرزہ بیاباں نوردِ وہم و جود ۲ ہنوز تیرے تصور میں ہیں نشیبِ فراز
وصالِ جلوہ تماشہ ہے پر داغِ کہاں ۳ کہ دیکھے آئینہ انتظار کو پرواز
ہر ایک ذرہ عاشق سے آشنا ہے پست ۴ گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوہ ناز
نہ پوچھ و سعتِ مینخانہ جنوں غالب ۵ جہاں یہ کاسہ گرد و خاک ایک خاک انداز

۱۔ عاجزی اور خوشامد کے جادو سے کوئی مشکل مقصد تو بر نہ آیا۔ اب خدا سے یہ دعا مانگیں گے کہ الہی عمر خصر دراز کر (یعنی یہ ایسی چیز ہے جو پہلے ہی دی جا چکی ہے۔)
(اقتباس از یادگار غالب)

۲۔ مطلب یہ ہے کہ وجود اشیائے عالم میں یہودہ طرز بر کیوں بیا یاں نور دی کر رہا ہے
یعنی مشغول ہے معلوم ہوا کہ ابھی تیرے تصور میں نشیب و فراز ہیں۔ یعنی تجھے وجود
وحدت سے لو لگانی چاہئے +

۳۔ اس میں شک نہیں کہ اعمال جلوہ یار عجیب بہار ہے۔ لیکن ہم میں ایسی طاقت
کہاں کہ انتظار کے آئینہ کو صیقل کر سکیں۔ یعنی انتظار کر سکیں + پرواز۔ صیقل۔
مطلب یہ کہ دیدارِ یار تماشا ہے۔ لیکن ہم 'س' کی بہار نہیں دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ
ہم دیر تک انتظار نہیں کر سکتے +

۴۔ عاشق کی خاک کا ہر ایک ذرہ آفتاب پرست ہے۔ خاک ہوئے پر بھی حسن پرستی
کی خواہش نہ گئی۔ قاعدہ ہے کہ ذرات خاک آفتاب کے مقابل ہو کر تاباں و درخشاں
ہو جاتے ہیں +

۵۔ اسے غالب مینخانہ جنوں کی ملبانی چوڑائی نہ پوچھ۔ اس کے متبادل پہ یہ اسمار کا پالہ
ایک خاک انداز کی مانند ہے + خاک انداز۔ وہ طرف جس میں گھر کا گورڈا کرکٹ ڈالا جاتا
ہے +

(۶۵)

وسعت سعی کرم دیکھ کہ متراسر خاک گزرتے ہے آبلہ پا ابر گہر بار ہنوز
یک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صحنہ دشت
نقش پا میں ہے تب گرمی رفتار ہنوز

۱۔ ابرک سعی کرم کی وسعت دیکھ کہ تمام زمین پر یعنی بہت دور تک باوجود آبلہ پا
ہونے کے گہری گڑیا ہو اگزر جاتا ہے + ابر کو آبلہ پا اُس کے قطرات آب برسانے

کی بنا پر کہا گیا تھا۔ قطرہ کو آبلہ سے تشبیہ دی گئی ہے + مطلب یہ کہ امیر باد وجود آبلہ پانی کے
دور تک موتی برساتا ہوا یعنی بارش کرتا ہوا چلا جاتا ہے +
۲۔ میں نے اس قدر دشت نور دی کی ہے کہ تپ گرمی رفتار ایک میرے نقش پا
میں موجود ہے اور صفحہ دشت سر سر کاغذ آتش زدہ کی مانند بن گیا ہے + گرمی - تپ
آتش کاغذ صفحہ اور قلم کی لفظی رعایتیں ملاحظہ ہوں +

(۶۶)

کیونکہ اُس بُت سے رکھوں جاں عزیز ۱ کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ۲ ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
تاب لائے ہی بنے گی غالب
۳ واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

۱۔ اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز رکھوں گا تو وہ ایمان لے لے گا
اس لئے جان کو عزیز نہیں رکھتا۔ دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اُس بُت پر جان قربان
کرنی تو عین ایمان ہے پھر اس سے جان کیونکہ عزیز رکھی جاسکتی ہے (از یادگار غالب)
۲۔ اگرچہ تیرے تیر کا پیکان میرے دل سے نکل گیا ہے لیکن چونکہ مجھے عزیز ہے اُس کا
خیال اب تک دل سے نہیں نکلا اور اُس کی محبت میرے دل میں موجود ہے +
۳۔ کسی سخت واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں اے غالب آخر صبر ہی کرنا ہو گا
کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور جان عزیز ہے۔ یعنی جان کا دے دینا آسان نہیں ہے +

(۶۷)

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز ۱ میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور آرائشِ خمِ کامل ۲ میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز
لافِ تمکینِ فریبِ سادہ دلی ۳ ہم ہیں اور رازِ سائے سینہ گداز

ہوں گرفتار الفت صیاد ۴ ورنہ باقی ہے طاقت پرواز
 وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے ۵ ناز کھینچوں بجائے حسرت ناز
 نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں ۶ جس سے مڑکاں ہوئی نہ ہو گلابا نہ
 اسے تراغزہ یک قلم انگیز ۷ اسے ترا ظلم سراسر انداز
 تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ۸ ریزشیں سجدہ جہن نیاز
 مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب ہوا ۹ میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا

اسے دریغا وہ رند شاہد باز

۱۔ میری آواز نہ نکل نغمہ ہے نہ پر سادہ ساز۔ بلکہ میرے درد کا اظہار ہے۔ مطلب یہ کہ
 میرے کلام میں محض اظہار جذبات دلی کیا گیا ہے۔ کوئی نغمہ یا ساز نہیں ہے۔
 ۲۔ تو تو ہر وقت آرائش خیم کمال میں مصروف رہتا ہے۔ اور میں اندیشہ ہائے
 دور و دراز میں غم رہتا ہوں۔ مثلاً یہ کہ اب تک تو میں اپنے دل کو خم کمال میں گرفتار
 ہونے سے بچاتا رہا۔ اگر آرائش کا یہی حال رہا تو میں کب تک دل کو بچاتا رہوں گا آخر
 ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

۳۔ یہ ہماری سادہ دلی کی دلالت ہے کہ ہم صبر و تمکین کا دعوے کر رہے ہیں کیونکہ
 ہمارے دل میں سیکڑوں راز ہائے سینہ گداز موجود ہیں۔ یعنی ہم کب تک راز ہائے سینہ گداز
 کو سینے میں رکھ سکتے ہیں آخر غنائ صبر اتمہ سے چھوٹے گی اور ہم راز ہائے عشق کا انکشاف
 کرنے پر مجبور ہوں گے۔

۴۔ صیاد کی محبت میں گرفتار ہوں ورنہ کیا مجھے قوت پرواز نہیں مطلب کہ انسان
 کو تشکر کرے تو خواہشات نفسانی کو ترک کر سکتا ہے۔

۵۔ خدا کرے وہ دن جلد آئے کہ اُس ستمگر سے بجائے حسرت ناز کھینچنے کے ناز

کھینچوں مطلب یہ کہ وصل حاصل ہو۔ ناز بمعنی خوشی استعمال کیا گیا ہے +
 ۶۔ میرے دل میں کوئی قطرہ خوں باقی نہیں رہا جس سے پلکوں نے گلابازی نہ کی ہو۔
 یعنی میری پلکوں نے دل کے ہر ایک قطرہ خوں کو آنسوؤں کی صورت میں بہا دیا +
 آنسو کو گل سے تشبیہ دی گئی ہے +

۷۔ تیرا غمہ سرسرازا اور تیرا ظلم سرسرازا ہے +
 ۸۔ تو ظاہر ہوا اور تیرے آتے ہی جبین ناز نے سجدہ کیا۔ یعنی میں نے تجھے سجدہ کیا
 یہ سجدہ تجھے مبارک ہو +

۹۔ غریب نواز کے لئے ایک غریب کو پوچھنا کوئی تعجب کی بات نہیں +
 ۱۰۔ افسوس ہوا افسوس اسد اللہ خاں جو کہ رند شاہ پر باز تھا مر گیا +

روایت (س)

(۶۸)

مزدہ اے ذوق اسیری کہ نظر آتا ہے ۱ دام خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس
 جگر تشد آزار تسلی نہ ہوا ۲ جوئے خون ہم نے بہانی بن ہر خار کے پاس
 مسد گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے ۳ خوب وقت آئے تم اس عاشق بیباک کے پاس
 میں بھی رُک رُک کے نہ مرا جو زباں کے بجائے ۴ دشنہ اک تیرسا ہوتا مرے غمخوار کے پاس
 دہن شیریں جا بیٹھے لیکن اے دل ۵ نہ کھڑے ہو جئے خوابان دل آزار کے پاس
 دیکھ کر تجھ کو چمن بس کہ نمو کرتا ہے ۶ خود بخود پہنچے ہے گل گوشہ دستا کے پاس
 مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے

بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

۱۔ اے ذوق اسیری یہ خوشخبری تجھ کو مبارک ہو کہ مرغ گرفتار کے پاس خالی دام نظر آ رہا

ہے اب اپنا ذوق اسیری پورا کر۔ عتباد جال لگا کر ایک اور دام میں پھنسے ہوئے ہرند سے
کاپنجرہ اُس کے برابر رکھ دیتے ہیں تاکہ ہرند سے کو دیکھ کر دوسرا ہرند آئے اور خالی دام
میں پھنسے +

۳۔ ہمارے تشنہ آزار جگر کی تسلی نہ ہو سکی۔ حالانکہ ہم نے ہر بڑی خار کے پاس خون کی
ایک ندی بہا دی + تشنہ آزار۔ تکلیف کا پیا سا یعنی خواہشمند + مطلب یہ کہ جنونِ عشق
میں ہم نے اس قدر صحرانوردی کی کہ ہر بڑی سرخار کے پاس خون کی بہہ گئی لیکن ہمارے
جگر کو تکلیف سے سیری نہ ہوئی۔ مطلب یہ کہ عاشق کو درد سے لذت حاصل ہوتی ہے +
۴۔ تکرار الفاظ و مضامین مرزا صاحب کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس ضمن میں
شعر پہلے بھی اچکا ہے + خوب وقت سے مراد بُرے وقت ہے۔ طنزاً خوب کہا گیا +
۵۔ یار مجھے زبان سے بُرا بھلا کہے جاتا ہے یعنی مجھ پر اپنی زبان کو استعمال کرتا ہے کاش
یار کی زبان تیز و شنہ نہ ہوتا تاکہ میں گھل گھل کر مرنے کی بجائے تیز و شنے کے ایک ہی وار
سے مر جاتا +

۵۔ اے دل خوبان دل آزار سے راہ درسم رکھنے سے یہ بہتر ہے کہ میں شیر کا لقمہ اجل
بن جاؤں کیونکہ اس طرح مرنے میں تو صرف ایک لمحہ کی تکلیف ہوگی۔ اور معشوقوں سے
دل لگی کرنے میں میں گھل گھل کر جان دوں گا +

۶۔ اے محبوب تجھے دیکھ کر چمن میں قوتِ نامیہ کا اتنا اضافہ ہو جاتا ہے کہ گلِ خوشی کی
وجہ سے تیرے دستار کیے گوشے تک بلند ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ گل بھی تیرے رخسار
کے قریب پہنچنا چاہتا ہے +

۷۔ مقطع صاف ہے۔ غالب کا نری دیوار کے پاس آکر بیٹھنا یاد آتا ہے۔ افسوس
وہ سر بھوڑ کر مر گیا +

رولیف (ش)

(۶۹)

نہ لیدے گر جس جوہر طراوت سبزہ خط سے ۱ لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگار آتش
 فروغِ حُسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق
 نہ نکلے شمع کے پاس سے نکالے گر نہ خار آتش ۲

۱۔ اگر جس جوہر (جوہر آئینہ) تیرے سبزہ خط سے طراوت حاصل نہ کرے۔ تو تیرے روئے
 نگار کا شعلہ خانہ آئینہ میں آگ لگا دے جوہر آئینہ چونکہ سبز رنگ کا ہوتا ہے اس لئے
 اُسے خس سے تشبیہ دی گئی ہے جوہر اور سبزہ خط کی رعایت بھی ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب
 کو خاص الفاظ اور جملات سے خاص الفت ہے اس لئے نگار فرماتے ہیں۔
 ۲۔ فروغِ حُسن یعنی تجلی حُسن سے ہی عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے۔ جیسے کہ آتش یعنی شعلہ
 شمع شمع کے پاؤں سے کاشا (رشتہ شمع) نکال دیتی ہے یعنی اُس کو جلا دیتی ہے مطلب
 یہ کہ آتش حُسن عاشق کو جلا کر مار ڈالتی ہے اور اس طرح اس کی مشکل حل ہو جاتی ہے
 تجلی حُسن کو آتش سے۔ عاشق کو شمع سے اور رشتہ شمع کو خار سے تشبیہ دی گئی ہے۔

رولیف (ع)

(۷۰)

جادۂ رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شعاع ۱ چرخِ واکرنا ہے ماہِ نو سے آغوشِ وداع
 خورِ مخففتِ خورشید + تارِ شعاع وہ سفید لکیرِ خورشیدِ عروب آفتاب کے وقت
 آسمان پر ظاہر ہوتی ہے + ماہِ نو کو آغوش سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک عزیز اور
 نادر تشبیہ ہے + شعر کا مطلب یہ ہے کہ خورشید کے لئے وقتِ شام تارِ شعاع

جادو رہ بنا ہوا ہے۔ یعنی خورشید دنیا سے سفر کر رہا ہے اور آسمان اُسے رخصت کرنے کے لئے ماہِ نو کی آغوش کھولے ہوئے ہے + کتنا وسیع مضمون اور خوشنما منظر و مصرعوں میں سمویا گیا ہے +

(۷۱)

رُخ نگار سے ہے سوزِ جادو دانی شمع ۱ ہوئی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی ۲ یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
کرے ہے صرف بایمانے شعلہ قصہ تمام ۳ بطورِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع
غم اُسکو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ ۴ تے لرزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
ترے خیال سے روحِ اتہناز کرتی ہے ۵ بجلوہِ بیزنی باد و یہ پریشانی شمع
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ ۶ شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانِ شمع
جلے ہے دیکھ کے بالینِ یارِ پچھو ۷ نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع
۱۔ عشق کے رُخِ روشن سے شمع کو سوزِ جادو دانی حاصل ہوا ہے یعنی اُس کے رشک میں جل رہی ہے۔ گویا آتشِ گلِ یعنی آتشِ رخسارِ نگارِ شمع کی زندگانی کے لئے آبِ وفا ہو گئی + رُخ نگار کو آتشِ گل سے تشبیہ کیا گیا ہے +

۲۔ شعرِ شمع کی لو کو زبان تصور کیا کرتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہوا کہ اہلِ زبان کی زبان میں خاموشی کا نام مرگ ہے۔ یہ بات بزم میں شمع کی زبانی معلوم ہوئی یعنی جس طرح شمع اُس وقت خاموش ہو جاتی ہے جب اُس کا وجود نہیں رہتا۔ اسی طرح اہلِ زبان کی زبان بھی اُس وقت ہی بند ہوتی ہے جب اُن کی موت آ جاتی ہے +

۳۔ صرف شعلہ کے اشارے سے یعنی شعلہ کی وجہ سے شمع اپنا قصہ تمام کر لیتی ہے یعنی ازسراپا جل جاتی ہے۔ گویا شمع کی فسانہ خوانی بھی اہلِ فنا کی طریق پر ہے۔ اہلِ فنا سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی ذات کو عشقِ الہی میں فنا کر دیتے ہیں + قصہ تمام اور فسانہ خوانی کی

رعایت ملاحظہ ہو +

۴۔ شعلہ شمع حسرت پروانہ کا غم ہے اور اس لئے اس کی ناتوانی تیرے لرزے سے

ظاہر ہو رہی ہے +

۵۔ اے معشوق تیرے خیال سے روح عاشق میں اہتر از طرب و سرور پیدا ہو جاتا ہے جس طرح شعلہ شمع ہوا کے جلنے سے جنبش میں آ جاتا ہے۔ اسی طرح روح عاشق میں بھی خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے + جلوہ ریزی باد۔ ہوا کا چلنا + پرفشانی شمع۔ شعلہ شمع کا حرکت کرنا +

۶۔ داغ غم عشق کی خوشی کی بہار کا حال نہ پوچھ شیفگی خود گل خزاں دیدہ شمع کی شہید ہے گل شعلہ شمع کی تشہید ہے اور خزانہ اس وجہ سے کہ شمع بجھ چکی ہے۔ شیفگی جس طرح گل خزانہ شمع کی شہید ہے اسی طرح میرے داغ عشق کی شہید ہے +

۷۔ اس شعر میں شمع کے لئے ”جلے“ ہے اور ”داغ“ کی رعایتیں کیا خوب ہیں +

روایف (ف)

(۷۲)

۱۔ ہم رقیب نہیں کرتے وداع ہوش ۱ مجھ پر یاں تلک مجھے اے اختیار حیف
جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
۲ اے ناتمامی نفس شعلہ بار حیف

۱۔ ہم رقیب کے خوف سے ہوش و ہواس پر قابو رکھتے ہیں۔ مبادا راز عشق افشا ہو جائے۔ اے اختیار افسوس کہ ہم اتنے مجبور ہوئے +

۲۔ ناتمامی۔ نقص۔ کمی + فراتے ہیں ہم ایک ہی بار نفس شعلہ بار سے کیوں نہ جل گئے
اے شعلہ برسانے والی آہ کے اثر کی کمی حیف ہے۔ اس بات سے ہمارا دل جلتا ہے

روایت (ک)

۷۳

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلان بے پروا نمک ۱ کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک
گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل ۲ ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک
مجھ کو از زانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو ۳ نالہ ٹیل کا درد اور خندہ گل کا نمک
شورِ جولاں تھا کنارِ بحرِ کس کا کہ آج ۴ گردِ ساحل ہے زخمِ موجِ دریا نمک
داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ وا ۵ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس کا نمک
چھوڑ کر جانا تین مجروح عاشق حیف ہے ۶ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگیں ہیں اعضا نمک
غیر کی منت نہ کھینچوں گا بے توفیر درد ۷ زخم مثل خندہ قاتل ہے سترِ پانمک
یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں

زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چھتا تھا نمک

۱۔ مطلب یہ ہے کہ میں دیوانہ ہوں اور لڑکے مجھے پتھر مارتے ہیں جن کے صدموں
سے میرے جسم پر زخم ہو جاتے ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ پتھر میں نمک کی تاثیر بھی رکھتا
تو مجھے اور بھی مرنے آتا۔ کیونکہ میرے زخموں میں زیادہ تکلیف ہوتی۔ لڑکے بے پروا
ہیں انہیں چاہئے تھا کہ پتھر بھی مارتے اور میرے زخموں پر نمک بھی چھڑکتے۔ کاش
انہیں کوئی بتا دیوے کہ مجھ دیوانے کے زخموں پر نمک بھی چھڑک دیا کریں *
۲۔ ہمارے زخمِ دل کے لئے گردِ راہِ یار ہی سامانِ ناز ہے۔ ورنہ جہاں میں کس قدر
نمک پیدا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ نمک سے اتنا لطف حاصل نہیں ہو سکتا جتنا کہ
گردِ راہِ یار سے *
۳۔ اس شعر میں صنعت لف و نشر مرتب مستعمل ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں مجھ کو نالہ ٹیل کا

۴۔ اس شعر میں صنعت لف و نشر مرتب مستعمل ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں مجھ کو نالہ ٹیل کا

درد اور تجھ کو اسے معشوق خندہ دل کا نمک مہارن رہے۔
۴۔ آج دریا کے کنارے کس کی اسب دوانی کا شور تھا۔ کہ گرد ساحل زخم موج دریا کے لئے
نمک کا کام کرنے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق نے آج دریا کے کنارے گھوڑا دوڑایا لیکن
اُس کے گھوڑے کی جڑلانی سے اتنا شور پیدا ہوا کہ موج دریا بھی اُس پر رشک کرنے لگی
اور ساحل کی گرد اُس کے زخموں میں نمک کا کام کرنے لگی۔ مطلب یہ ہے کہ دریا میں
اتنا جوش خروش نہ تھا۔

۵۔ میرا محبوب میرے زخم جگر کی داد دیتا ہے اور جہاں کہیں نمک دیکھ پاتا ہے مجھے یاد
کرتا ہے کہ اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو وہ میرے زخموں میں نمک بھر دیتا۔
۶۔ اے معشوق ایسے وقت میں میرا تن مجروح چھوڑ کر تیرا جانا بڑا ظلم ہے۔ کیونکہ میرا
دل ابھی اور زخم مانگ رہا ہے اور میرے زخمی اعضا نمک کے خواستگار ہیں۔ مطلب
یہ کہ ابھی میرا دل زخموں سے سیر نہیں ہوا۔ تجھے چاہئے کہ اور زخم لگائے اور میرے زخمی
اعضا میں نمک بھی بھرے تاکہ درد پوری لذت دے۔

۷۔ میں اپنا درد بڑھانے کے لئے غیر کا احسان نہ اٹھاؤں گا اور اُس سے یہ نہ کہوں گا
کہ میرے زخموں پر نمک چھڑک دے۔ کیونکہ میرا زخم تو خندہ قاتل کی طرح ستر پانچ
۸۔ اے غالب تجھے وہ آیام یاد ہیں جب کہ لذت درد کے وجد ذوق میں اگر میرے
زخموں سے نمک گر پڑتا تھا تو میں اُسے ہلکوں سے چُن کر پھر زخموں میں رکھ لیتا تھا۔

(۷۴)

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک ۱۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام ہنگ ۲۔ دیکھیں کیا گزرتے ہیں قطرہ پہ گہر ہونے تک
عاشقی صبر طلب اور تمنا ہے تاب ۳۔ دل کا کیا رنگ کروں خن جگر ہونے تک
یہ تو مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن ۴۔ خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پر تو خور سے ہے شبہم کو فنا کی تعلیم ہر میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک
 ایک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل ہ گری بزم ہے اک رقص شر ہونے تک
 بزم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

۱۔ آہ میں اثر ہونے کے لئے مدت دراز درکار ہے۔ تیری زلف پر اس کا اثر ہونے

تک کون جیتا ہے۔ یعنی ہماری زندگی بہت تھوڑی ہے۔

۲۔ قطرہ کو گوہر ہونے تک بہت سے مصائب جھیلنے ہیں کیونکہ دام ہر موج میں حلقہ صد
 کام ہنگ ہے۔ مطلب یہ کہ اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کے لئے بڑے مصائب برداشت
 کرنا پڑتے ہیں۔ موج کو حلقوں کی مشابہت سے دام سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یادگار
 غالب میں اس شعر کا نہایت مختصر اور جامع مطلب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں انسان کو
 درجہ کمال تک پہنچنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۳۔ عاشقی کے لئے صبر درکار ہے اور تماشائے دلی بیتاب ہے۔ جب تک جگر خون
 ہونے تک دل کو کس طرح صبر دوں۔ یعنی جیج جگر کا خون ہو جائے گا تب عشق اپنا کچھ
 اثر دکھائے گا۔ میں اتنے عرصے تک اپنے دل کو کس طرح بہلاؤں۔

۴۔ یہ تو ہم نے مانا کہ تم ہمارے مرنے کی خبر سنکر ہماری میت پر آنے میں دیر نہ کرے گے
 لیکن ہم جیسے بکیں کے مرنے کی خبر ہی تم تک بہت دیر میں پہنچے گی اور تب تک ہمارا جسم
 قبر میں خاک بھی ہو جائے گا۔

۵۔ شبہم عکس خورشید سے فنا ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ عکس خورشید شبہم کو
 فنا کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر محبوب حقیقی سے خطاب ہے کہ میں تجھ سے ایک نظر عنایت کا منتی
 ہوں جو مجھے فنا کر دے گی۔ جس طرح خورشید کی نظر عنایت شبہم کو فنا کر دیتی ہے۔

۶۔ یہ شعر بے ثباتی ہستی انسان میں کہا گیا ہے۔ اسے غافل زندگی کا زمانہ ایک نظر سے

زیادہ نہیں۔ گرمی بزمِ رقصِ شرر تک رہتی ہے۔ یعنی جس طرح آنکھ کی چنگاری چشمِ زدن میں بجھ جاتی ہے اسی طرح گرمی بزمِ ہستی دم بھر میں سرد ہو جاتی ہے ۹

۷۰۔ اسے اسدِ موت کے سوا غمِ ہستی کا اور کوئی علاج نہیں۔ شمع صبح ہونے تک یعنی تمام ہونے تک جلتی ہی رہتی ہے۔ جب تمام ہو چکتی ہے جب اُس کا جلنا جاتا رہتا ہے ۹

رویف (ک)

(۷۵)

گر تجھ کو ہے یقین اجابتِ دُعا نہ مانگ ۱ یعنی بغیر یکِ دل بے دُعا نہ مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ ۲

۱۔ اگر تجھے اجابتِ دُعا کا یقین ہے تو دُعا نہ مانگ۔ سوائے ایک دل بے دُعا کے اور کچھ نہ مانگ کیونکہ اگر دل بے دُعا مل گیا تو پھر دُعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی ۹
۲۔ اس شعر کے طرزِ بیان میں شوخی کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ فرماتے ہیں اے خدا مجھے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ۔ میرے گناہ لا تعداد ہیں۔ لیکن جب گناہوں کی کثرت تعداد کا خیال آتا ہے تو فوراً ہی مجھے اپنی دل کی حسرتوں کے داغ یاد آجاتے ہیں کیونکہ وہ بھی تعداد میں کسی طرح گناہوں سے کم نہیں۔ زندگی میں میری لا تعداد آرزوؤں کا خون ہو گیا اور مفلوکِ السالی یا بد قسمتی کی وجہ سے پوری نہ ہو سکیں۔ بیشک میں اپنے گناہوں کی بنا پر مرنے کا مستوجب ہوں لیکن مجھے میری حسرتوں کے خُوان کا خون بہا بھی تو ملنا چاہئے ۹

رویف (ل)

(۷۶)

۱۔ ہے کس قدر ہلاک فریب و فاسے گل ۱۔ بیل کے کار و بار پہ میں خندہ ہائے گل
 آزادنی نسیم مبارک کہ ہر طرف ۲۔ ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ دام ہوائے گل
 جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا ۳۔ اسے دائے نالہ لب خویش نوائے گل
 خوش حال اُس حریف سیہ مست کا کہ جو ۴۔ رکھتا ہو مثل سائے گل سر ہائے گل
 ایجاد کرتی ہے اُسے تیرے لئے بہار ۵۔ میرا قیب ہے نفس عطر سائے گل
 شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باد بہار سے ۶۔ مینائے بے شرب دل بے ہوائے گل
 سطوت سے تیرے جلوہ حسن غیور کی ۷۔ خوں ہے مری نگاہ میں رنگ دائے گل
 تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک ۸۔ بے اختیار دوڑے ہے گل در فحائے گل

غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو

جس کا خیال ہے گل جیبِ قبا سے گل

۱۔ بیل اپنی سادگی کی وجہ سے گل کو وفادار سمجھتا ہے: در اس فریب میں ہلاک ہو جاتا ہے
 اور گل بیل کی اس حماقت پر خندہ زن ہے۔ مطلب یہ کہ معشوق ہمیشہ بے وفائی کرتا ہے
 اور عاشق ہمیشہ اپنے معشوق سے امید و فار رکھتا ہے +

۲۔ اس شعر میں خطاب بوسے گل سے ہے جو مخدوف رکھی گئی ہے۔ فرماتے ہیں اے
 بوسے گل تجھ کو آزادنی نسیم مبارک ہو کیونکہ ہوائے گل یعنی محبت گل کے حلقہ دام ٹوٹے
 پڑے ہیں۔ مطلب یہ کہ گل نے محبت کی وجہ سے بوسے گل کو حلقہ دام یعنی برگ ہائے
 گل سے قید کر رکھا تھا۔ اب پھول کھل گیا تو بوسے گل آزاد ہو گئی اس لئے بوسے گل کو
 آزادنی نسیم کی مبارکباد دے رہے ہیں +

۳۔ ہر ایک پھول کے خوشنما رنگ پر فریفتہ ہو گیا۔ لیکن افسوس درحقیقت وہ پھول
 کے لبِ خویش نوا کے نالوں کا رنگ تھا۔ مرزا صاحب پھول کے سرخ رنگ کو اُس کے
 انخویش نالوں کا رنگ سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ناممکنہ دہریں کوئی شاد و خرم نہیں رہ سکتا۔

۴۔ اُس حریف سیمست کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانا جو سایہ گل کی طرح اپنا پاؤں پائے گل یعنی پائے معشوق پر رکھتا ہو +

۵۔ چونکہ بہار پھولوں کو اس لئے پیدا کرتی ہے کہ وہ تیرے گلے کا ہار بنیں اور شب بھر تجھ سے ہم آغوش رہیں اس لئے میرا رقیب خوشبوئے گل ہے +

۶۔ مجھے بے شراب کاشیشہ اور سیرگل کی خواہش نہ رکھنے والا دل باد بہار سے منہ رکھتے ہیں +

۷۔ تیرے حسن غیور کے رعب سے گل کی ادا کا رنگ میری نگاہ میں خون کی مانند نظر آتا ہے۔ تیرا حسن غیر تمندیہ نہیں چاہتا کہ اُس کا عاشق کسی اور چیز کو پسند کرے +

۸۔ یہ شعر عشق حقیقی میں ہے۔ فرماتے ہیں تیرا دیدار دیکھنے کے لئے بے شمار پھول یکے بعد دیگرے دوڑے چلے آ رہے ہیں +

۹۔ اے غالب مجھے اُس سے ہم آغوشی کی آرزو ہے جس کا خیال جیبِ قبا ئے گل کے لئے فخر ہے۔ یہ شعر بھی عشق حقیقی میں ہے +

رولف (۴)

(۷۷)

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس ۱ برق سے کہتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
محفلیں برہم کرے ہے گنجۂ باز خیال ۲ ہیں برق گردانی نیرنگ یک بہت خانہ ہم
باد جوڑ یک جاں ہنگامہ پیدائی نہیں ۳ ہیں چراغانِ شہستانِ دل پروانہ ہم
ضعف ہے فتنہ قناعت یہ ترک جستجو ۴ ہیں دہاں تکیہ گاہِ بہت مردانہ ہم

دائم الحس اس میں ہیں لاکھوں تمناؤں آستہ

جانتے ہیں سینہ پر خون کو زنداں خانہ ہم

۱۔ ہم آزادوں کو ایک لمحہ سے زیادہ غم نہیں رہتا۔ گویا ہم اپنے ماتم جانے کو بجلی سے روشن کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بجلی چمکتی ہے اور فوراً غائب ہو جاتی ہے۔ یہاں غم کو بجلی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۲۔ ہمارے خیال کا نصفہ بازہ محفلیں برہم کرتا ہے یعنی ہمیں برہم شدہ محفلیں کی یاد دلاتا ہے۔ گویا ہم نیرنگ بٹخانہ کے ورق الٹنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے سامنے ہزاروں محفلیں برہم ہو چکیں جن کی یاد ہمارے دل میں آتی ہے۔ گویا ہم نیرنگ بٹخانہ کی تصاویر پر کے ورق الٹنے والے ہیں۔ بٹ خانہ سے مراد نقاش خانہ۔ ورق کڑائی۔ ورق الٹنے والے۔

۳۔ باوجود کثرتِ جوش ہنگامہ ظہور نہیں۔ ہم شبستانِ دل پروانہ کے چراغاں ہیں یعنی چراغاں شبستانِ دل پروانہ کی مانند باوجود اس افراطِ جوش ہنگامہ کے ہماری ہستی کا کچھ پتہ نہیں۔ اس شعر میں دل کو پروانہ تصور کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جس شمع کے عشق نے دل پروانہ میں متور ہو کر شور و ہنگامہ پیدا کر رکھا ہے۔ اس کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ سی طرح باوجود شور و ہنگامہ ہماری ہستی کا بھی پتہ نہیں ملتا۔ مطلب یہ کہ نہ ہماری ہستی کا پتہ ملتا ہے نہ خدا کی ہستی کا پس ہستی صرف ایک ہی ہے اور وہ خدا کی ہستی ہے۔ انسان کو چراغاں شبستانِ دل پروانہ تصور کیا گیا ہے۔ دل پروانہ ہے شمع معشوق حقیقی کا۔

۴۔ ہمارا ترکِ جستو ہماری کمزوری کی وجہ سے ہے نہ کہ ہماری قناعت کی وجہ سے یعنی ہم نے جستوئے محبوب حقیقی کمزوری کی وجہ سے چھوڑ دی ہے اور ہم ہمتِ مردانہ کی تکیہ باز کے وہاں بنے ہوئے ہیں یعنی مردوں کی طرح ہم نے ہمتِ مردانہ پر تکیہ تو کیا تھا لیکن کچھ کر نہ سکے بلکہ تکیہ باز کے لئے بوجھ ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہماری کمزوری ہے کہ ہم نے ترکِ جستوئے محبوب حقیقی کر دیا ہے۔

۵۔ مقلع صاف ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے سینے میں لاکھوں حسرتوں کا غول ہوتا

ہے جن کے نکلنے کی کوئی امید نہیں +

(۷۸)

بہ نالہ حاصل دل بستگی فراہم کر

متار خانہ زنجیر جز صد معلوم

دل بستگی یعنی تعلق کا نالہ حاصل کر۔ خانہ زنجیر کی دولت شور زنجیر کے سوا اور کچھ نہیں
مطلب یہ ہے کہ جس طرح خانہ زنجیر میں شور و صدا سنے زنجیر کے سوا اور کوئی دولت
نہیں اسی طرح دل بستگی یعنی عشق میں نالے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا یعنی عاشق
کے لئے نالہ کشی ضروری ہے تاکہ معشوق سے خاطر تعلق رہے + دل بستگی کو زنجیر سے
تشبیہ دی گئی ہے +

(۷۹)

بچھ کو دیدارِ غیر میں مارا وطن سے زور + رکھ لی مر سے خدا نے میری بیکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلف کیس میں ہیں بسے خدا

رکھ بچھ میرے دعوے دار سنگی کی شرم

۱۔ پردیس میں مرنا جو ہر شخص کو ناگوار ہوتا ہے اس پر خدا کا شکر اس لئے کرتا ہے کہ اگر
وہاں بے گور و کفن پڑے رہے تو کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ کوئی شخص نہیں جانتا
کہ یہ کون ہے لیکن وطن میں جہاں ایک زمانہ واقف حال ہو مگر جریدار کوئی نہ ہو وہاں مرے
کی اس طرح مٹی خراب ہونی سخت رسوائی کی بات تھی۔ پس خدا کا شکر ہے کہ اُس نے پردیس
میں مار کر میری بیکسی کی شرم رکھ لی اس میں بظاہر خدا کا شکر ہے مگر فی الحقیقت سرِ سر
اہل وطن کی شکایت ہے (از یادگار غالب) +

۲۔ معشوق کے حلقہ ہائے زلف گھات لگائے بیٹھے ہیں اسے خدا میرے دعوے

دارستگی کی شرم رکھ لیجو یعنی میرے اس دعوے کی کہ میں آزاد ہوں شرم رکھ لیجو اور معشوق کے
پھندے سے بچاؤ *

رولیت (ن)

(۸۰)

یوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش دے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں
مرزا صاحب کو نیند نہیں آتی - فرماتے ہیں اپنے بخت خفتہ سے ایک میٹھی نیند قرض تو
لے لوں لیکن یہ خوف ہے کہ اُس کی ادائیگی کس طرح ہوگی کیونکہ میرے پاس تو نیند ہے ہی
نہیں * اے مضامین کا شکار مرزا صاحب کا پیکان خیال ہی کر سکتا ہے - بخت خفتہ
سے نیند قرض لینے کا خیال کیا اچھتا خیال ہے *

(۸۱)

• وہ فراق اور وہ وصال کہاں ۱ وہ شب روز و ماہ و سال کہاں
فرصت کا رُبارِ شوق کسے ۲ ذوقِ نظارہ جمال کہاں
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا ۳ شورِ سودائے خط و خال کہاں
تھی وہ اک شخص کے تصور سے ۴ اب وہ رعنائی خیال کہاں
ایسا آسان نہیں لہو رونا ۵ دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں
ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق ۶ واں جو جائیں گہ میں ٹال کہاں
فکرِ دنیا میں سر کھیلتا ہوں ۷ میں کہاں اور یہ وبال کہاں
مضمحل ہو گئے قوے غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

۱۔ فرماتے ہیں نہ وہ فراق کی راتیں نہ دو سال کے مزے۔ اب وہ زمانہ عشق ہی جاتا رہا

۲۔ اب عشق کے کاروبار کی فرصت کسے۔ اور جہاں کے نظارہ کا شوق کہاں۔

پہنے مصرع میں ذوق بمعنی عشق ہے +

۳۔ دل سے عشق ہی نہیں جاتا رہا بلکہ دماغ سے سودائے خط و خال معشوق بھی محو

ہو گیا +

۴۔ یہ ساری چیزیں معشوق کے تصور سے نہیں اب خیال میں وہ رنگینی ہی نہیں

۵۔ آنسو بہانا آسان کام نہیں۔ اب نہ دل میں طاقت نہ باری میں +

۶۔ ہم سے عشق کا جواخانہ چھوٹ گیا۔ وہاں جا کر کیا آئیے جب پیسہ پاس نہیں +

۷۔ میں تو عشق کا زندہ تھا اب فکر دنیا کرنا پڑتا ہے۔ میں کہاں اور یہ وہاں دنیا کہاں +

۸۔ جب عناصر ہیں اعتدال نہیں رہتا تو فوسے مضحکہ ہوتا جاتے ہیں اس لئے فرماتے

ہیں زمانہ شباب جاتا رہا یعنی آگئی۔ عناصر میں اعتدال نہیں رہا +

۷۰۹۵۱ (۸۲)

سکی وقاہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں ۱ ہوتی آئی ہے کہ اچھٹوں کو بُرا کہتے ہیں ۱

۲۔ آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے ۲ کہتے جلتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

۳۔ سارے وقتوں کے میں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو ۳ جوئے و غم سے کو اندوہ رہا کہتے ہیں

۴۔ حال میں چائے سے ہوتی ہے جو فرصت عش سے ۴ اور پھر کون سے نالہ اور سا کہتے ہیں

۵۔ بے پیرے سرحد اور اک سے اپنا مسجود ۵ قبلہ کو اپنی نشہ سر قبلہ نما کہتے ہیں

۶۔ پائے انگار پہ جب تجھے رحم آیا ہے ۶ خار رہ کو تر سے ہم مہر گیا کہتے ہیں

۷۔ اک شر دل میں اُس سے کوئی گھبرا گیا کیا ۷ آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

۸۔ دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ ۸ اُس کی ہر بات پہ نام خدا کہتے ہیں

۹۔ وحشت و شیفۃ اب مرثیہ کہیں شاید ۹ مرگیا غالب اُشفۃ نوا کہتے ہیں

۱۔ معشوق نے ہم سے وفاداری کی تو رقیب حسد سے اس کو جفا بتلاتے ہیں یہ تو قاعدہ دینا ہے کہ دشمن اچھوٹ کو برا کہا کرتے ہیں ۔

۲۔ آج ہم اُن سے اپنی پریشانی خاطر کا حال کہنے تو جاتے ہیں لیکن ہم ایسے پریشان خاطر ہیں کہ ہمارے ہوش و حواس بھی بجا نہیں نہ معلوم ہم اُن سے کیا کہہ دیں ۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ دیکھئے وہ ہمیں کیا جواب دیں ۔

۳۔ فرماتے ہیں گزشتہ زمانے کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مے و نغمہ غم کے دور کرنے والے ہیں ۔ مگر ہمارے تجربے میں تو یہ بات ثابت نہیں ہوئی ۔ ہمارا غم تو اور بڑھ جاتا ہے ۔

۴۔ جب کبھی مجھے غش سے افاقہ ہوتا ہے فوراً تصویر یا میر سے دل میں آجاتی ہے اس سے زیادہ نامے میں اور کیا رسائی ہو سکتی ہے ۔

۵۔ بعض لوگ مرزا صاحب کو دہریہ اور لامذہب خیال کرتے ہیں یہ اُن کی خام خیالی ہے ۔ مرزا صاحب کے بہت سے اشعار اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اُن کے عقائد ایک پختہ مسلمان کے عقائد جیسے تھے اگرچہ عمل میں خامیاں تھیں ۔ اس شعر میں فرمایا ہے کہ مسلمان کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ اُن کا مسجد و مسجد اور اک و فہم سے بھی دور ہے قبلہ سے تو ایک سمت قائم کرنا منظور ہے ۔ اور وہ قبلہ نہیں بلکہ قبلہ ہے ۔ قبلے کی سمت قائم کر کے ہم خدائے لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں ۔

۶۔ میر گیا ایک بوٹی کا نام ہے ۔ مشہور ہے کہ جو شخص اُسے اپنے پاس رکھتا ہے اس پر لوگ ہیراں ہو جاتے ہیں ۔ شعر کا مطلب واضح ہے ۔ فرماتے ہیں تیرے اُسے میں کاٹا چھنے سے ہمارے پاؤں زخمی ہو گیا تھا جب تک تجھے اُس پر رحم آیا ۔ ہم تیرے خازن کو ہر گیا کہنے لگے کیونکہ تو اُس کی وجہ سے ہم پر ہیراں ہو گیا ۔

۷۔ ہم ہوا اور آگ کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں کیونکہ عشق کو آتش اور ہوا دونوں الفاظ سے

استعارہ کرتے ہیں۔ ہم شرع عشق سے کیا گھبراہٹیں گے ؟

۸۔ دیکھئے اس شمع کی نخت کیا رنگ لاتی ہے۔ کچھ تو وہ مغرور تھا ہی کچھ اُس کی تعریف میں ہمارے ایسے جملوں سے جن میں نام خدا شامل ہوتا ہے مثلاً سبحان اللہ ما شأ اللہ وہ اور بھی مغرور ہوتا جا رہا ہے۔ کہیں یہ نوبت نہ آجائے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے

۹۔ نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ اور غلام علی خاں صاحب وحشت شائد اُس کا مرثیہ لکھیں سُنئے ہیں کہ غالب آشفقۃ نوامر کیا۔ شیفتہ و وحشت مومن صاحب کے شاگرد تھے لیکن مرزا صاحب کی بھی بڑی عزت کرتے تھے اور مومن کی وفات کے بعد مرزا صاحب سے ہی اصلاح لیتے تھے

(۸۳)

۱۔ آبرو کیا خاک اُس گل کی کہ گلشن میں نہیں ۱ ہے گریباں تنگ پیراہن جو دامن میں نہیں
 ۲۔ ضعف اے گرہ کچھ باقی مے تن میں نہیں ۲ نگ ہو کر اُڑ گیا جو خون کہ دامن میں نہیں
 ۳۔ ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب ۳ ذرے اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
 ۴۔ کیا کہوں تیری زندگی زندانِ غم اندھیر ہے ۴ پنبہ نورِ صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں
 ۵۔ رونق ہستی ہے عشق خانہ دیل ساز ہے ۵ انجمن بے شمع ہے کہ برقِ خرمن میں نہیں
 ۶۔ زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جونی کا ہے طعن ۶ غییر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں
 ۷۔ بسکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے ۷ جلوہ گل کے سوا اگر اپنے بدن میں نہیں
 ۸۔ قطرہ قطرہ اک بیوی ہے نئے ناسور کا ۸ خون بھی ذوقِ درد سے فاسخ مے تن میں نہیں
 ۹۔ لے گئی ساتی کی نخت قلمِ آشامی مری ۹ مروج مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں
 ۱۰۔ ہوشیارِ ضعف میں کیا ناتوانی کی نمود ۱۰ قد کے ٹھکنے کی بھی گنجائش مے تن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ غبت میں ہو قدر
 بے تکلف ہوں وہ مُشت جس کہ گلشن میں نہیں

۱۔ اُس پھول کی کیا آبرو جو باغ میں نہ ہو۔ اور وہ گریبان ننگ پیرا ہن ہے جو دامن میں نہ ہو۔ مطلب یہ کہ ہر ایک چیز اپنے مقام پر اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہیں اُس کی آبرو ہے۔ پھول جب باغ سے چلا آیا تو اُس کی کچھ قیمت نہ رہی پیسے میں سینکڑوں پھول پکنے لگے۔ گریبان جب پھٹ کر نپٹے لٹک آیا تو بد نما معلوم ہوا اور ننگ لباس قرار پایا۔ مطلب یہ کہ پتھر اپنے مقام پر ہی بھاری ہوتا ہے +

۲۔ اسے گریہ اب مجھے اس قدر ضعف ہو گیا ہے کہ میرے جسم میں کچھ باقی نہیں رہا۔ سب خون آنسو بن کر دامن میں گر پڑا۔ اور تھوڑی سی مقدار جو باقی رہ گئی تھی وہ رنگ چہرہ بن کر اڑ گیا۔ مطلب یہ کہ میں گریہ سے بہت ضعیف ہو گیا ہوں +

۳۔ آفتاب کی شعاعیں جو اُس کے گھر کی دیواروں کے روزن سے داخل ہوتی ہیں تو ذرات کو روشن کر دیتی ہیں اس لئے فرماتے ہیں کہ یہ ذرے نہیں بلکہ اجڑائے نگاہ آفتاب میں مطلب یہ کہ آفتاب بھی دیدارِ یار سے مسترف ہونا چاہتا ہے۔ اور چہری چھپے روزن سے جمالِ معشوق کا تماشا دیکھ رہا ہے + ذروں کو چمک کی وجہ سے اجڑائے نگاہ آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے +

۴۔ زندانِ غم کی تاریکی کا حال کیا بیان کروں۔ بالکل اندھیرا کُپ رہتا ہے۔ اگر روزن دیوارِ روئی رکھ دی جائے تو اُس کی روشنی نورِ صبح سے کم معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ظاہر ہے کہ بہت زیادہ اندھیرے میں اگر تھوڑی سی روشنی بھی لائی جائے تو وہ بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے + (زندانِ غم سے زندانِ غمِ عشق مراد ہے) +

۵۔ زندگی کی ترقی عشق سے ہے جو خانہ (جسم) کا دیران کرنے والا ہے۔ دوسرا مصرعہ مثال ہے یعنی اگر خرمن کو جلانے والی برق نہیں، جلاتی تو وہ انجمن بے شمع کی مانند ہے مطلب یہ کہ مقصدِ زندگی عشق و محبت ہے اور آتشِ محبت سے جل مرنے کے بعد اپنا اصل ذاتِ خداوند تعالیٰ سے مل سکتا ہے +

۵۔ غیر مجھے میرا زخم سلوانے پر لعلہ زن ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ سوزن سے زخم سلوانے میں بھی بہت تکلیف ہوتی ہے + لذت سے مراد تکلیف ہے +

۶۔ ہم اک بہارِ حسن (معشوق) کے اسے مارے ہوئے ہیں کہ قبر میں بھی ہمارے پیش نظر اُسی گل (معشوق) کا جلوہ ہے۔ گرد و غبار کا کیا کام + لفظ بسکہ نے اس شعر کے معانی کی خوبی کو دوچند کر دیا ہے +

۸۔ میرے خون کا ہر ایک قطرہ ایک نئے اسور کا مادہ ہے۔ یعنی میرا خون بھی ذوقِ درد سے خالی نہیں۔ مطلب یہ کہ میرا ہر ایک قطرہ خون ایک ناسور بن جائیگا اور یہ میرے عشق کے کال ہونے کی دلیل ہے +

۹۔ میری قازمِ آشامی نے ساقی کے غرور کو زہد دیا۔ کسی شیشہ شراب کی گردن میں موج باقی نہیں رہی۔ قاعدہ ہے کہ تھوڑے پانی میں موج نہیں رہتی + قازمِ آشامی۔ دریا کو پی جانا +

۱۰۔ فشار۔ بھینچنا۔ دبانا + فرماتے ہیں کمزوری کے دباؤ میں ناتوانی کا اظہار کس طرح ہو سکتا ہے۔ میرے تن میں قند کے چھلکنے کی بھی گنجائش نہیں۔ یعنی کمزوری نے چاروں طرف سے مجھے ایسا گھیر رکھا ہے کہ اب میرا قند بھی اور زیادہ نہیں چمک سکتا +

۱۱۔ مرزا صاحب اپنے آپ کو گھانس پھونس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں جس طرح گھانس پھونس کی قدر نہ تو بھٹی میں ہوتی ہے جو اسے فوراً جلادیتی ہے اور نہ باہر ہوتی ہے اسی طرح میری قدر نہ تو وطن میں تھی نہ پردیس میں +

(۸۴)

عبد سے مدح ناز کے باہر نہ آ سکا ۱۔ گر اک ادا ہو تو اُسے اپنی فضا کہوں
حلقے ہیں چشمائے کشادہ بسونے دل ۲۔ ہر تارِ زلف کو نگہِ سرور سا کہوں
میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش ۳۔ تو اور ایک وہ نشیدان کہ کیا کہوں

ظالم مرے گماں سے مجھے متغول نہ پاہ
۲ ہے ہے خدا نکر وہ تجھے بے وفا کہوں

۱۔ میں اُس کے ناز و ادا کی تعریف پورے طور پر نہ کر سکا اور نہ کر سکتا ہوں کیونکہ اگر اس میں ایک ادا ہو تو اُسے اپنی قضا سے تشبیہ دے دوں۔ وہ تو سینکڑوں اداؤں کا مالک ہے۔ عہد سے باہر آنا فارسی محاورہ از عہدہ سرورِ آستان سے لیا گیا ہے۔
۲۔ تیری زلفوں کے حلقے دل کی طرف چشم کشا وہ ہیں کہ موقع ملتے ہی گرفتار کر لیں۔ اور تیری زلف کا ہر تار نگہ سُرمدہ سا ہے۔ حلقہ اور چشم کی تشبیہ نہایت موزون ہے۔ سُر سیاہ اسم فاعل ہے۔

۳۔ میرے لئے تو لاکھوں جگر خراش نالے ہیں اور تیرے لئے وہ نہ سننا کہ میں اُس کو بیان ہی نہیں کر سکتا۔ تیرے نہ سننے سے تنگ آ گیا ہوں۔
۴۔ اے ظالم (معتوق) میرے گماں سے مجھے منفعل نہ کرانا۔ کیونکہ میرا گماں تو یہ کہتا ہے کہ تُو بے وفا ہے اور میرا دعوئے ہے کہ تُو وفادار ہے۔ تو بہ تو بہ خدا نہ کرے ایسا نہ کرنا کہ مجھے بھی تم کو بے وفا کہنا پڑے۔

(۸۵)

جہاں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت ۱ میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آجی نہ سکوں
ضعف میں طعنہ اغیار کا شکوہ کیا ہے ۲ بات چہ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں
زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ

۳ کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

۱۔ گیا وقت پھر کبھی واپس نہیں آتا لیکن میں واپس آ سکتا ہوں اگرچہ میں آپ سے رنجیدہ ہوں پھر بھی آپ جس وقت چاہیں مجھے بلا لیں۔ میں تو آپ کی جہاننی کا منظر ہوں۔
۲۔ مجھے طعنہ اغیار کا شکوہ نہیں۔ طعنہ یعنی بات کوئی سر تو نہیں ہے جسے میں نہ عیب

کی وجہ سے نہیں اٹھا سکتا۔ میں طغوں کو برداشت کر سکتا ہوں *
 ۳۷۔ جب کہتے ہیں کہ اُس کو فانی کام کرنے کی قسم ہے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس کو وہ کام کرنے سے انکار ہے۔ پس ناشق معشوق سے ملنے کی قسم کیونکر کھا سکتا ہے کہتا ہے کہ زہر تیرے ملنے کی قسم نہیں کہ کھانا سکوں مگر ملتا نہیں * (یادگار غالب)

(۸۶) ۵۴۱۵

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ سہم پرستی ایک دن ۱ در نہ ہم چھڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن
 غرہٴ اوج بنا شے عالمِ امکاں نہ ہو ۲ اس بلندی کے نصیبوں میں سے پسنی ایک دن
 قرض کی پتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں ۳ رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن
 نغمائے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانیے ۴ بے صدا ہو جائیگا یہ سازِ بہتی ایک دن

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں

ہم ہی کڑیٹھے تھے غالب پیشِ دنی ایک دن

۱۔ شراب نوشی کے وقت کسی دن ہم سے بے لطف ہو جاؤ ورنہ خود ہم کسی دن مستی کا بہانہ کر کے نہیں چھڑیں گے *

۲۔ عالمِ امکاں یعنی دنیا کی ترقی پر مغرور نہ ہو کیونکہ اس بلندی یعنی دنیا کے نصیب میں ایک دن پست ہونا ہے یعنی فنا ہونا ہے *

۳۔ یہ شعر مرزا صاحب کے حسبِ حال ہے۔ وہ مفکرِ کمال ہونے کی وجہ سے قرض کی شراب پیتے تھے *

۴۔ شعر صاف ہے۔ دل سے فرماتے ہیں کہ نغمہ ہائے غم کو بھی غنیمت سمجھ کیونکہ ایک دن زندگی ختم ہونے والی ہے *

۵۔ اس شعر میں زبان اور روزمرہ تو اچھا ہے لیکن مرزا صاحب جیسے بلند پایہ شاعر کیلئے ایسا بزاری مضمون لکھنا زبانِ قضا۔ شراب کے نشے میں کہہ دیا ہوگا *

۱۔ ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں ۱ ایک چھپرے وگرنہ مراد امتحاں نہیں
 ۲۔ کس منہ سے شکر کیجئے اس لطف خاص کا ۲ پریش ہے اور پائے سخن دہیاں نہیں
 ۳۔ ہم کوستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز ۳ نامہاں نہیں ہے اگر ہاں نہیں
 ۴۔ بوسہ نہیں نہ دیکھئے دشنام ہی ہی ۴ آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرواں نہیں
 ۵۔ ہر چند جاں گذارنی قہر و عتاب ہے ۵ ہر چند نشیت گرمی تاب و تواں نہیں
 ۶۔ جاں مطرب ترانہ ہنسی من مزید ہے ۶ لب پردہ سنج زمرہ الاماں نہیں
 ۷۔ ہے تنگ سینہ دل اگر آتشکدہ نہ ہو ۷ ہے عاید دل نفس اگر آذر فشاں نہیں
 ۸۔ خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم ۸ دل میں پھری چھوڑے گر خوشی کاں نہیں
 ۹۔ نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب ۹ سو گز زمیں کے بدے بیاں گراں نہیں
 ۱۰۔ کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سر نوشت میں ۱۰ گویا جیں پہ سجدہ بُت کا نشاں نہیں
 پاتا ہوں اُس سے داد کچھ اپنے کلام کی ۱۱ رُوح القدس اگر چہ مرا ہم زباں نہیں
 جاں ہے ہوائے بوسہ دے کیوں کہے ابھی

۱۲۔ غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

۱۔ ہم پر وہ اس لئے جفا نہیں کرتے کہ ہم تنگ اگر وفا چھوڑ بیٹھیں گے۔ اُن کے لئے تو ہم پر جفا نہیں کرنا ایک چھپر کرنا ہے۔ ہمارا امتحان مقصود نہیں۔ یہ تو ان پر ثابت ہو چکا ہے کہ ہم پر سے وفادار ہیں +

۲۔ میں اُن کے اس لطف خاص کا کس منہ سے شکوہ ادا کروں کہ وہ الفاظ کے بغیر ہی میری پریش کر رہے ہیں۔ لطف خاص سے مراد اشارہ یا نگاہ ہے۔ پریش سے مراد پریش حال ہے +

۳۔ مطلب یہ ہے کہ ہم کوستم عزیز ہے اور چونکہ وہ ہم پرستم کرتا ہے اور ہماری خواہش

پوری کرتا ہے اس لئے وہ ہم کو عزیز رکھتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر مہرباں نہیں تو نا مہرباں بھی نہیں ہے +

۴- اگر بوسہ نہیں دیتے تو نہ دیکھئے۔ دُشنام تو دیکھئے کیونکہ اگر تم دہاں نہیں رکھتے تو زباں تو رکھتے ہو۔ گردہاں نہیں اس لئے کہا گیا کہ معشوق کا دہاں معدوم سمجھا جاتا ہے +
۵- ہر چند اُس کا قبر و عتاب میری جان کو پگھلا رہا ہے اور ہر چند مجھے اُس کے مقابلے کی طاقت نہیں لیکن میری جان مزید قبر و عتاب کی خواہشمند ہے اور میرے لب پناہ نہیں مانگتے +

۶- مطلب یہ ہے کہ اگر تیرا دل (خبر عشق) دو نیم نہیں ہے تو اپنے سینے کو فولادی خنجر سے چیر ڈال کیونکہ وہ میر کا رہے جس میں دل دو نیم نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں اگر تیری مژہ آنسو برسانے والی نہ ہو تو تو اپنے دل میں چھری چھو لے تاکہ تیرہ مژہ آنسو برسانے لگے +
۷- وہ سینہ تنگ ہے جس میں دل آتشکدہ نہ ہو یعنی دل آتش عشق سے نہ سلگ جا ہو۔ اور وہ دل بھی تنگ ہے جس سے آگ برسانے والی آہ نہ نکلتی ہو +

۸- دیوانہ پن میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ یہی ہوتا ہے کہ دیوانہ گھر چھوڑ کر بیاباں میں چلا جاتا ہے اور اُس کا گھر خراب حالت میں ہو جاتا ہے۔ پھر اُسے اس صورت میں کیا نقصان ہے۔ وہ سو گز زمین کا مکان دکھ کر لاکھوں گز کا بیاباں حاصل کر لیتا ہے +
۹- تم مجھ سے یہ کیوں پوچھتے ہو کہ تیری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ کیا میری پیشانی پر سجدہ بُت کا نشان نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ میری قسمت میں بُت پرستی ہے +

۱۰- ظاہر معنی یہ ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان ایک نہیں ہو سکتی اور درپردہ اشارہ ہے کہ عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میری زبان ہے ویسی روح القدس کی نہیں (زیادہ گدرا غالب)

۱۱- میں جانتا ہوں کہ وہ بوسہ کسے بد لے میری جان مانگے گا لیکن ابھی وہ یہ بات کہنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ابھی غالب (عشق سے) نیم جاں نہیں ہوا وہ اس

وقت میرے سوال بوسہ پر یہ بات کہے گا جب دیکھیں گے کہ غالب نیم جان ہو جائے گا اور جان دینے کے قابل نہ رہے گا اور اُس وقت وہ کہہ سکے گا کہ تمہارے پاس تو نیم جان ہے اور میرے بوسے کی قیمت جان ہے (مرزا صاحب بوسے کے شوقین معلوم ہوتے ہیں یہ اُس زمانے کی شاعری کا رنگ ہے۔ ورنہ شہنشاہِ اقلیم سخن کے لئے بوسہ طلبی سنگ ہے) +

(۸۸)

مانعِ دشتِ نوردی کوئی تدبیر نہیں ۱ ایک پتھر ہے مے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوقِ اُس دشت میں دوڑائے ہے جھک کر کہاں ۲ جاوہِ غنیمتِ از نگہ دیدہ تصویر نہیں
حسرتِ لذتِ آزار رہی جاتی ہے ۳ جاوہِ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں
ریخِ نومیدی جاوید گوارا رہیو ۴ خوش ہوں گر نالہ زبونی کشیں تاثیر نہیں
سکھیا نا ہے جہاں زخمِ سراچھا ہو جائے ۵ لذتِ سنگِ باندازہ تقریر نہیں
جب کرمِ خصیتِ بیباکی و گستاخی سے ۶ کوئی تقصیرِ بجز خجلتِ تقصیر نہیں
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناتھ

آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ تدبیر نہیں

۱۔ لوگوں کی کوئی تدبیر مجھے دشتِ نوردی سے نہیں روک سکتی۔ میں اس زنجیر سے کیا
ڑک سکتا ہوں جو میرے پاؤں میں ڈالی گئی ہے۔ بوسے کا ایک پتھر ہے۔ دوسرے معنی یہی
ہیں کہ یہ زنجیر ہی میرے پاؤں کے پتھر کا باعث ہے + عماروں کا اس خوبی سے استعمال مرزا
صاحب ہی کا حق ہے +

۲۔ عشقِ حقیقی مجھے اُس دشت میں دوڑا رہا ہے جہاں نگہِ افت دیدہ تصویر کے سوا اور کوئی
پگ و نڈھی نہیں۔ نگہِ دیدہ تصویر سے مراد معدوم ہے کیونکہ تصویر کی آنکھ میں کوئی نگاہ یا
روشنی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ عشقِ حقیقی میں مجھے ایسا اٹھن راستہ ملے کرنا ہے جہاں پر کوئی
ٹپا بھی نہیں +

۴- میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ لذتِ آزار جی بھر کر حاصل کروں۔ مگر مجبور ہوں کیونکہ جادہ راہِ فنا دمِ شمشیر ہے۔ یعنی شمشیر کی دھار جو ایک دم میں میرا قصہ تمام کر دے گی جادہ راہِ فنا ہے۔ پس افسوس ہے کہ لذتِ آزار کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ جاتی ہے + جادہ یعنی بلیا کو دمِ شمشیر سے تشبیہ دی گئی ہے + (اقتباس انبیاء و کارِ غالب) +

۴- اے سرخ نا اُمیدی جاوید مجھے ہمیشہ گوارا رہو۔ میں اسی حال میں خوش ہوں کہ میرا ناتناشیر کی ذلت پسند نہیں کرتا یعنی تاثیر کا احسان نہیں اٹھاتا +

۵- تاعدہ ہے جب کوئی زخم اچھا ہوتا ہے تو اس میں کھجلی ہونی شروع ہو جاتی ہے لیکن مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میرے سر میں جو کھجلی ہوتی ہے وہ دوبارہ زخمِ سنگ کھانے کے شوق کا اظہار ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ لذتِ سنگ احاطہِ تقریر سے باہر ہے۔ بیان نہیں ہو سکتا +

۶- جب کرم یارِ رخصت گستاخی دے تو اس وقت ارتکابِ خطا سے رکنے کے سوا اور کوئی خطا نہیں۔ یعنی موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے +

6- مقطع صاف ہے (دوسرا مصرعہ ناسخ کا ہے) +

(۱۸۹)

متِ مردِ مکب دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
ہیں جمعِ سویدائے دلِ چشم میں آہیں
آنکھ کی پتلی میں یہ نگاہیں نہیں ہیں۔ بلکہ سویدائے دلِ چشم میں آہیں جمع ہیں +
سویدا۔ ایک سیاہ نشان جو دل پر ہوتا ہے + مردِ مکب چشم کو سویدائے دلِ چشم سے تشبیہ دی گئی ہے +

(۹۰)

بزرگالِ گریہ عاشق ہے دیکھا چاہئے | کھل گئی مانندِ گلِ سوجا سے دیوارِ چمن

الفت گل سے غلط ہے دعویٰ وارستگی

نُرد ہے بادِ صفت آزادی گرفتارِ چمن

۱۔ ویدہ عاشق کی ہوسات ہے یعنی عاشق گریہ کر رہا ہے۔ اور اس کے گریہ سے دیوارِ چمن پھول کی طرح سو جگہ سے کھل گئی ہے۔ دیکھئے کثرتِ گل کس حد تک پہنچتی ہے کیونکہ عاشق کا گریہ ہے + دیوار کا کھلنا محاورہ ہے +

۲۔ گل سے مراد ہے محبوب + فرماتے ہیں دنیا میں کوئی شخص اور کوئی شے محبوب سے آزادی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ نرد بھی باوجود آزاد ہونے کے گرفتارِ چمن ہے +

(۹۱)

عشق تاثیر سے نومید نہیں جاں سپاری شجر بید نہیں
سلطنت دست بدست آتی ہے جامِ نئے خاتمِ جمشید نہیں
ہے تجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پروا خورشید نہیں
رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے در نہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے غمِ محرومی جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امتیہ پہ لوگ

ہم کو جینے کی بھی امتیہ نہیں

۱۔ شجر بید ایک شجر ہے جس میں پھل نہیں آتا۔ مطلب یہ ہے کہ عشق صادق ضرور اپنا اثر رکھتا ہے۔ جاں سپاری بید کا شجر نہیں کہ پھل نہ دے +

۲۔ سلطنت ایک سے دوسرے کے پاس آتی ہے اور یونہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سلسلہ بسلسلہ جمشید کا جامِ نئے رندوں کے پاس پہنچ گیا۔ جامِ نئے کوئی خاتمِ جمشید نہ تھا کہ جمشید کے لئے ہی مخصوص رہتا +

۳۔ مطلب یہ ہے کہ موجوداتِ عالم کی ہر ایک چیز سے تیری تجلی ظاہر ہو رہی ہے

جس طرح ہر ایک ذرہ میں خورشید کا پرتو موجود ہے +

۴۔ بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں خواہ پوشیدہ مصلحت ہو اور خواہ پوشیدہ قباحت ہو۔ یہاں پوشیدہ قباحت مراد ہے۔ اگر مر جانے کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہوتا تو بھید کے معنی مصلحت ہوتے (از یاد گار غالب) +

۵۔ ہمیں عیش و عشرت نہیں چاہئے کیونکہ اس میں انقلاب کا اندیشہ ہے۔ ہمیں جاوید کا غم نہیں کیونکہ یہ انقلاب پذیر نہیں +

۶۔ لوگ کہتے ہیں کہ امید کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ ہمیں دنیا میں کوئی بھی امید نہیں ہے حتیٰ کہ جینے کی بھی امید نہیں پس زندگی سے ناامیدی لازمی ہو گئی +

(۹۲)

جہاں تیر نقش قدم دیکھتے ہیں ۱ خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل اشغلاں خال گنج دہن کے ۲ سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت اک قد آدم ۳ قیامت کے نقش کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محو آئینہ داری ۴ تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سُرخِ لعلِ نالہ لے داغِ دل سے ۵ کہ شبِ رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشا ئے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

۱۔ جس جگہ ہم تیر نقش قدم دیکھتے ہیں۔ ہم کثرت سے بہشت دیکھتے ہیں یعنی بہت سے باغ ہمارے بہشت ہمارے سامنے آ جاتے ہیں +

۲۔ خال گنج دہن کے عاشق اپنے سویدا ئے دل میں سیر عدم دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دہن یار کے عاشق اپنے دل میں معشوق کے تصور سے عدم یعنی دہن یار دیکھتے ہیں۔ دہن معشوق کو عدم سے تشبیہ دی جاتی ہے +

۴۷۔ اس شعر کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ تیرے سر و قامت سے فتنہ قیامت کتر ہے اور دوسرے یہ کہ تیرا قامت فتنہ قیامت میں سے بنایا گیا ہے اسی لئے وہ ایک قیام کم ہو گیا (از یاد گار غالب) قامت اور قیامت میں صنعتِ تجنیس ملاحظہ ہو +

۴۸۔ اسے آئینہ دیکھنے میں محو ہونے والے معشوق ذرا یہ تماشا تو دیکھ کہ ہم تجھے کس تماشے دیکھ رہے ہیں + مرزا صاحب فارسی تماشہ کن کا ترجمہ لفظی فرماتے ہیں تماشہ کن

۵۔ شبِ رو۔ رات کو چلنے والا۔ مطلب یہ ہے کہ ناسے کی گرمی کا پتہ داغِ دل سے لے کیونکہ نات کو چلنے والوں کا نقش قدم دیکھتے ہیں + نالہ کو شبِ رو سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کیونکہ عاشق مزاج عام طور پر شب کو نالہ و فریاد کرتے ہیں +

۶۔ اسے غالب ہمارا مقصد بھیک مانگنا نہیں بلکہ ہم تو فیقروں کے بھیس میں اہلِ کرم کا تماشا دیکھنے میں یعنی اُن کا امتحان لیتے ہیں کہ کون خلوص کے ساتھ بخشش دیتا ہے اور کون دکھلاوٹ کے لئے دیتا ہے۔

(۹۳)

مٹی ہے خوئے یار سے نار التہاب میں ۱ کافر ہوں گرنہ مٹی ہو راحتِ قذاب میں
کب سے ہوں کیا بتاؤں جہاں خراب میں ۲ فبھائے ہجر کو بھی رکھوں گرجاب میں
۳ پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر ۴ آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں
۵ قاعدہ کے آتے آتے خط اک اور لکھ کھوں ۶ میں جانا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
۷ مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دیرِ جام ۸ ساقی نے کچھ بلانہ دیا ہو شراب میں
جو منکر وفا ہو فریب اس پہ کیا چلے ۹ کیوں بلایا ہوں دوست دشمن کے باب میں
میں مضطرب و صل میں خوفِ رقیب ہے ۱۰ ڈالا ہے مکہ و ہم نے کس بیچ و تاب میں
میں اور خط و صل خدا ساز بات ہے ۱۱ جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ۱۲ ہیرا ک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

لاکھوں لگاؤ ایک چُرا نا نگاہ کا ۱۰ لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
وہ نالہ دل میں خس کے برابر جگہ نہ پائے ۱۱ جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے ۱۲ جس سحر سے سفینہ رواں ہو شراب میں
غالب چھٹی شراب پر اب بھی کبھی کبھی

پتیا ہوں روزِ ابر و شبِ ماہتاب میں ۱۳

۱۔ آگ گرمی مزاج میں میرے یار سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے مجھے عذابِ نارِ راحت
بخش ہے اگر میں غلط کہتا ہوں تو مجھے کافر سمجھو +

۲۔ فرمایا ہے کہ اگر میں شب ہائے ہجر کو بھی حساب میں رکھوں تو میں اپنی عمر کا اندازہ ہی
نہیں لگا سکتا کیونکہ ایک ایک رات ہزار ہزار برس کی ہوتی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
اس لئے میں بتا ہی نہیں سکتا کہ دنیا میں کب سے ہوں +

۳۔ میرے خواب میں اگر پھر آنے کا وعدہ کر گئے تاکہ مجھے آئندہ عمر بھر نیند ہی نہ آ سکے +
۴۔ بطور طنز کہا گیا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے یعنی وہ کچھ
نہ لکھیں گے اس لئے قاصد کے آنے سے پہلے ایک اور خط لکھ رکھوں (از یاد گار غالب)
غالب

۵۔ پہلے مصرعہ کے بعد اتنا جملہ محذوف ہے (پھر آج جو خلافِ عادت جام کی نوبت
مجھ تک پہنچی ہے) اس حذف نے شعر کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ ایسا حذف جس پر قرینہ
دلالت کرتا ہو اور جو الفاظ حذف کئے گئے ہوں وہ بغیر ذکر کے دونوں مصرعوں میں بول ہے
ہوں محسناتِ شعر میں شمار کیا جاتا ہے (از یاد گار غالب) +

۶۔ میرا دوست تو وفا کا قائل ہی نہیں دشمن اُس کو کیا دھوکا دے سکتا ہے کہ وہ میرے
دوست کا وفادار عاشق ہے۔ پھر میں خواہ مخواہ اپنے دوست سے کیوں بدگماں ہوں +
۷۔ میں وصل میں اس لئے بے چین ہوں کہ میرا رقیب نہ آ جائے۔ لیکن تم کس بدگماںی

سے بیچ دُعا کھا رہے ہو۔ میرا تو سوائے تمہارے اور کوئی محبوب ہی نہیں۔
 ۸۔ رہے قسمت کہ میں اور خط و صل یعنی وہ اور میرے پاس وعدہ وصل کا خط بھیجے چھ سار
 بات ہے یعنی خدا نے میرا کام بنایا ہے مجھے چاہئے تھا کہ میں اس خط پر اپنی جان نثار
 کر دیتا لیکن میں جوشِ مسترت میں بھول گیا۔

۹۔ معشوق کے غضب کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نقاب کے اندر نیوری چھتی
 ہے تو نقاب پر اس کا اثر آتا ہے۔ اور شکن پڑ جاتا ہے۔

۱۰۔ معشوق کی نسبت فرماتے ہیں کہ اُس کے ایک نگاہ کے چرانے میں بھی لاکھوں
 لگاؤ ہیں۔ اور اس کے غصہ میں ایک دفعہ بگڑنے میں بھی لاکھوں بناؤ ہیں۔ قاعدہ
 ہے کہ عاشق کو معشوق کی بُری بات بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اُس کی نگاہ چرانے
 میں لاکھوں لگاؤ ہیں اور اس کے بگڑنے میں لاکھوں بناؤ نظر آتے ہیں۔ شعر فصاحت
 اور بلاغت میں ہمیشہ اور سلاست اور شستگی الفاظ میں نادر۔ اس پر طرہ یہ کہ معنی
 لحاظ سے بالکل فطرتی ہے۔

۱۱۔ اپنی شومے قسمت پر تاسف کرتے ہیں کہ افسوس میرا وہ نالہ جس سے آفتاب میں
 بھی شگاف پڑ جائے اُن کے دل میں تنکے کے برابر بھی ٹھیس نہیں لگتا۔

۱۲۔ میرا سحر یعنی میری جادو بیانی بھی جس کے اثر سے سرب ہیں کشتی رواں ہو جائے میری
 بد قسمتی کی وجہ سے میری مدعا طلبی میں بیکار ثابت ہوئی۔ سرب۔ ریت کا وہ میدان جو
 دور سے پانی معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۔ (مقطع قابل تشریح نہیں)

(۹۴)

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب میں ۱ پیٹھے ظن ہے ساتی کوثر کے باب میں
 ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل بہت تھی پسند ۲ گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

- جاں کیوں لکھنے لگتی ہے تن سے دم سماع ۳ گروہ صداسمانی ہے چنگ ورباب میں
 — رُو میں ہے زخمش عمر کہاں دیکھئے تھمے ۴ نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں
 — اُتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ۵ جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں
 — اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے ۶ حیران ہوں پھر شاہد ہے کس حساب میں
 — ہے مشعل نمودِ صور پر وجودِ بحر ۷ یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں
 شرم اک ادا ہے اپنے ہی سے ہی ۸ ہیں کتنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں
 آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز ۹ پیٹس نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
 ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود ۱۰ ہیں خواب میں ہنوز جاگے ہیں خواب میں
 غالب ندیم دوست سے آتی ہے بڑے دوست

مشغول حق ہوں بندگی بُر تراب میں

۱۔ کل روز قیامت کے لئے آج شراب پینے میں کمی نہ کر۔ یہ خیالی ساقی کو تر حضرت
 علی علیہ السلام کی شان میں سو ظن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ مشہور ہے جو شخص
 دُنیا میں شراب پئے گا اُس کو آخرت میں ساقی کو تر جام شرابِ خلد عطا نہ فرمائیں گے
 اس پر یقین نہ کر کیونکہ ایسا خیال کرنا اُن کی شان میں سو ظن ہے۔ ان کی قیامت سے
 یہ امر بعید ہے کہ وہ ہر ایک کو جام عطا نہ فرمائیں +

۲۔ ہم آج کیوں اتنے ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ کل تک تو تجھے ہماری اتنی خاطر منظور
 تھی کہ فرشتے اگر ہماری شان میں گستاخی کرتے تھے تو ہمیں اُن سے سجدہ کروانا تھا۔

اس واقعہ کا ذکر قرآن پاک کے سپارہ اَلَمْ یَکُنْ یَکُنْ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ
 وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَہ

۳۔ اگر وہ صد یعنی صدائے معشوق حقیقی چنگ ورباب میں سمائی ہوئی ہے تو کانا
 سُنے کے وقت تن سے جاں کیوں لکھنے لگتی ہے۔ مطلب یہ کہ چنگ ورباب میں

اُسی کی آواز ہے اور جان اُس آواز پر فدا ہونے کے لئے نکلنے لگتی ہے + (طرز بیان کیا دل کش ہے) +

۴۔ رخس بھاگا چلا جا رہا ہے۔ دیکھئے کہاں تھمے۔ نہ ہمارے ہاتھ میں اُس کی باگ ہے نہ پاؤں رکاب میں یعنی ہمارے قابو سے بالکل باہر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ عمر کے گھوڑے کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ آگے چلا سکتا ہے + بے قابو گھوڑے سے عمر کی تشبیہ بہترین تشبیہ ہے +

۵۔ غیرے بہاں ماسوا اللہ مراد ہے جو صوفیہ کے نزدیک معدوم ہے کیونکہ وہ وجود واجب کے سوا سب کو معدوم سمجھتے ہیں۔ کہتا ہے جس قدر ماسوا کے وہم سے رات دن پیچ و تاب میں رہتا ہوں۔ اُتنا ہی مجھے اپنی حقیقت یعنی وجود واجب سے بُد ہے (یارِ کارِ غالب) +

۶۔ جب شہود و شاہد و شہود کی اصل ایک ہے تو پھر مشاہدہ کس حساب میں ہے۔ شہود۔ صوفیہ کی اصطلاح میں تمام موجودات عالم اُس کی ذات کا جلوہ دیکھتا ہے۔ شاہد۔ دیکھنے والا + مشہود جو دیکھا جائے + مشاہدہ۔ دیدار + مطلب یہ ہے کہ جب شہود و شاہد و مشہود ایک ہی شے ہیں تو شاہدہ کس کا ہوگا۔ شاہد کون ہوگا اور مشہود کون؟ ۷۔ وحدت وجود اور کثرت موجود کی تشکیل ہے۔ قطرہ و موج و حباب کے بھیج و ناچیز ہونے کو ایک عام محاورہ میں اس طرح ادا کرنا کہ یہاں کیا دھڑا ہے منہاٹے بلاغت ہے۔ (از یادِ کارِ غالب) +

۸۔ شہ بہ خواہ اپنے ہی سے ہوا کہ ادا لے ناز ہے۔ جو اس طرح حجاب میں ہیں اور نازد کھارے ہیں یعنی شرم کر رہے ہیں وہ کہتے بے حجاب ہیں اُن کی بے حجابی اس سے بھی ظاہر ہے کہ عالم موجودات کی ہر شے میں اُن کا ظہور ہے۔ یہ شعر بھی عشق حقیقی میں ہے +

۹۔ یہ شعر بھی تصوف میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہ آرائش جمال سے فاسق نہیں کیونکہ نقاب میں بھی موجودات عالم کا آئینہ پیش نظر ہے اور اس میں اپنا جمال دیکھ رہے ہیں۔ ظاہر کہ موجودات عالم کی ہر شے میں اس کا عکس جھلک رہا ہے *

۱۰۔ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آئے اُس کو شہود کہتے ہیں۔ اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے جو عقل و ادراک و بصیرت و بصیرت سے ورأ الہو ہے۔ کہتا ہے جس کو ہم شہود سمجھے ہوئے ہیں وہ درحقیقت غیب الغیب ہے اور اُس کو غلطی سے شہود سمجھتے ہیں۔ ہماری ایسی مثال ہے جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ میں جاگتا ہوں پس گو وہ اپنے تئیں بیدار سمجھتا ہے مگر فی الحقیقت وہ ابھی خواب میں ہے (یادگار غالب) *

۱۱۔ اے غالب دوست کے دوست سے بڑے دوست آتی ہے۔ بو تراب کی بندگی میں گویا خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ اس شعر میں دوست کے دوست سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جن کا لقب بو تراب بھی تھا۔ اور دوست سے مراد ذات خداوند تعالیٰ ہے * شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی صفات دوست کے دوست میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے جب میں بندگی بو تراب کرتا ہوں تو گویا بندگی خدا کرتا ہوں بندگی سے یہاں مراد عیدیت نہیں ہے بلکہ محبت و اطاعت ہے * بو اور بو تراب میں صنعت تجنیس ملاحظہ ہو *

(۹۵)

حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیوں جگر کو میں ۱۔ مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں ۲۔ ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جادوں کہ صر کو میں
جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار ۳۔ اے کاش جانتا نہ تری رہگذر کو میں
ہے کیا جو کس کے باندھے میری بلا ڈرے ۴۔ کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری کمر کو میں

وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ نام ہے ۵۔ یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں
چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک تیرز و کیساتھ ۶۔ پہچانتا نہیں ہوں ابھی ابھر کو میں
خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار ۷۔ کیا پوچھتا ہوں اس بُت بیدار کو میں
پھر بخودی میں بھول گیا راہ کوئے یار ۸۔ جانا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں
اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا ۹۔ سمجھا ہوں دلپذیر متبارع ہُسن کو میں
غالب خدا کرے کہ سوارِ سمندر ناز

۱۰۔ دیکھوں علی بہادرِ عالی گہر کو میں

۱۔ میرے دل اور جگر دونوں کا خون ہو چکا۔ میں حیران ہوں نہ دل اور جگر دونوں کا ماتم
کس طرح کروں اگر مقدور ہو تو میں ایک فوج گر لازم رکھ کر ساتھ رکھوں تاکہ ہم دونوں
میں سے ایک دل کا ماتم کرتا رہے اور ایک جگر کا ۲۔

۲۔ رشک مجھے اجازت نہیں دیتا کہ کس کے سامنے تیرے گھر کا نام لوں کیونکہ میں کسی
دوسرے کو تیرا نام سنانا نہیں چاہتا۔ پس میں ہر اک سے یہ پوچھتا ہوں جا رہا ہوں کہ مجھے
کہہ کر کو جانا چاہئے۔ لوگ مجھے تیرا عاشق جانتے ہی ہیں وہ مجھے تیرے گھر کا راستہ بتا ہی دیں گے
مرزا صاحب یہ جانا چاہتے ہیں کہ بخودی عشق میں محبوب کے مکان کا راستہ ہم بدل جانا
ہوں ۳۔

۳۔ افسوس کہ مجھے تیری تلاش میں ہزار بار رقیب کے دروازے پر بھی جانا پڑا۔ تلاش
کہ میں تیرے گھر کے راستے سے واقف نہ ہوتا یعنی تیرے عشق میں نہ پھنستا۔ نہ تیرے عشق
میں مُتَبَلّا ہوتا نہ رقیب کے دروازے پر تیرا انتظار کرنا پڑتا ۴۔

۴۔ تم جو مجھے دھمکی دے رہے ہو کہ میں نے تمہیں قتل کرنے کے لئے کمر لیا ہے
سو میں اس دھمکی سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہاری کمر کو جانتا ہوں کہ وہ بہت نازک ہے
اور تم مجھ کو قتل نہ کر سکو گے ۵۔

۵۔ پہلے مصرعہ میں اظہارِ افسوس کیا گیا ہے فرماتے ہیں افسوس جن کے عشق میں میں گھبرا گھبرا کر منسل اور قلاشس ہو بیٹھا وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو بے عزت ہے۔ اگر مجھے یہ خبر ہوتی تو میں اپنے گھر کو نہ لٹاتا۔

۶۔ جانبِ اول اول جس شخص میں کوئی کرشمہ یا وجد و سماع و جوش و خروش دیکھتا ہے تو اُسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اُس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اس کا تعاقب کرتا ہے۔ اور وہ اس تذبذب اور تزلزل کی یہی ہوتی ہے کہ وہ کامیاب کو نہیں پہچان سکتا (ازیادگار غالب)۔

۷۔ مجھے اُس بُت بیدار کر کی خواہش یعنی چاہ ہے اور بیوقوف لوگ سمجھنے لگے کہ میں اُس کا پوچھنے والا ہی ہوں یعنی بُت پرست ہوں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔

۸۔ بخود ہی عشق نے پھر مجھے اپنے آپ سے بچ کر دیا اور ایسا مدہوش بنا دیا کہ کوئے یار کا راستہ بھی مجھے یاد نہ رہا۔ ورنہ ایک دن کوئے یار میں جا کر اپنی خبر لاتا یعنی کوئے یار میں پہنچ کر ہی میں اپنے سے باخبر ہو سکتا ہوں۔

۹۔ چونکہ میں متابع ہنر کو دل پسند سمجھتا ہوں اس لئے قیاس کرتا ہوں کہ اہل دنیا کبھی متابع ہنر پسند ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اہل دنیا کی نظروں میں متابع ہنر کی کوئی وقعت نہیں۔

۱۰۔ اسے غالب خدا کرے میں سوارِ سمنہ ناز علی بہادر عالی گہر کو دیکھوں۔ سوارِ سمنہ ناز۔ عزت کے گھوڑے کا سوار۔

(۹۶)

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں ۱۔ غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں وعدہ سیرِ گلستاں ہے خوشا طایع شوق ۲۔ مُردہ قتلِ مقدّر ہے جو مذکور نہیں شاہدِ مستی مطلق کی کمر ہے عالم ۳۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر میں منظور نہیں

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن ۴ ہم کو تقلید تنگ ظرفی منظور نہیں
 حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت رہی ۵ عشق پر عہدہ کی گول تن رنجور نہیں
 میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں نہیں ۶ کس عہدہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
 ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو ۷ تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں
 صاف دُر دی کش پیمانہ جم ہیں ہم لوگ ۸ وائے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 ہوں ظہوری کے مقابل میں حفا فی غالب

میرے دعوے پہ یہ جیت ہے کہ مشہور نہیں

۱۔ میرے معشوق کو میرا ذکر بُرائی میں بھی منظور نہیں یعنی وہ مجھ سے اتنا ناراض ہے
 کہ میرا ذکر سُنا ہی نہیں چاہتا اور رقیبت چونکہ مجھے بُرا کہنے کا عادی ہے اس لئے
 میرے معشوق اور رقیب کا جھگڑا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی کچھ تعجب نہیں کہ اُن
 کا قطع تعلق ہو جائے اور رقیب کی بنی بنائی بات بگڑ جائے ۲

۳۔ معشوق نے میرے ہمراہ سیر گلستان کا وعدہ کیا ہے ۴ خوشا طالع عشق کیونکہ
 قتل کی خوشخبری اس میں مضمر ہے جس کا ذکر نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے میرے
 ہمراہ سیر گلستان وعدہ فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میرا بخت رسا ہونے لگا
 ہے۔ اور وہ میرے قتل پر بھی رضامند ہو جائیں گے۔ طالع اور مقدر کی لفظی رعایت
 ملاحظہ ہو ۵

۶۔ لوگ کہتے ہیں کہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے یعنی عالم اتنا مہرہم ہے جتنی کہ شاید
 حقیقی کی کمر۔ (معشوق کی کمر کو شعر مہرہم مانتے ہیں) مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم
 اس بات پر بھی رضامند نہیں کہ عالم معشوق حقیقی کی کمر ہے۔ ہم تو اُس کا وجود ہی
 نہیں مانتے۔ محدود ہے۔ عالم کی نسبت یہ کہنا کہ ہے "یہی غلط ہے" ۷
 (اس مبالغہ کو مبالغہ مزدود کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا) ۸

۴۔ ایک جز میں بھی کُل کی صفات ہوتی ہیں اور انسان واجب ہستی کا جز ہے اسلئے ہم بھی منصور کی طرح خدا ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں لیکن ہم منصور جیسے تنگ ظرف نہیں کہ انا الحق انا الحق پکارتے پھرےں ۔

۵۔ اسے ذوق خرابی افسوس کہ ہم میں اب ایسی طاقت نہیں رہی کہ شورشِ عشق کو برداشت کر سکیں ۔ ذوق خرابی سے مراد ذوقِ خرابی عشق ہے ۔

۶۔ شعر صاف ہے لیکن معشوق کا رعونت سے یہ کہنا کہ ہم حور نہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ معشوق حور کو اپنے سے بہت کمتر سمجھتا ہے ۔

۷۔ اگر تو مجھ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ مجھ پر ہربانی کی جائے تو مجھ پر ظلم ہی کر اوچھے جتنا کر۔ لیکن تغافل نہ کر کیونکہ تو مجھ پر ظلم تو کر سکتا ہے میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہرے اور تیرے درمیان کوئی تعلق قائم رہے ۔

۸۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہم جمشید جیسے اعلیٰ مرتبت بادشاہ کی پیروی میں شراب پیتے ہیں اس لئے ہمارے لئے یہ زیبا نہیں کہ شراب انگور کے سوا اور کسی گھٹیا شراب استعمال کریں ۔

۹۔ میں ظہوری کے مقابلے کا شاعر ہوں اور اس کی یہ دلیل ہے کہ وہ مشہور تھا اور میں مشہور نہیں۔ ظہوری اور خفائی میں تضاد معنوی ہے ۔ ظہوری مشہور شاعر گزر رہے نہ نثر ظہوری اُس کی مشہور کتاب ہے ۔

(۹۷)

نالہ جز حسن طلب اسے ستم ایجا دہیں ۱ ہے تقاضائے جفا شکوہ بیداد نہیں
عشق دردورنی عشرت کہ خسر کیا خوب ۲ ہم کو سلیم نگو نامی فساد نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم ۳ دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھریاد نہیں
اہل بنیش کو بے طوفان حوادث مکتب ۴ لطف موج کم از سیلی استاد نہیں

۵۔ واسے محرومی تسلیم و بداحال وفا ۵ جانتا ہے کہ ہیں طاقت فریاد نہیں
 رنگ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے ۶ گر چراغاں سر رہنماد نہیں
 سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں ۷ مردہ اسے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا ۸ دی ہے جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں
 کم نہیں جلوہ گری میں تم سے کوچ سے بہشت ۹ یہی نقشہ ہے لئے اس قدر آباد نہیں
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب

۱۰ تم کو بے مہر یارِ ان وطن یاد نہیں

۱۔ اسے تم ایجاد معشوق میرا ناہ شکوہ بیداد نہیں بلکہ میں تجھ پر تقاضا ہے جفا کرنا
 چاہتا ہوں اور ناہ حسن طلب ہے تقاضا ہے جفا کے لئے تاکہ تو میرے نامے سنگر
 مجھ پر اور زیادہ جفائیں کرے +

۲۔ کہتے ہیں فریاد نے کوہ بیستون اس غرض سے بھی کاٹا تھا کہ شیریں زوجہ خسرو کا
 محل پہاڑ کے پتھروں سے بنایا جائے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خسرو کے محل کے
 لئے مزدوری کرنا ایک عاشق کی شان کے خلاف تھا۔ ہم کو اس کی نیک نامی پسند
 نہیں یعنی ہم اس کو نیک نامی کا مستحق نہیں سمجھتے +

۳۔ ویرانی کے لحاظ سے میر گھر بھی دشت سے کم نہیں لیکن وسعت کے لحاظ سے
 بہت کم ہے۔ اس لئے دشت میں مجھے وہ عیش حاصل ہے کہ گھر یا دہنیں آتا +

۴۔ اہل نظر کے لئے طوفانِ حوادث مکتب ہے۔ موجِ طوفانِ حوادث کا طمانچہ
 استاد کے طمانچے سے کم نہیں۔ مطلب یہ کہ حادثات دنیا سبق آموز ہیں +

۵۔ ہماری محرومی تسلیم و وفا پر افسوس ہے کہ ہمیں داد نہیں دی جاتی بلکہ ہمارا
 محبوب یہ سمجھتا ہے کہ اپنی کمزوری کی وجہ سے فریاد نہیں کر سکتے +

۶۔ گل و لالہ کے رنگ تمکین میں ثبات نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ سر رہنماد

کے چراغ میں یعنی جس طرح چراغ سر پر بند رہا وہ بہت جلد بجھ جاتا ہے اسی طرح گل لالہ بہت جلد پژمردہ ہو جاتے ہیں +

۸۔ گلچیں نے تجھ کو سبد گل کے پیچے بند کیا ہے۔ اسے مرغ تجھ کو یہ مژدہ مبارک ہو کہ باغ میں صیاد نہیں ورنہ قفس میں بند کیا جاتا +

۹۔ اُس کو دم ایجا دی یعنی پیدائش کے وقت دہن کی بجائے لفظ نہیں عطا کیا گیا ہے۔ گویا وہ نہیں جسے نفی کو اثبات میں تبدیل کر دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ شعرا کے قول سے بموجب معشوق دہن نہیں رکھتا۔ لیکن معشوق حسب عادت ہر بار نہیں کہہ کر دہن کے ہونے کا ثبوت دے دیتا ہے۔ اس لئے گویا وہ نفی سے اثبات ظاہر کرتا ہے +

۱۰۔ حُسن کی جلوہ گری میں بہشت بھی تیرے کوچہ سے کم نہیں ہے کیونکہ وہاں بہت سی حویں ہیں وہاں بھی یہی حالت ہے لیکن بہشت اس قدر آباد نہیں تیرے کوچے میں ہجوم عشاق بہت زیادہ ہے۔ اور بہشت میں بہت کم لڑکے جاتے گئے +

۱۱۔ اسے غالب تم کس مُنہ سے پردیس کی شکایت کرتے ہو۔ کیا تم کو اہل وطن کی بے وفائی یاد نہیں +

(۹۸)

دونوں جہاں سے کہ وہ سمجھے یہ خوش ہا ۱ یاں آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں
تھک تھک ہر مقام پہ دو چار رہ گئے ۲ تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل ہزم
ہو غم ہی جاگداز تو غمخوار کیا کریں ۳

۱۔ اپنی فراخ حوصلگی اور اس کے ساتھ شرافت نفس کا اظہار ہے۔ یعنی میں جو دونوں جہاں سے کہ خاموش ہو رہا ہوں اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں ان پر قانع ہو گیا۔ بلکہ

مجھ کو زیادہ مانگنے اور تکرار کرنے سے شرم آئی اس لئے خاموشی اختیار کی (از یادگار غالب)
۲۔ ہر ایک منزل عشق پر دو چار سال تک تھک تھک کر رہ گئے۔ تیرا پتہ نہ ملے تو مجبوراً کیا کریں
یہ شعر بھی عشق حقیقی میں سے +

۳۔ کیا اہل بزم شمع کے خیر خواہ نہیں ہوتے۔ ضرور ہوتے ہیں مگر خیر خواہ کیا کر سکتے ہیں شمع
کو ایسا جانگداز غم ہوتا ہے کہ وہ آخر کار فنا ہی ہو جاتی ہے اور خیر خواہ دیکھتے رہ جاتے ہیں
اسی طرح میرے لہجہ ابھی میرا غم نہیں بٹا سکتے +

(۹۹)

ہو گئی ہے غم کی شیریں بنیانی کار گر
عشق کا اس کو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں
غیر کی شیریں بنیانی کار گر ہو گئی اور معشوق کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ میرا سچا عاشق ہے
بر خلاف اس کے ہم بے زبان ہیں اور سخی نہیں بگھارتے۔ ہماری نسبت معشوق کو عاشق
ہونے کا گمان بھی نہیں +

(۱۰۰)

قیامت کے دن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا ۱۔ تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں
دل نازک پہ اُس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
۲۔ نہ کہ سرد گرم اُس کافر کو الفت آزمائے میں
۱۔ یہ غضب ہے کہ لیلیٰ کا دشت قیس میں (پرسش احوال قیس کے لئے) آنے کا حال اُس کر
وہ تعجب سے پوچھتا ہے کہ کیا زمانے میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ معشوق پرسش احوال عاشق
کے لئے چلا جائے۔ مطلب یہ کہ یہ تو معشوق کی شان کے خلاف ہے +
۲۔ اسے غالب مجھے اُس کے دل نازک پر رحم آتا ہے تو اُس کافر کو مبتلائے عشق ہونے
کی ترغیب دے چونکہ وہ بہت نازک دل ہے وہ صدات عشق پر دلہشت نہ کر سکے گا +

(۱۰۱)

دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا ۱ بارے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی دایاں
ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام ۲ ہر گردوں ہے چراغِ رگزارِ بادیاں
۱۔ چونکہ وہ بھی عاشق بن گئے ہیں اس لئے وہ بھی میری طرح تنہا اور چپ چاپ بیٹھے
رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنی بیکسی کی داد اس دنیا میں ہی پالی اور وہ ہمارے
صبر میں گرفتار ہو گئے ۔

۲۔ سورج کو اس لحاظ سے کہ وہ بھی اجزائے عالم میں سے ہے اور تمام اجزائے عالم
آمادہ زوال و فنا ہیں۔ چراغِ رگزارِ باد سے تشبیہ دی ہے جو بالکل نئی تشبیہ ہے ۔
(از یادگار غالب) ۔

(۱۰۲)

یہ ہم جو بحر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں ۱ کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے ۲ کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو ۳ یہ لوگ کیوں ہرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں
برے جو اہر طرف کلمہ کو کیا دیکھیں
ہم اوجِ طالعِ نعل و گہر کو دیکھتے ہیں

۱۔ ہم جو بحر میں دیوار و در کی طرف دیکھتے ہیں اس کی یہ وجہ ہیں کہ در کی طرف تو ہم
اس وجہ سے دیکھتے ہیں کہ شاید ہمارا قاصد خط کا جواب لے کر آ رہا ہو اور دیوار کی طرف اس
وجہ سے کہ شاید صبا کو چہ یار سے ہمارے لئے کوئی پیغام لائے ۔

۲۔ اپنے گھر میں معشوق کے آنے سے جو تعجب اور حیرت ہوتی ہے دوسرے معر میں
اُس کی کیا عمدہ تصویر کھینچی ہے یعنی کبھی معشوق کو دیکھتا ہے اور کبھی اپنے گھر کو کہ اس گھر
میں ایسا شخص وارد ہوا (از یادگار غالب) ۔

۳۷۔ مجھے اپنے زخم جگر کا فکر نہیں۔ بلکہ مجھے یہ فکر ہے کہ یہ لوگ میرے زخم جگر کو کیوں دیکھتے ہیں کیونکہ زخم جگر بہت گہرا ہے اور کہیں معشوق کے دست و بازو کو نظر نہ لگ جائے +
۳۸۔ ہم اُن جو اس کو نہیں دیکھتے جو تیری کلاہ کے گوشے پر ٹکے ہوئے ہیں بلکہ ہم تو اُن کے نصیبے کی بلندی دیکھ کر اُن پر رشک کر رہے ہیں +

(۱۰۳)

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں ۱۔ شبِ فراق سے روزِ جزا زیاد نہیں کوئی کہے کہ شبِ ماہ میں کیا برائی ہے ۲۔ بلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں جو آؤں سامنے اُن کے تو مرجانہ کہیں ۳۔ جو جاؤں واں سے کہیں تو خیر باد نہیں کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں ۴۔ کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں علاوہ عید کے ملتی ہے اور دن بھی شراب ۵۔ گداٹے کو چہ میخسانہ نامراد نہیں جہاں میں ہر غم و شادی ہم ہیں کیا کام ۶۔ دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں تم اُن کے وعدہ کا ذکر اُن سے کیوں کرو غالب یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

۱۔ یہ نہیں کہ مجھ کو قیامت پر اعتقاد نہ ہو۔ اعتقاد ضرور ہے۔ میں مانتا ہوں کہ قیامت آئے گی۔ لیکن مجھے یہ یقین ہے کہ قیامت شبِ فرقت سے زیادہ لمبی اور تکلیف دہ نہیں ہو سکتی +

۲۔ اگر آج دن میں ابرو باد نہیں رہا تو بلا سے۔ چاندنی رات میں کیا برائی ہے اس کا منظر بھی بڑا لطیف انگیز ہوتا ہے +

۳۔ جب اُن کے پاس جاتا ہوں تو آئیے تشریف لائیے نہیں کہتے اور جب اُن کے پاس سے جاتا ہوں تو خیر باد یعنی خدا حافظ نہیں کہتے یعنی اُن کی نظروں میں میری کوئی توقیر نہیں +
۴۔ میں انہیں کبھی یاد بھی آتا ہوں تو صرف اتنا کہتے ہیں کہ آج محفل سو فی پڑی ہوئی ہے

کچھ فتنہ فساد نہیں۔ گویا وہ مجھے جھگڑا لے جھکتے ہیں +

۵۔ ہمیں عید کے علاوہ اور دنوں میں بھی شراب ملتی ہے۔ گداٹے کو چہ میخانہ نامراد نہیں رہتا ساقی پلا دیتا ہے +

۶۔ دنیا میں غم و شادی ساتھ ساتھ ہوں ہمیں کیا کام۔ مطلب یہ کہ دنیا میں غم کے بعد شادی اور شادی کے بعد غم ہوتا چلا آیا ہے مگر خدا نے ہم کو تو ایسا دل دیا ہے کہ کبھی شادی ہی نہیں ہوتا۔ لہذا ہمارے حصے میں تو غم ہی غم ہے +

۷۔ اے غالب تم اُن سے اُن کے وعدوں کا ذکر ہی نہ کرو کیونکہ یہ تو ایک بیکار بات ہے کہ انہیں ان کے وعدے یاد دلاؤ اور وہ جان بوجھ کر کہہ دیوں کہ ہمیں تو یاد نہیں +

(۱۰۴)

تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ۱ ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ۲ ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
تیری فرصت کے مقابل اے عمر ۳ برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں
قید ہسی سے رہائی معلوم ۴ اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
نشہ رنگ سے ہے واما شد گل ۵ مست کب بند قبا باندھتے ہیں
غلطی ہائے مضامین مست پوچھ ۶ لوگ نالہ کو رسا باندھتے ہیں
اہل تدبیر کی واماندگیاں ۷ آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار ہیں خواباں غالب

ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

۱۔ تیرے گھوڑے کو اپنے شعر میں صبا سے تشبیہ دے کر ہم محض اپنے مضمون

کی ہوا باندھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تیرا تو سن صبا جیسا تیز رفتار نہیں ہے +

ہوا باندھنا۔ حقیقت سے بڑھ کر ظاہر کرنا + شان جلتا تا۔ رعب جمانا +

۳۔ ہماری آہ کا اثر کس نے دیکھا ہے یعنی ہماری آہ میں کوئی اثر نہیں ہم محض اپنی ہوا باندھتے ہیں +

۴۔ اسے اسب و عمر تیری تیزی کے مقابلے میں ہم برق کو پا بہ حنا باندھتے ہیں یعنی بہت سست بتلاتے ہیں + پا بہ حنا۔ ہندی لگائے ہوئے۔ یعنی چلنے کے ناقابل +
۵۔ قید ہستی سے رہائی نہیں ہوتی۔ جیسے کہ اشک کو باوجود اس کے کہ سرو پا نہیں کھتا شعر لوگ اپنے شعر میں بے سرو پا باندھتے ہیں۔ اس شعر میں باندھنا اپنے لفظی اور محاورہ کے دونوں معنی دے رہا ہے +

۶۔ پھول اپنے رنگ کے نشہ میں کھل جاتا ہے۔ مست اپنی قبا کے بند نہیں باندھتے اسی طرح پھول جو کہ مست ہے کھلا ہوا رہتا ہے +

۷۔ مضامین کی غلطیاں مت پوچھ۔ لوگ نالے کو رسا بھی جانتے ہیں اور پھر شعر میں رسا بھی باندھتے ہیں۔ اگر رسا ہوتا تو بندھتا ہی کیوں + دوسری خوبی یہ ہے کہ اگر رسا کو رستہ پڑھا جائے تو یہ مضمون نکل سکتا ہے کہ لوگ نالے یعنی سوت کے دورے کو رستہ (موٹی رستی) باندھتے ہیں + رسا اور رستہ میں صنعت تجنیس ہے +

۸۔ عقلمند لوگوں کی عاجزی یا غلطی دیکھو کہ آبلوں پر حنا باندھتے ہیں جس کے باعث چلنے سے بالکل معذور می ہو جاتی ہے (آبلوں پر حنا باندھنے سے آبلے اچھے ہو جاتے ہیں)۔
۹۔ اے غالب معشوق سادگی میں بھی بہت چالاک ہیں اگرچہ ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں لیکن ان کے پیمان کا کوئی اعتبار نہیں +

(۱۰۵)

زمانہ سخت کم آزار ہے بجان اسد

وگر نہ ہم تو تو قح زیاد رکھتے ہیں

اسد کی جان کی قسم زمانہ بہت کم آزار ہے۔ ہم تو اس سے بہت زیادہ قسم اٹھاتے

کے آرزو مند ہیں *

(۱۰۶)

۱۔ دائم پڑا ہوا تیرے در پر نہیں ہوں میں ۱ خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
۲۔ کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل ۲ انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں
۳۔ یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لئے ۳ لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں
۴۔ حد چاہئے سزا میں غنیمت کے واسطے ۴ آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
۵۔ کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے ۵ لعل و زمرد و زر و گوہر نہیں ہوں میں
۶۔ رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں کیوں دریغ ۶ رتبہ میں جبر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے ۷ کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

غالب و طیفہ حواریہ دو شاہ کو دعا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

۱۔ ایسی زندگی بیکار ہے کہ میں تیرے سنگِ فد کی طرح دائم تیرے در پر بھی پڑا ہوا
نہیں ہوں۔ یعنی تیرا سنگِ در بھی مجھ سے بہتر ہے۔ مجھے تیرے دروازے پہ بھی باریابی
حاصل نہیں *

۲۔ گردشِ مدام سے میرا دل کیوں نہ گھبرا جائے۔ آخر میں انسان ہوں ساغر ہے تو نہیں
ہوں کہ مدام گردش میں رہوں *

۳۔ یارب مجھے زمانہ کیوں مٹاتا ہے۔ میں جہاں کی تختی پر حرفِ مکرر تو نہیں ہوں *

(جو حرفِ سہواً دوبارہ لکھ دیا جائے وہ مٹا دیا جاتا ہے) *

۴۔ میری سزا کے لئے ایک حد مقرر ہوئی چاہئے۔ میں گناہگار ہی ہوں کافر تو نہیں۔
(کافروں کے لئے تو ہمیشہ کا عذابِ دوزخ مقرر ہے)

۵۔ (ق) یہ شعر اور اگلے دو اشعار نعتِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبرِ آخر الزمان میں
ہیں۔ حضور کس واسطے مجھ پر نظرِ التفات نہیں فرماتے۔ میں لعل و زمرد و زر و گوہر تو نہیں

ہوں۔ ان کو تو آپ ہیج سمجھتے تھے

- ۴۔ شبِ معراج حضور نے ہر و ماہ کے اوپر قدم مبارک رکھ کر ان کو قدم بوسی کا شرف بخشا تھا۔ میں ان سے کمتر تو نہیں ہوں کہ مجھے یہ شرف بھی حاصل نہیں ہوتا +
- ۵۔ شبِ معراج آپ نے آسمان کو شرفِ قدم بوسی سے مشرف فرمایا کیا میں آسمان کے برابر نہیں ہوں کہ مجھ کو قدم بوسی سے بھی حضور منع فرماتے ہیں +
- ۶۔ شاہ سے مراد جناب مرزا ظفر بہادر شاہ مرحوم خاندانِ مغلیہ کے آخری بادشاہ ہیں

(۱-۷)

- ۱۔ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں ۱ خاک میں کیا صورتیں ہو گئی کہ پہناں ہو گئیں
- ۲۔ یاد تھیں ہم کو بھی رنگِ رنگتِ م آرائیاں ۲ لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
- ۳۔ تھیں نباتِ النعش گردوں دن کو پردہ میں نہاں ۳ شبِ کُت ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
- ۴۔ قید میں یعقوب نے لگو نہ یوسف کی خبر ۴ لیکن آنکھیں روزِ دن دیوارِ زنداں ہو گئیں
- ۵۔ سب قیہوت ہیں ناخوش پر زبانِ مصر سے ۵ ہے زلیخا خوش کہ مجھ ماہ کنعاں ہو گئیں
- ۶۔ جوئے خوں آنکھوں کے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق ۶ میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
- ۷۔ ان پر یزادوں کے لیں گے خلد میں ہم انتقام ۷ قدرتِ حق سے پی حوریں اگر واں ہو گئیں
- ۸۔ نیند اُسکی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُسکی ہیں ۸ تیری رُفیں جس کے بازو پر پرتیاں ہو گئیں
- ۹۔ میں چمن میں کیا گیا گو بادِ بستاں کھل گیا ۹ بلبلیں سُکر مے نالے غزل خواں ہو گئیں
- ۱۰۔ وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب! کچھ پار ۱۰ جو مری کوتاہی قسمت سے مڑ گاں ہو گئیں
- ۱۱۔ بسکہ روکامیں نے اور سینہ میں بھر میں پہلے پہلے ۱۱ میری آہیں بخیہ چاکِ گریباں ہو گئیں
- ۱۲۔ واں گیا بھی میں تو انکی کالیوں کا کیا جواب ۱۲ یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں
- ۱۳۔ جاں فدا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا ۱۳ سب لکیریں ہاتھ کی گویا رنگِ جاں ہو گئیں
- ۱۴۔ ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ۱۴ ملتیں جب مٹ گئیں حجازے ایماں ہو گئیں

رنج سے خوگر ہوا آسمان تو مٹ جاتا ہے رنج ۱۵ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسمان ہو گئیں

یوں ہی گر و تار کا غالب تو اسے اہل جہاں

۱۶ دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

۱۔ سب تو نہیں مگر تھوڑی سی حسین صورتیں لالہ و گل کی شکل میں ظاہر ہو گئیں۔

خدا جانے کیسی کیسی صورتیں اس خاک میں پنہاں ہو گئیں۔

۲۔ اہل دنیا سے خطاب ہے کہ ہم بھی بڑی بڑی رنگین محفلوں کا حظ اٹھا چکے ہیں

لیکن اب ضعیفی میں سب فراموش ہو گئیں۔ رنگیں مزاجی عہد شباب میں ہی رہتی ہے

۳۔ بنات النعش۔ سات ستاروں کا جھکا۔ ان میں سے چار ستاروں کو جنازہ اور

تین اُس کے اٹھانے والیاں خیال کی جاتی ہیں۔ بنات جمع نبت یعنی لڑکی بہ فراتے

ہیں دن کو تو بنات النعش گردوں پر وہ آسمان میں چھپی ہوئی تھیں۔ رات کو ان کے

جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں۔ لفظ عریاں نے بڑا لطف پیدا کیا ہے۔ نہ صرف

بے نقاب یا بے پردہ ہوئیں بلکہ عریاں ہو گئیں۔

۴۔ یعقوب کی آنکھوں کو روزِ زنداں دیا ہے اس لئے کہ جس طرح

روزِ زنداں ہر وقت یوسف پر کشادہ رہتا تھا۔ اسی طرح یعقوب کی آنکھیں

شبِ روزِ یوسف کی طرف نگراں رہتی تھیں (از یاد کار غالب)۔

۵۔ سب عاشق اپنے رقیبوں سے ناخوش ہو کر آتے ہیں مگر زلیخا اس کے خلاف

اپنے رقیبوں یعنی زناں مصر سے خوش نظر آتی ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف کے حسن

سے ایسی محو ہو گئیں تھیں کہ لیموؤں کو نہ کاٹ سکیں اور اپنی انگلیاں زخمی کر لیں زلیخا

سے خوش ہونے کی یہ وجہ تھی کہ انہوں نے اُس کی اس بات کی تصدیق کی کہ حسنِ یوسف

ایسا دلکش ہے کہ ہر ایک اُس پر فریفتہ ہونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس میں اُس کا

کیا تصور +

۴۔ کیا نیا تخیل ہے۔ فرماتے ہیں شبِ فراق میں میری آنکھوں سے خون کے آنسو بہے
وہ کیونکہ شبِ فراق کی گہری تاریکی میں زیادہ روشنی کی ضرورت ہے اور میں یہ سمجھوں گا
کہ دو شمعیں روشن ہو گئیں۔ دو شمع سے مراد دونوں آنکھیں +

۵۔ اس شعر میں ایک قسم کی تمنا بھی پائی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں اگر ہماری خوش نصیبی
سے قدرتِ حق نے ان معشوقوں کو حویس بنا دیا تو ہم ان سے ان جفاؤں کا جو
انہوں نے ہم پر دُنیا میں کی ہیں خوب بدلہ لیں گے۔ (مرزا صاحب کی شوخ طبعی بھی
اس شعر میں صاف نمایاں ہے۔ گویا انہیں حکم میں جانے کا یقین کامل ہے +

۸۔ لاجواب شعر ہے۔ فرماتے ہیں جس کے بازو پر تیری زلفیں پریشاں ہو گئیں یعنی
جس کو تیرا وصل میسر آ گیا۔ اُس کی نیند اُس کا دماغ اور اس کی راتیں قابلِ رشک ہیں
نیند اس لئے قابلِ رشک ہے کہ شبِ وصال کا خواب راحت ہے شبِ فراق کی
بچینی نہیں۔ دماغ اس لئے کہ بوئے زلف سے معطر ہے اور کامیابی وصل سے مسرور
راتیں اس لئے کہ رات آرام کے لئے ہے جو اُسے میسر ہے۔ علاوہ بریں زلفوں اور
راتوں کی مشابہت بھی ملاحظہ ہو +

۹۔ میرے بارغ میں جانے سے گویا ایک مکتب کھل گیا۔ میرے نالے سُکر بکلیں
بھی غزل خواں ہو گئیں۔ میرے پر درد اشعار کے اثر نے بلبلیوں کو نغمہ سرائی سکھا دی
۱۰۔ نگاہوں کے مڑکال ہونے سے یہ مراد ہے کہ شرم کے سبب اوپر نہیں اٹھتیں
بلکہ پلکوں کی طرح ہر وقت پٹپٹے کو جھکی رہتی ہیں (از یاد گار غالب) +

۱۱۔ میرے سینے میں آہیں بار بار اُبھریں اور میں نے انہیں بار بار روکا اس لئے
میری آہیں بخیہ چاک گر رہیں ہو گئیں اور میرا گریبان چاک نہ رہا +

۱۲۔ اس شعر میں بھی ایک وسیع مضمون کو سمو دیا ہے۔ فرماتے ہیں میں دریا پر

پہنچا تو دربان نے اندر جانے کی اجازت نہ دی اور گالیاں دینے لگا میں اُس کی ہر ایک گالی کے عوض ایک دُعا دیتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ پر مہربان ہوا اور مجھے اندر جانے کی اجازت دی۔ اب میں نے سوچا کہ اگر میں یار کے پاس گیا تو اُن کی گالیوں کا کیا جواب دوں گا۔ تمام دُعائیں تو دربان کی گالیوں کے جواب میں صرف ہو چکیں۔ یار کے واسطے تو دربان سے بہتر دُعائیں ہونی چاہئیں لیکن بہتر دُعائیں بھی میں صرف دربان کر چکا اس شعر میں یار کا گالیاں دینا اس بے تکلفی سے واضح کیا گیا ہے جیسے کہ یار کے لئے گالیاں دینا ایک ضروری بات ہے (افسوس ہے مرزا صاحب جیسے نیک خلق کو بھی بخلق معشوق سے پالا پڑا)

۱۳۔ دلدادہ بادہ کے لئے جام بادہ ہاتھ میں آنا واقعی جانفزا ہے۔ فرماتے ہیں جس کے ہاتھ میں جام آگیا بادہ جانفزا ہے۔ گویا اُس کی ہاتھ کی لکیریں رُک جاتی ہو گئیں +
۱۴۔ تمام ملتوں اور مذہبوں کو منجملہ دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے جن کا ترک کرنا اور مٹانا موحّد کا اصل مذہب ہے اور کہتا ہے کہ یہی ملتیں جب مٹ جاتی ہیں تو اجڑے ایمان بن جاتی ہیں (از یادگار غالب) +

۱۵۔ انسان جب رنج کا خوگر ہو جاتا ہے تو رنج بہت کم محسوس ہوتا ہے۔ مجھ پر اتنی مشکلیں پڑیں کہ آسان ہو گئیں۔ اس شعر میں انسانی فطرت بیان کی گئی ہے۔ واقعی رنج کا خوگر ہونے کے بعد رنج کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ اور مشکلات کی افراط مشکلات کو سہل بنا دیتی ہے +

۱۶۔ اے اہل جہاں تم دیکھنا کہ اگر غالب اسی طرح رفتار ہا تو بستیوں ویران ہو جائیگی (یا تو اس وجہ سے ویران ہو جائیں گی کہ کثرتِ گریہ کا طوفان عمارتوں کو بہا دے جائیگا یا غالب کے رونے سے گھبرا کر لوگ اپنے مکانات چھوڑ کر بھاگ جائیں گے) +

دیوانگی سے دوش پہ زنا رہی نہیں ۱ یعنی ہماری جیب میں اک تار بھی نہیں
 دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے ۲ دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 ملنا اگر ترا نہیں آساں تو سہل ہے ۳ دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں ۴ طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں
 شوریدگی کے ہاتھ سے ہے مڑبالی دوش ۵ صحرا میں اسے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائش عداوت اغیار اک طرف ۶ پاؤں میں ضعف سے ہوس یار بھی نہیں
 ڈرنالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان ۷ آخر تو اے مرغ گرفتار بھی نہیں
 دل میں ہے یار کے ضعف ترکانِ روکشی ۸ حالانکہ طاقت غلش خار بھی نہیں
 اس سادگی پہ کون نہ مچائے اے خدا ۹ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بار بار

دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

۱۔ ہماری دیوانگی سے ہمارے دوش پر زنا رہی نہیں یعنی ہمارے گریبان میں دست
 جنوں نے اک تار بھی نہیں چھوڑا اگر دو چار ہی تار رہ جاتے تو وہی ہمارے لئے زنا کا
 کام دیتے +

۲۔ حسرت دیدار میں ہمارا دل پامال ہو چکا۔ اب ہم نے اندازہ لگایا تو معلوم ہوا
 کہ ان کو یار کا جلوہ نصیب بھی ہے تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں۔ کیونکہ دل کے
 ساتھ قوت برداشت بھی رخصت ہو چکی +

۳۔ ایک حقیقت کے بیان میں ایسے تناسب محاورات کا دستیاب ہونا عجیب
 اتفاق ہے اس مضمون کو چاہو حقیقت کی طرف لے جاؤ اور چاہو مجاز پر محمول کرو دو نو
 صورتوں میں مطلب یہ کہ اگر تیرا ملنا آسان نہ ہوتا یعنی دشوار ہوتا تو کچھ دقت نہ تھی۔
 اس لئے کہ ہم مایوس ہو کر بیٹھ رہتے اور شوق و آزار کی غلش سے چھوٹ جاتے مگر

مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آسان نہیں اسی طرح دشوار بھی نہیں اور اس لئے شوق اور آرزو کی خلش سے کسی طرح نجات نہیں ہوتی (از یادگار غالب) *

۴۔ عشق کے بغیر عمر نہیں کٹ سکتی اور ہم میں لذتِ آزار اٹھانے کی طاقت بھی نہیں مطلب یہ کہ محبت و عشق کے بغیر عمر بسر ہونی مشکل اور ان میں مصائب کا اٹھانا لازمی شے ہے *

۵۔ دستِ جنون کے ہاتھ سے گھر چھوڑ کر صحرا میں آئے۔ مگر جنوں بدستور ہے اور سروبالِ دوش ہو رہا ہے۔ مگر صحرا میں سر بھوڑنے کے لئے بھی دیوار نہیں *

۶۔ گنجائشِ عداوتِ اغیار تو کہاں ہمارے دل میں کمزوری کے باعث اب یار کی خواہش بھی نہیں رہی مطلب یہ کہ مصائبِ عشق نے ہمارے دل کو اتنا کمزور بنا دیا کہ بار کا خیال بھی جا رہا ہے *

۷۔ معشوق سے خطاب ہے کہ میرے نالہ ہائے زار سے ڈر اور خدا کو مان۔ کیا میرے نالے مرغِ گرفتار کے نالوں سے بھی کم اثر رکھتے ہیں *

۸۔ میرے دل کی خواہش تو یہ ہے کہ یار کی صفِ مڑگاں سے مقابلہ کروں مگر طاقتِ خلش یار کی بھی نہیں بے ضعفِ دل بیان کرنا مقصود ہے *

۹۔ مرزا صاحب کا مشہور شعر ہے۔ فرماتے میں معشوق کی اس سادگی پر کون فریفتہ نہ ہو جائے کہ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں مطلب یہ خنجر ابرو اور ہیکان مڑگان سے لڑتے ہیں *

۱۰۔ پہلا مصرعہ صاف ہے دوسرے میں فرماتے ہیں اگر دیوانہ نہیں ہے تو اُسے ہتھار بھی نہیں کہا جاسکتا۔ نیم مجنوں ضرور ہے *

(۱۰۹)

نہیں ہے زخم کوئی بخیمہ کے درخورد کے تن میں ۱ ہوا ہے تارِ اشکِ پاسِ شہدِ چشمِ سوزن میں

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی ۲ کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں
 ودیعت خائبہ ادکاوش طے مڑگاں ہوں ۳ نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں
 بیاں کس سے ہو ظلمت گسری میرے شہستاں کی ۴ شبہ ہو جو رکھڑیں پنبہ دیواروں کے روزن میں
 نکویش مانع بے لطفی شور جنوں آئی ۵ ہوا ہے خندہ احباب تجھے جیب دامن میں
 بھٹے اس مہروش کے جلوہ تماشا کے آگے ۶ پرافشاں جو ہر آئینہ میں مثل ذرہ روزن میں
 نہ جانوں نیکوں یا بدہوں پر صحبت مخالف ۷ جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
 ہزاروں دل سے جو ش جنوں عشق نے مجھ کو ۸ سیہ ہو کہ سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسد زندانی تماشا الفت ہائے خوباں ہوں

۹ خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

۱۔ میرے جسم میں کوئی زخم پنجہ کے قابل نہیں یعنی بہت گہرے ہیں اس لئے چشم سوزن
 میں تاگتا میرا شک یاس بن گیا ہے۔ تارا شک یاس سے تاگے کی تشبیہ بالکل نرالی اور
 نادر ہے +

۲۔ خانہ ویرانی نے ذوق تماشا کو روک دیا ہے یعنی روزن دیوار میں روئی کی مانند
 سیلاب کے کف بھر گئے ہیں۔ یعنی ہم نے چاہا تھا کہ کثرت گریہ سے گھر کو ویراں کر دیں
 لیکن ہمارے گریہ سے جو سیلاب پیدا ہوا تھا اس کے جھاگوں نے روزن ہائے
 دیوار کو جھاگوں سے بھر دیا اور اس لئے ذوق خانہ ویرانی - ذوق تماشا ہو گیا +
 ۳۔ میں بیدا کاوش طے مڑگاں کا امانت خانہ ہوں یعنی میرے جسم کا خون اور گوشت
 پوست سب یا رکی امانت ہے۔ میرے ہر قطرہ خون تن پر معشوق کی ہر لگی ہوئی ہے
 یعنی اسی کی امانت ہے + مطلب یہ کہ میرے جسم کا ہر قطرہ خوں اسی کیلئے ہے +
 ۴۔ میرے گھر کی تاریکی کس سے بیاں ہو سکتی ہے۔ اگر دیواروں کے روزنوں میں
 روئی رکھ دی جائے تو چاند فی رات معلوم ہونے لگتی ہے (گہری تاریکی میں ذرا سی

روشنی بھی بہت تیز معلوم ہوا کرتی ہے) *

۵۔ میرے دوستوں کی طعنہ زنی نے میرے جوش جنوں میں بے ریلی پیدا کر دی یعنی کمی واقع کر دی۔ اور اُن کے ہنسی اڑانے نے میرے دامن و گریباں پر بخیہ کر دیا ہے مطلب یہ کہ میرا جنون کم کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ بعض دفعہ نگوہش اور طعنہ زنی سے اصلاح بھی ہو جاتی ہے *

۶۔ اُس مہروشس یعنی معشوق کی صورت کے جلوے کے سامنے جو ہر آئینہ میں اس طرح پُرافشاں ہو گئے جس طرح آفتاب کی شعاعوں سے روزنوں کے ذرات * پُرافشاں ہونا۔ اڑ جانا *

۷۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ نیک ہوں یا بد۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ مجھے صحبت مخالف نصیب ہوئی ہے۔ یعنی جو لوگ میرے ہمنشیں و احباب میں اُن کی سیرت میری سیرت سے بالکل مخالف ہے۔ اور اسی لئے اگر میں گل بنوں تو ظن میں ہوں اور اگر گھانس پھونس ہوں تو باغ میں ہوں *

۸۔ جوش جنون عشق کی وجہ سے میرا ہر قطرہ خون تن سیاہ ہو کر دل کی مانند ہو گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ میرے جسم میں ہزاروں دل پیدا ہو گئے ہیں *

۹۔ اے اسد میں حسینوں کی محبتوں کی تاثیر کا قیدی ہوں۔ اور ان کی مہربانی کے ہاتھ کا خم میری گردن کا طوق ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ میں حسینوں کی محبت کا قیدی ہوں *

(۱۱۰)

مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں ۱۔ سوائے خونِ جگر سو جگہ میں خاک نہیں
مگر غبارِ ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے ۲۔ وگرنہ تابِ تواں بالِ و پر میں خاک نہیں
یہ کس بہشتِ شمال کی آمد آمد ہے ۳۔ کہ غنیمتِ جلوہ گلِ رنگِ زمینِ خاک نہیں
بھلا اُسے نہ سہی کچھ بھی کو رحم آتا ۴۔ اثرِ مرے نفس ہے اثر میں خاک نہیں

خیال جلوہ گل سے خراب ہیں نئے کش ۵ شراب خانہ کے دیوار و دریں خاک نہیں
ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ ۶ سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں
ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد

کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

۱۔ میری نظریں جہاں کے مزے خاک کے برابر بھی نہیں۔ صرف خونِ جگر پیئے میں مزہ آتا
تھا سوا ب جگر میں خاک بھی نہیں رہا یعنی ایک قطرہ خون باقی نہیں رہا +

۲۔ شاید غبار ہونے پر مجھے ہوا اڑاتی پھرے۔ میرے بال و پر میں تو اب تاب و نواں
بال نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ تاب تو اٹ جاتی رہی ضیعی کا عالم ہے +

۳۔ یہ کس بہشت جیسی صورت والے کی آمد آمد ہے کہ راستے میں سوائے جلوہ گل کے
اور کچھ نہیں۔ خاک مٹی بھی نہیں مطلب یہ چونکہ بہشت میں خاک نہیں ہوتی اور
جلوہ گل ہی ہوتا ہے اس لئے بہشت شمائل کی آمد پر راگزر میں خاک کس طرح ہوتی
ہے + (بڑا لطیف شعر ہے +

۴۔ اگر اُسے میری حالت زار پر رحم نہ آیا تو نہ سہی۔ مجھ ہی کو اپنی حالت پر رحم آنا اور
نالہ کشی سے باز آنا۔ گریات یہ ہے کہ میرے نالوں میں اثر ہی نہیں +

۵۔ نئے کش جلوہ گل یعنی جلوہ ساقی کے خیال سے بدست ہے۔ ورنہ شراب
خانے کے در و دیوار میں کیا رکھا ہے۔ یہ شعر حقیقت اور محازہ دونوں پہلوئے ہوئے
ہے +

۶۔ عشق کی غارتگری نے مجھے ایسا شرمندہ کیا ہے کہ اب میرے گھر میں سوائے
حسرت تعمیر اور کوئی چیز باقی نہیں۔ حسرت تعمیر کا یہ مطلب ہے کہ میرے گھر کو تعمیر کی
ضرورت ہے +

۷۔ اسے اسد ہمارا شعر کہنا اب صرف دل لگی کی غرض سے ہے۔ کیونکہ ہم پر یہ واضح

ہو چکا ہے کہ عرض ہنر میں خاک فائدہ نہیں۔ یعنی جب ہم ایسے اشعار کہتے تھے کہ جن میں ہمارے ہنر کا اظہار ہوتا تھا تو کوئی اُن کی قدر دانی نہ کرتا تھا۔

(۱۱۱)

۱۔ دل ہی تو ہے نہ سنگِ خشت در گہرائی کیوں ۱ روئیں گے ہزار بار کوئی نہیں ستائے کیوں
 ۲۔ در نہیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں ۲ بیٹھے ہیں ہلکے یہ ہم غیر ہمیں اُٹھائے کیوں
 ۳۔ جب وہ جمالِ دلفروز صورتِ ہریمروز ۳ آپ ہی ہو نظارہ سوزِ پردہ میں چھپائے کیوں
 ۴۔ دشتِ غمزہ جانتاں ناوکِ ناز بے پناہ ۴ تیرا ہی گلِ رخِ ہسی سامنے تیرے آئے کیوں
 ۵۔ قیدِ حیاتِ بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں ۵ موت سے پہلے آدمی غم سے بچا پائے کیوں
 ۶۔ حُسن اور اس پر حُسن ظنِ گئی بوالہوس کی شرم ۶ اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آرمائے کیوں
 ۷۔ دامنِ غورِ عز و نازیباں یہ محابِ پاسِ وضع ۷ راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں ہلائے کیوں
 ۸۔ ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی ۸ جس کو ہو دینِ دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

— غالبِ خسرو کے بغیر کون سے کام بند ہیں

۹۔ روئے زار زار کیا کیئے ہائے ہائے کیوں

۱۔ شعر کے طرزِ بیان سے واضح ہوتا ہے گویا مرزا صاحب معشوق کے اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ تم روتے کیوں ہو؟ فرماتے ہیں آخر دل ہی تو ہے کس طرح اس پر درد کا اثر نہ ہو اور پانی پانی نہ ہو جائے کوئی اینٹ پتھر تو نہیں۔ پھر فرماتے ہیں ہمیں رونا آئے گا تو ہم تو ہزار بار روئیں گے کوئی ہمیں رُلائے کیوں یعنی ہم پرستم بھی کیوں کیا جائے؟

۲۔ جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں وہ ہلکے رہے نہ مندر رہے نہ مسجد نہ دیرِ قیامت آستان
 یار۔ پھر کسی کو کیا مجاز ہے کہ ہمیں اُٹھا دیو سے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو ہم کسی عبادِ نگاہ
 میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہمیں کوئی برہمن یا شیخ نکال دیو سے۔ نہ انتظارِ یار میں دیرِ قیامت

پر کھڑے ہیں کہ رقیب ہم کو منع کر سکے نہ آستانِ یار پر بیٹھے ہیں کہ یار نکلو ادسے۔ ہم تو راگِ زہر پر بیٹھے ہوئے ہیں پھر ہمیں کوئی کیوں اٹھائے۔ خلاصہ یہ کہ زمانہ ہمارا دشمن ہو گیا ہے۔ اگرچہ ہم کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے پھر بھی ہمیں چین و اطمینان میسر نہیں۔ زمانہ خواہ مخواہ درپے آزار ہے دنیا میں راحت عنقا ہے +

۱۶۔ کیا وجد انگیز شعر ہے اس پر سے ہزار سائے قربان! فرماتے ہیں جب وہ دل کو دردِ شن کرتے حسن یعنی معشوق مجازی ہر نیروز کی طرح آپ ہی نظارہ سوز ہے۔ تو اُسے پردہ میں مُنہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے + ہر نیروز۔ دوپہر کا سورج + نظارہ سوز۔ نظارہ کو جلاسنے والا یعنی جس کا نظارہ نہ کیا جاسکے + اگر یہ شعر مجاز میں نہ ہوتا تو حسن دلفروز کو ہر نیروز سے تشبیہ نہ دی جاتی۔ جمالِ معشوق حقیقی کی تابِ نظارہ تو حضرت موسیٰ بھی نہ لاسکے اور ہر نیروز کی تابِ نظارہ ہر ایک شخص لاسکتا ہے +

۱۷۔ تیرا خیر ادا جان کا لینے والا اور تیرا ناوک بے پناہ ہے۔ اس لئے جو کوئی تیرے سامنے آئیگا موت کا شکار بن جائیگا۔ پھر تیرا عکس رُخ ہی آئینہ میں تیرے سامنے کیوں آئے۔ اگر آئیگا تو وہ بھی شہیدِ غمزہ جاں آستان یا مقتولِ ناوک ناز ہو جائیگا + اس شعر میں اگرچہ مبالغہ ہے مگر تخیل کی نزاکت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے +

۱۸۔ اس شعر میں جس خوبی سے انسانی فطرت کو بیان کیا گیا ہے اس کی تعریف احاطہِ تحریر اور تقریر میں نہیں آسکتی۔ اہلِ مغرب بھی جو انسانی فطرت اور انسانی زندگی کا خاکہ کھینچتے ہیں یہِ طویل رکھتے ہیں۔ اس شعر کے مقابلہ پر کوئی کلام پیش نہیں کر سکتے۔ فرماتے ہیں کہ موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پا ہی نہیں سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ درحقیقت قیدِ حیات اور بندِ غم ایک ہی چیز ہے اگرچہ نام دو ہیں۔ اس لئے جب تک قیدِ حیات ہے تب تک بندِ غم کا رہنا لازم ہے +

۱۹۔ مطلب یہ ہے کہ معشوقِ غضب کا حسین ہے اس لئے اُسے اپنے پر حسنِ ظن اور اعتماد

یعنی سمجھتا ہے کہ میرے حسن کی کوئی تاب نہیں لاسکتا اور عاشق ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پس اُسے رقیب کی آزمائش کی ضرورت نہیں رہی اور اسی طرح بواہوس یعنی رقیب کی عزت رہ گئی۔ اگر وہ آنا لیتا تو کرکری ہو جاتی +

۷۔ مطلب یہ کہ معشوق تو اپنے غور و غماز کے باعث ہیں اپنی محفل میں نہیں بلاتا اور ہم اپنے پاس وضع کی شرم سے رہنڈر میں اُس سے ملنا نہیں چاہتے۔ یہ ہماری وضعی کے خلاف ہے۔ پھر اُس سے ملاقات کی کیا صورت ہو سکتی ہے +

۸۔ مرزا صاحب گویا حضرت ناصح کو اُن کے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں رزق تے ہیں۔ اچھا میرا معشوق خدا پرست نہ ہی وہ تو کافر ہے اور دوسروں کو بھی کافر بنا دیتا ہے اور وہ توبے و قاسمے دل چھین کر بے دفاعی بھی کرتا ہے۔ آپ کو اپنا دین و دل عزیز ہے تو آپ اُس کی گلی میں نہ جائیں۔ ہم تو یہ دونو چیزیں اُس پر قربان کر چکے ہم تو وہاں جانے سے باز نہیں رہ سکتے۔ گویا مرزا صاحب یہ کرخت جواب دے کر ناصح سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں +

۹۔ غالب خستہ کے بغیر کیا کام بند ہیں وہ کس کام کا تھا۔ اُس کے لئے زار زار رونا اور ہائے ہائے کرنا کیا ضرور ہے۔ گویا مرزا صاحب اپنے دوستوں کو تسلی اور دلاسا دے رہے ہیں۔ یہ شعر ایک طعن بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کے مرنے سے دنیا کا کوئی کام بند نہیں ہوتا اور مرنے والے کا ماتم سہی طور پر کیا جاتا ہے +

(۱۱۲)

غینچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں ۱ یوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
پرسش طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے ۲ اس کے ہر اک اشارے سے نطے پہ یاد آ کہ یوں
رات کے وقت نے پئے ساتھ رقیب کے لئے ۳ آئے وہیاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں
غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے ۴ سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کہ یوں
بزم میں اس کے روبرو کیوں نہ خموش بیٹھئے ۵ اُسکی تو خاموشی میں بھی ہے پہی مدعا کہ یوں

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہئے غیر سے تہی ۔ سُن کے ستمِ ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں
 مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح ، دیکھ کے میری بچو دی چلنے لگی ہوا کہ یوں
 کب مجھے گونے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی ۔ آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں
 گرتے دل میں ہو خیالِ صل میں شوقِ کارِ دال ۹ موجِ محیطِ آب میں مار سے ہے دستِ پاکہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کر ہو رشکِ فارسی
 گفتم غالب ایک بار پڑھ لے اُسے سنا کہ یوں

۱۔ اس شعر کا طرزِ بیان نہایت پُر اثر ہے۔ معشوق سے خطاب ہے کہ میں نے تجھ سے بوسہ
 کے متعلق پوچھا تھا کہ کس طرح لیا جاتا ہے تو نے دُور سے گلی کی طرف اشارہ کر دیا کہ بوسہ لینے
 والے کا منہ اس شکل کا ہو جانا ہے لیکن میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ عملی طور پر میرا بوسہ لے کر تباہ
 کہ بوسہ اس طرح لیا جاتا ہے ۔

۲۔ اُس سے دل چھیننے کا طریقہ کیا پوچھیں۔ اُس کے کہنے بغیر ظاہر ہو جاتا ہے یعنی اُس کے
 ہر اک اشارے سے ایسی ادانگہاتی ہے کہ دل چھین کر بتا دیتی ہے کہ یوں ۔
 ۳۔ خدا کرے وہ رات کے وقت مے پئے ہوئے ہمارے گھر آئے۔ لیکن رقیب کو
 ساتھ لے کر نہ آئے ۔

۴۔ میں نے معشوق سے یہ پوچھا کہ رات کو رقیب کے کیسے گزری۔ یہ سن کر وہ میرے سامنے
 آ بیٹھا اور میری طرف دیکھنے لگا کہ میں تو رقیب کے سامنے محض اس طرح سامنے بیٹھا
 رہا اور اس کو اس طرح دیکھتا رہا ۔

۵۔ معشوق کا خاموشی سے یہ مذا ہے کہ میری بزم میں سب خاموش
 بیٹھے رہیں ۔

۶۔ میں نے جب اُس سے کہا کہ تیری بزم غیر سے خالی ہونی چاہئے تو اُس نے ظریف طبع
 نے مجھ کو اٹھا دیا اور کہنے لگا کہ ہاں یوں غیر کو اٹھا دینا چاہئے ۔ ستمِ ظریف ۔ جس کی

ظرافت میں بھی مستم ہو *

۷۔ جب میرے یار نے مجھ سے پوچھا کہ ہوش و حواس کس طرح سے جایا کرتے ہیں تو میں جس کو دیدار یار نے بخود بنارکھا تھا کچھ جواب نہ دے سکا۔ مگر مجھے بخود دیکھ کر ہواس نے چل کر بتا دیا کہ یوں۔ ہوش و حواس اس طرح جاتے ہیں *

۸۔ مجھے کوئے یار میں رہنے کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ میرے نقش پانے مجھے بتا دیا کہ کچھ میری طرح عاجز اور حیرت زدہ ہو کر کوئے یار میں رہنا چاہئے *

۹۔ اگر تیرے دل میں یہ خیال ہو کہ وصل میں شوقِ محبت کو زوال آجاتا ہے (اور اس بہانے سے تو وصل سے انکار کرتا ہے تو تیرا یہ خیال غلط ہے) اور میں تجھے زندہ مثال بتائے دیتا ہوں کہ موجِ دریا کو باوجودیکہ وصلِ دریا میسر ہے لیکن اگر دریا ذرا سی دیر کے لئے بھی اُسے اپنے سے جدا کرنا چاہتا ہے تو وہ ہاتھ پاؤں بار کر بدستور وصلِ دریا حاصل کر لیتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وصالِ زوالِ شوق و محبت کا موجب نہیں ہو سکتا بلکہ آتشِ محبت کو تیز تر بناتا ہے *

۱۰۔ جو یہ کہے کہ اُردو اشعار کس طرح فارسی اشعار کا رشک بن سکتے ہیں یعنی اُردو اشعار فارسی اشعار سے بہتر نہیں ہو سکتے تو اُسے ایک بار غالبؔ کے اُردو اشعار سنا دے کہ یوں ہوتے ہیں * ریختہ - اُردو میں شعر کوئی کرنا *

روایت (۹)

(۱۱۳)

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ کاشاہو ۱ کہ چشمِ تنگ شائد کثرتِ نظارہ سے واہو
بقدرِ حسرتِ دل چاہئے ذوقِ معاصی بھی ۲ بھروں یک گوشہ دامنِ گر آبِ ہفت دریاہو
اگر وہ سرو قد گرمِ خرمِ ناز آجاوے ۳ کفِ ہر خاکِ گلشنِ قمری نالہ فرساہو

۱۔ یہ شعر بھی انسانی فطرت کا ایک مرقع ہے۔ مطلب سمجھنے کے لئے غالب سے صرف اقتباس کافی ہے۔ جب تک انسان محدود جماعت اور محدود حلقے میں رہتا ہے کسی کو عمدہ حالت میں نہیں دیکھ سکتا اور حسد کرتا ہے جس قدر اُس کا دائرہ تعارف وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُس کا حسد اور رشک کم ہوتا ہے اور دوسروں کی پیروی کرنے پر متوجہ ہو جاتا ہے (اقتباس از یادگارِ غالب) +

۲۔ شوقِ عصیاں بھی حسرتِ دل کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر ساتوں دریاؤں کا پانی جمع ہو کر جھکھوٹے تباہی میں تر دامن کروں یعنی گناہ کروں مطلب یہ کہ میں اپنے دل کی حسرتوں کی تعداد کے مطابق گناہ کروں گا۔ اب ہفت دریا سے تو میرے دامن کا صرف ایک گوشہ ہی تر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ میرے گناہوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی + گوشہ دامن بھروں سے مراد تر دامن ہے جس کے معنی گناہ کا مرکب ہونا ہے +

۳۔ اگر وہ سرِ قد (میرِ معشوق) باغ میں چلا جائے۔ تو باغ کی خاک کی ہر ایک مٹی ایک قمری بن جائے اور اُس کے عشق میں ناسے کرنے لگے +

(۱۱۴)

کعبہ میں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں ۱ بھولا ہوئی حق صحبت اہل کشت کو طاعت میں تائب نہ سے دنگیں کی لاگ ۲ دوزخ میں ڈال دو کوئی بے کربشت کو ہوں منحرف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے ۳ ٹیڑھا لگا ہے قلمِ سرِ نوشت کو

غالب کچھ اپنی سعی سے ملتا نہیں مجھے

۴ خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو

۱۔ اگر میں کعبہ میں جا رہا ہوں تو مجھ پر طعنہ زن نہ ہو۔ کیا میں نے بُت پرستوں کی صحبت کے حق کو فراموش کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ میں کعبہ میں بھی بُت پرست ہی ہوں کعبہ پہلے بُتخانہ بھی رہا ہے اس کی طرف اشارہ ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جب تک خواہشات

نفسانی کو ترک نہ کیا جائے کعبہ جانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا *

۲۔ کوئی بہشت کو دوزخ میں ڈال دیوے تاکہ اطاعت خدا شراب اور شہد کے لالچ میں نہ رہے۔ بلکہ اطاعت خلوص دل سے ہو جائے (اگر رہے کی تر کوتا سے ملا کر تار اور ہے پڑھا جائے تو تار اور انگلیں و سنے میں لفظی مناسبت بھی حاصل ہوتی ہے) *

۳۔ میں راہ و رسم ثواب سے منحرف کیوں نہ رہوں۔ جس قلم سے میری سر نوشت لکھی گئی ہے اُس کو ٹیڑھا قلم لگا ہوا ہے (قاعدہ ہے قلم کو ٹیڑھا قلم دیا جاتا ہے) *

۴۔ مقطع میں تدبیر کو تابع تقدیر بتایا گیا ہے *

(۱۱۵)

و از سنہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو ۱ کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو
چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا ۲ ہے دل پہ بار نقش محبت ہی کیوں نہ ہو
ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ ۳ ہر چند برسبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو
پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا ۴ یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو
ڈالا نہ بیکی نے کسی سے معاملہ ۵ اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو
سہ آدمی بجائے خود ایک محشر خیال ۶ ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
ہنگامہ زبونی بہت ہے انفعال ۷ حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
دارستگی بہانہ بیگانگی نہیں ۸ اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو
ہوتا ہے فوت فرصت ہستی کا غم کوئی ۹ عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو

اُس فتنہ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد

اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

۱۔ ہم اس بات سے آزاد ہیں کہ تم ہم سے محبت ہی کرو۔ ہمارا مطلب تو یہ ہے کہ تمہارا ہمارا کچھ تعلق ہو چاہئے۔ اگر آپ محبت کرنا نہیں چاہتے تو ہم سے عداوت ہی کیجئے تاکہ

تعلق تو قائم رہے +

۲۔ میری کمزوری نے میرے دل سے محبت کا رنگ بھی کم اور پھیکا کر دیا۔ اور اب دل پر صرف نقش محبت باقی ہے کہ وہ بھی دل پر بار ہے (قاعدہ ہے کہ جب جامہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو رنگ پھیکا اور ہلکا ہو جاتا ہے) +

۳۔ مجھے تو تم سے یہ گلہ ہے کہ تم نے میرے سامنے غیر کا ذکر ہی کہوں کیا۔ خواہ سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو یعنی خواہ تم نے غیر کی شکایت ہی کیوں نہ کی ہو +

۴۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر درد کی دوا موجود ہے۔ اگر یہ سچ ہو تو غم الفت کی دوا بھی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن چونکہ غم الفت لا دوا ہے اس لئے یہ مقولہ غلط ہے +

۵۔ اچھا ہوا کہ بکسی کی وجہ سے مجھے کسی سے معاملہ نہیں پڑا ورنہ احسان اٹھانا پڑتا۔ میں تو جو کچھ حاصل کرتا ہوں خود حاصل کرتا ہوں۔ اگر خلیفت بھی حاصل کرتا ہوں تو اپنے ہی سے۔ خلیفت بھی دوسروں سے حاصل نہیں کرتا +

۶۔ یہ شعر بھی مغوی لحاظ سے فطرتی ہے۔ انسان خود اک محشر جبال ہے۔ یعنی انسان کے دماغ میں خیالات کی ایک قیامت برپا رہتی ہے۔ خواہ ہم خلوت میں ہی ہوں لیکن ہم اسے انجمن سمجھتے ہیں +

۷۔ کم ہمتی کا نتیجہ شرمندگی ہے کسی کا احسان نہ اٹھانا چاہئے۔ دہرے عبرت بھی حاصل نہ کرنا چاہئے +

۸۔ آزادی۔ مغائرت اور وحشت کا بہانہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تو آزاد ہو گیا ہے۔ تو لوگوں سے وحشت نہ برت۔ اگر برتنا ہے تو اپنے سے برت +

۹۔ زندگی کے وقت کے ضائع ہونے کا غم نہیں مٹ سکتا۔ خواہ انسان کی عمر عبادت میں ہی صرف ہوئی ہے یعنی وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ اگر تو جھوٹے دل سے خدا کی عبادت کرنے میں بھی اسے ضائع کرتا ہے تو بڑی غلطی ہے +

۱۰۔ قیامت کو مُردے بھی قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ لیکن ہم تو اُس فتنہ خو کے
کے در سے اٹھینگے نہیں خواہ قیامت ہی سرور آجائے +

(۱۱۶)

قفس میں بچوں گر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو ۱۔ میرا ہونا بُرا کیا ہے نواسخان گلشن کو
نہیں گر سہمی آساں جو یہ رشک کیا کم ہے ۲۔ نہ دی ہوتی خدا یا آرزوئے دوست دشمن کو
نہ لکھا آنکھ سے تیری آلت نسواں جواحت پر ۳۔ کیا سینہ میں جس نے خوشی کاں مژگان سوزن کو
خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے میں کشاکش میں ۴۔ کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
ابھی ہم قتل کہہ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں ۵۔ نہیں دیکھا شناور چٹے خوں میں تیرے توسن کو
ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بنے گا ۶۔ کیا بیتاب کاں میں جنبش جو ہرنے آہن کو
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سوار ابرائے ۷۔ سمجھتا ہوں ڈھونڈے ہے ابھی برقِ خرمین کو
وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے ۸۔ مئے بُخا نہ میں تو کعبہ میں گارڈو برہمن کو
شہادتِ مری قسمت میں جو دی تھی یہ جو مجھ کو ۹۔ جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو
نہ لگنا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر ہوتا ۱۰۔ رہا کھٹکانہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو
سغن کیا کہہ نہیں سکتے کہ جو باہوں جواہر کے ۱۱۔ جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو
برے شاہِ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب

فریدون و جم کیخسرو و داراب و بہمن کو

۱۔ نواسخان گلشن اگر میرے شیون کو اچھا نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں میں تو اُن سے دُور
قفس میں پڑا ہوا ہوں۔ میرا دُتیا میں ہوتا اُن کو کیا تکلیف دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ خوشحال
لوگ مجھ مصیبت زدہ سے کیوں بُرے سمجھتے ہیں +

۲۔ اگر رقیب کو میرے دوست کی ہمدی میسر نہیں تو نہ ہو۔ مجھے یہ رشک کیا کم ہے
کہ دشمن میرے دوست کا چاہنے والا ہے +

۱۴۔ افسوس کہ میرے اُس زخم پر بھی تیری آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا جس کے اثر غم سے سوزن فولاد نے بھی زخم کو سیتے ہوئے آنسو برساتے۔ مژگان سوزن سے یہاں سوئی کی آنکھ مراد ہے۔ سوئی کے ناکے کو اُس کی آنکھ تصور کیا گیا ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں۔ افسوس میرے اُس زخم پر تیری آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ نکلا جس کے اثر نے سینہ کے اندر مژگان سوزن ناوک کو خوںچکاں کر دیا۔ یہاں سوزن سے مراد سپکان ناوک ہوگا + (میری رائے میں پہلے معنی زیادہ موزون ہیں) +

۱۵۔ خدا میرے ہاتھوں کو سمجھے کہ کبھی میرے گریباں اور کبھی داماں جاناں کے ساتھ کھینچا تانی رکھتے ہیں +

۱۶۔ ابھی ہم قتلگاہ کا تماشا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں کیونکہ تیرے گھوڑے کو خون کے دریا میں نیرتا ہوا نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ تو اتنے قتل کرے گا کہ خون کا دریا بہہ جائیگا اور ہم جب یہ دیکھیں گے کہ باوجود اتنے قتل و خون کے بھی تمہارے قتل کا نمبر نہیں آیا تو ہمارے لئے قتلگاہ کا دیکھنا مشکل ہو جائیگا اور ہم اپنی ہی بد نصیبی کے غم میں مُبتلا ہو جائیں گے +

۱۷۔ مطلب یہ ہے کہ جو ہر فولاد نے آہن کو اس لئے بیتاب کیا کہ اُسے میرے پاؤں کی زنجیر بننے کی تمنا اور منگی ہوئی +

۱۸۔ اس شعر میں اپنی بد نصیبی کا اظہار کیا ہے +

۱۹۔ یعنی جب برہمن اپنی ساری عمر بتخانے میں کاٹ دے اور وہیں مرے تو وہ اس بات کا مستحق ہوگا کہ اُس کو کچے میں دفن کیا جائے اس لئے کہ اُس نے وفاداری کا پورا پورا حق ادا کر دیا اور یہی ایمان کی اصل ہے (از یادگار غالب) +

۲۰۔ تلوار سے مراد عبادت خانہ کی محراب ہے۔ باقی شعر صاف ہے +

۲۱۔ رہزن۔ ڈاکو جو دن میں لوٹتے ہیں + مطلب یہ کہ رہزن نے دن میں ہی لوٹ لیا اب رات کو چوری کا کھٹکا نہیں رہا۔ کیونکہ چوری رات کے وقت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ

منطقی میں بے فکری ہوتی ہے +

۱۱۔ مطلب یہ کہ دماغ سوزی اور کاوش مگر سے اشعار کہنا مومن سے جو اہر نکالنے سے بہت بہتر ہے۔ کیونکہ ایسے اشعار جو اہر سے زیادہ قیمتی ہیں +

۱۲۔ اسے غالب میر سے شاہ سلیمان جاہ سے فریدوں وغیرہ بادشاہان ایران کو کیا نسبت شاہ سلیمان جاہ۔ حضرت سلیمان پیغمبر خدا جیسے مرتبے والا بادشاہ +

(۱۱۴)

دھوتا ہوں جب میں پینے کو اُس سیم تن کے پانو ۱ رکھتا ہے خد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو
دی سادگی سے جان، ہڈوں کو کہن کے پانو ۲ ہبہات کیوں ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو
بھاگے تھے ہم بہت سو اُسی کی سڑ ہے یہ ۳ ہو کر اسیر دابستے ہیں راہزن کے پانو
مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور ۴ تن سے سوا کفار ہیں اس خستہ تن کے پانو
اللہ سے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ ۵ ہتے ہیں خود بخود مر سے اندر کفن کے پانو
ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ سر طرف ۶ اڑتے ہوئے اُبھتے ہیں مرغ چمن کے پانو
شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں ۷ دُکھتے ہیں آج اُس بُت نازک بدن کے پانو
غالب مر سے کلام میں کیونکر مزا نہ ہو
پیتا ہوں دھو کے خسر شیریں سخن کے پانو

۱۔ شعر صاف ہے۔ ایسی سخت زمین میں معنی خیز اشعار نکالنا مزا صاحب جیسے قلم کار کا کام تھا +

۲۔ افسوس کو کہن نے جو قافی سے ایک عیار کے دھو کے میں آکر جس نے پیرزن کے بغیس میں کو کہن کو شیریں کی وفات کی خبر سنائی جاں دیدی۔ کاش اُس عیار کے پاؤں ٹوٹ جاتے +

۳۔ شعر صاف ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مصیبتوں سے بچنا دشوار ہے +

- ۴۔ مطلب یہ ہے کہ تقدیر کے خلاف چارہ جوئی نہیں ہو سکتی +
 ۵۔ فرماتے ہیں مرنے کے بعد بھی شوقِ دشتِ نوردی نہ گیا +
 ۶۔ جوشِ گلِ مراد کثرتِ گل۔ بہار میں پھولوں کی اس قدر کثرت ہے کہ جا بجا پھولوں کے
 تودے لگ گئے ہیں اور مرغِ چین کو پرواز بھی مشکل ہو گیا ہے۔ جا بجا پاؤں الجھتے ہیں +
 ۷۔ معشوق کی نازک ہدفی مہالہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ خیال بھی بہت نازک ہے +
 ۸۔ خسرو شیریں سخن سے مراد مرزا بہادر شاہ ظفر بادشاہِ دہلی ہیں + خسرو شیریں سخن میں خسرو
 اور شیریں کی رعایتِ لفظی ملاحظہ ہو۔ شیریں زوجِ خسرو شاہِ ایران تھی +

(۱۱۸)

- واں سکو ہوا دل ہے تو یاں ہیں ہوشِ شمسار ۱ یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم کو دیکھ
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو ۲
 ۱۔ اس شعر میں انتہائے محبت کا اظہار ہے۔ عاشق یہ بھی چاہتا ہے کہ میری آہ میں تاثیر
 ہو مگر محبوب کی ذرا سی تکلیف بھی گوارا نہیں +
 ۲۔ معشوق شکار کی آنکھ کے آئینہ کے سوا اور آئینہ ہی نہیں دیکھتا۔ ذوقِ ستم تو دیکھو
 شکار کی آنکھ کا استعارہ آئینہ سے کیا گیا ہے (کیا تلاش ہے)

(۱۱۹)

- واں پہنچ کر غش آتا ہے ہم ہے ہم کو ۱ صدرہ آہنگِ زمیں بوسِ قدم ہے ہم کو
 دل کو نہیں اور مجھے دلِ محو و فار کھتا ہے ۲ کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو
 ضعف سے نقش پئے مور ہے طوقِ گردن ۳ تیرے کو چہ سے کہاں طاقتِ رم ہے ہم کو
 جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو ۴ یہ نگاہِ غلط انداز تو سمجھتے ہیں ہم کو
 رشکِ ہطرحی و دردِ اثرِ بانگِ حزیں ۵ نالہِ مرغِ سحر تیغِ دودم ہے ہم کو

سر اڑانے کے جو وعدہ کو مکرر چاہا ۶ ہنس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو
دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ و لیکن ناچار ۷ پاس بے روئی دیدہ اہم ہے ہم کو
تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو ۸ ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو
لکھنا آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی ۹ ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو
مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر ۱۰ عزم سیر بخف و طوف حرم ہے ہم کو
لئے جاتی ہے کہیں ایک تو قلع غالب

جادو رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو

۱۔ کو چہ یار میں پہنچ کر جو ہیں ہم عشق اذہر رہتا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے قدموں
کی قدم بوسی کرنی منظور ہوتی ہے۔ جنہوں نے ہمیں کوئے یار تک پہنچا دیا (مضمون آخری
خود مرزا صاحب کی قدم بوس۔ بہ کزوری سے غش آنے کو قدموں کی قدم بوسی کے لئے
تعبیر کیا ہے +

۲۔ میں اور دل آپس میں ایک دوسرے کو محو و غافل کھنا چاہتے ہیں +
۳۔ ہماری کمزوری کے باعث چوٹی کے پاؤں کا نقش بھی ہمارے لئے طوق گردن ہے
اس لئے ہم کس طرح تیرے کپڑے سے بھاگ سکتے ہیں +
۴۔ مجھ سے جان بوجھ کر تغافل کرو تو میری امید بندھی رہے۔ لیکن حقیقی طور پر تغافل
کرنا میرے لئے بزرگ کام کرتا ہے +

۵۔ صبح نہ کرنا ہے وہ میرے نالہ کی آواز سے مشابہ ہوتا ہے۔ نیز اُس
کی پُر طلال آواز درد اثر ہوتی ہے۔ ان دونوں باتوں کا رشک میرے لئے تیغ و دھم کا کام
کرتا ہے +

۶۔ چونکہ اُن کے دم سے کا اعتبار نہ تھا اس لئے جب میں نے اُن سے مکرر وعدہ چاہا
تو ہنس کے بولے کہ تیرے سر کاٹنے کی تو بہ کو قسم ہے یعنی ہم تیرا سر نہیں کاٹیں گے قسم

کھانے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے مثلاً جب کہتے ہیں کہ انہیں سچ بولنے کی قسم ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی سچ نہیں بولتے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہمیں تو تیرا سر بہت ہی عزیز ہے کیونکہ قسم اُسی چیز کی کھائی جاتی ہے جو بہت عزیز ہو۔ دونوں معنوں سے ظاہر ہے کہ معشوق سر کاٹنے پر رضا مند نہیں۔ لطافتِ مضمون ملاحظہ ہو۔

۷۔ ہم مجبور ہو کر اپنے دل کا خون کرتے ہیں کیونکہ آنکھوں کی بے رونقی کا لحاظ ہمارے لئے ایک بڑی اہم چیز ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ہم اپنی آنکھوں سے آنسو نہ بہائیں تو آنکھیں بے رونق رہتی ہیں۔

۸۔ تمہاری نازک مزاجی کا تو یہ حال کہ میرا ناموشی کو بھی فغاں کرنا پڑتا ہے۔ اور ہم اتنے کمزور ہیں کہ تمہاری بے پروائی کو بھی ستم کرنا خیال کرتے ہیں

۹۔ (ق) ہم کو سیر و تماشا کا شوق نہیں۔ پھر ہمارے لکھنؤ آنے کا کیا باعث؟

۱۰۔ یہ شہر ہمارے شوق کو قطع کرنے والا نہیں ہے۔ اب ہم طوافِ کعبہ اور زیارت

نبف اشرف کا عزم رکھتے ہیں۔ نجف اشرف میں حضرت علی علیہ السلام کا مزارِ اقدس ہے

۱۱۔ اے غالب ہمیں ایک امید کہیں لے جا رہی ہے۔ اور لفظ کرم کے کاف کی کشش

ہمارے لئے راستہ کی بٹیا ہے۔ مطلب یہ کہ کرم کی امید پر ہم کہیں جا رہے ہیں۔

(۱۲۰)

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو ۱ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے ۲ قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
کیا وہ بھی بے گنہ گش و حق ناشناس ہیں ۳ مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو
اُبھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار ۴ مڑا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
جب میکڈ چھٹا تو پھر اپ کیا جگہ کی قید ۵ مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب دست ۶ لیکن خدا کرے وہ تری جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
دُنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو

۱۔ پہلا مصرعہ لطافت سے پُر ہے۔ دوسری بھی ہے۔ فرماتے ہیں غیر سے تمکو جو رسم و راہ ہے وہ تم ہی جانتے ہو۔ دوسرے یہ معنی ہیں اگر تمہیں غیر سے رسم و راہ ہو تو تم جانو میں معترض نہیں۔ لیکن اگر مجھے بھی پوچھتے رہو تو کیا بُری بات ہے +

۲۔ اگرچہ میرا قاتل رقیب ہے یعنی میری موت اُس سے حسد رکھنے کی بنا پر واقع ہوئی ہے لیکن اس معاملہ میں گواہ تم بھی ہو اس لئے روزِ محشر کی باز پرس سے آپ کو نجات نہیں مل سکتی
۳۔ اس شعر میں کس خوبصورتی سے اپنے معشوق کو خورشیدِ ماہ سے استعارہ کیا ہے فرمایا ہے میں یہ مانتا ہوں کہ تم خورشیدِ ماہ ہو لیکن کیا خورشید اور ماہ بھی بیگنا ہوں کہ مارنے والے اور حق شناس ہیں +

۴۔ ان کی نقاب میں ایک تار اُبھرا ہوا ہے۔ میں رشک سے راجاتا ہوں کہ یہ کسی رقیب کی نگاہ نہ ہو +

۵۔ اس شعر میں ازراہ تہذیب اس کا ذکر نہیں کیا جس کے کرنے کے لئے سجد و مدرسہ اور خانقاہ کو مساوی قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میکہ و جہاں حریفوں کے ساتھ شراب پینے کا لطف تھا۔ جب وہی چھٹ گیا تو اب مسجد میں مل جائے اور مدرسہ خانقاہ میں ہاتھ آجائے تو سب جگہ پی لینی برابر ہے۔ مسجد وغیرہ کی تخصیص ازراہ شوخی کی گئی ہے۔ یعنی یہ مقامات جو اس شغل کے بالکل لائق نہیں ہیں وہاں بھی میکہ چھٹنے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے۔ اور شراب پینے کی تصریح نہ کرنا عین مقتضائے بلاغت ہے (از یاد گار غالب)
۶۔ بہشت کی ہر ایک تعریف درست مانتا ہوں لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو ورنہ ہمارے لئے بیکار ہے + یہ شعر حقیقت میں ہے اس لئے خدا کرے کے الفاظ نے اس کو نہایت لطیف بنا دیا ہے +

۷۔ مطلق صاف ہے +

(۱۲۱)

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو ۱ کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال ۲ کہ گر نہ ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے ۳ حیا ہے اور یہی گو مگو تو کیونکر ہو
تمہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا ۴ بڑوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو
اُبھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ ۵ جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیونکر ہو
جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا ۶ وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو
ہمیں بھران سے امید اور انہیں ہماری قدر ۷ ہماری بات ہی پوچھیں نہ وہ تو کیونکر ہو
غلط نہ تھا ہمیں خط پر گناہ سلی کا ۸ نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو
بتاؤ اس مژدہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار ۹ ینیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو
مجھے جنوں نہیں غالب و لے بقول حضور

فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

۱۔ وہ زمانہ تو گیا کہ جب یار کو ہم سے بات کرنے میں بھی عار تھا۔ اب خدا کا شکر ہے کھل
بل گیا ہے۔ بات چیت ہو جاتی ہے اور ہم اپنا حال عشق بھی انہیں سننا چکے لیکن بے سود
کوئی اثر نہیں ہوا اب بتلائے کیا کیا جائے +

۲۔ ہمارے خیال میں فکر وصال ہی کا نام وصال ہے۔ ہم ہی سوچتے رہتے ہیں کہ
اگر وصال نہ ہوا تو کیا کریں گے اور وصال میں کامیابی ہو تو کس طرح ہو +

۳۔ ہمیں اگر اُن کا یہی پاس ادب رہا اور اپنی تمناؤں کے دل پوری نہ کی تو وصال میں کامیابی
نہ ہوگی۔ اور اگر اُن کو بھی یہی حیا رہی یعنی وہ اقرارِ وصل میں گو مگو کرتے رہے تو بھی
وصال ناممکن۔ مطلب یہ کہ جب تک ہمارا ادب اور اُن کی حیا نہ جائیگی وصال نہ

ہو سکے گا +

۴۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تم ہی بتاؤ اگر تمام معشوقوں کی ایسی ہی عادتیں ہوں جیسی کہ تمہاری ہیں تو عاشقوں کا گزارہ کس طرح ہو +

۵۔ تم آئینہ میں بھی اپنا ثانی دیکھ کر بگڑتے ہو۔ اگر شہر میں تم جیسے ایک دو اور حسین ہوں تو نہ معلوم حسد سے تمہارا کیا حال ہو +

۶۔ اُس دن کی سیاہی کیسی ہوگی جس کے آگے رات بھی دن معلوم ہوتی ہے + (از یادگار غالب)

۷۔ وہ ہماری بات ہی نہ پوچھیں تو ہمیں اُن سے امید اور انہیں ہماری قدر کیونکر ہو اس شعر میں ردیف سے بخوبی کام لیا گیا ہے +

۸۔ ہمارا یہ گمان غلط نہ تھا کہ اُن کا خط آنے پر ہماری تسلی ہو جائے گی مگر ہماری آنکھیں جو یار کے دیدار کی متلاشی ہیں دیدار کے بغیر رنتی ہی نہیں کیا کیا جائے +

۹۔ اے ناصح پہلے آپ اُس کی خزاں دیکھئے پھر آپ کو درست اندازہ ہوگا کہ مجھ کو کس طرح قرار ہو سکتا ہے۔ جبکہ ایسے نیش میری رگ جاں میں چھپے ہوئے ہیں۔ یقیناً آپ تسلیم کریں گے کہ مجھ کو قرار نہیں ہو سکتا +

۱۰۔ حضور سے مراد مرزا بہادر شاہ صاحب المتخلص بہ ظفر آخری بادشاہ دہلی ہیں میرؔ ثانی "فراق یار میں" اُن ہی کے فکر کا نتیجہ ہے +

(۱۲۳)

کسی کو دے کئے کوئی نواسخ فناں کیوں ہو ۱ نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ میں ہاں کیوں ہو
وہ اپنی خونہ چھوڑینگے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں ۲ سبک سربن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو
کیا غمخوار نے رُسوا لگے آگ اس محبت کو ۳ نہ لائے تاج غم کی وہ میرا زداں کیوں ہو
وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا کٹھن ۴ تو پھر اسے سنگدل تیرا ہی سنگ ستاں کیوں ہو

۵۔ گری ہے جس کل بجلی وہ میرا آستیاں کیوں ہو
 یہ کہہ سکتے ہو؟ ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ ۶۔ کہ جب دل میں تھی تم ہو تو آنکھوں کے نہاں کیوں ہو
 غلط ہے جذب لکاشکوہ دیکھو جرم کس کا ہے ۷۔ نہ کھینچو گرم اپنے کو لکاشکش درمیاں کیوں ہو
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ۸۔ جوئے تم دوست جس دشمن میں آسماں کیوں ہو
 یہی ہے آزما تا تو ستانا کس کو کہتے ہیں ۹۔ عُدو کے ہوئے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو
 کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے طے میں سوائی ۱۰۔ جلاکتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طفول کے تو غالب

ترے بے ہر کہنے سے وہ تجھ پر دہراں کیوں ہو

۱۔ کوئی عاشق کسی کو دل دے کر فغاں کیوں کرے۔ جب سینہ میں داں ہی نہ رہے تو پھر منہ میں۔
 زباں کیوں ہو یعنی فریاد و فغاں کیوں کرے + نواسنج (اسم فاعل) نوا + سنج اسم اور امر کے
 ملانے سے +

۲۔ سبک سر۔ ذلیل + سرگراں۔ ناراض۔ آزرده + وہ اپنی خفا ہونے کی عادت نہ چھوڑے گی
 تو ہم ہی اپنی وضع کیوں چھوڑیں۔ ہم اُن سے یہ پوچھ کر ذلیل کیوں ہوں کہ آپ ہم سے کیوں ناراض
 ہیں + اس مطلع کی سلاست روزمرہ اور صفائی زباں نہایت پاکیزہ ہے +
 ۳۔ اسر مجتبت کو آگ لگے کہ میرے غمخوار نے ہی تجھے رسوا کر دیا۔ جو شخص غم کی تاب نہ
 لاسکے وہ میرا زرداں ہی کیوں بنے۔ مرزا صاحب اپنے غمخوار دوست کے متعلق اظہارِ ناراضگی
 فرما رہے ہیں +

۴۔ جب میں سر پھوڑ کر مر جانے کا مصمم ارادہ ہی کر چکا تو دفا داری یار اور عشق کا کیا
 پاس کروں۔ اے سنگدل معشوق یہ کیا ضرور ہے کہ میں تیرے ہی سنگ سے ہی سر پھوڑ کر
 مردوں۔ چاہے جس پتھر سے سر پھوڑ سکتا ہوں۔ اس شعر میں نہایت روانی اور فصاحت
 ہے۔ معلوم ہوتا ہے باتیں کر رہے ہیں سخن سنجان یورپ فرماتے ہیں کہ بہترین نظم وہ ہے جو نثر

سے نہایت قریب ہو۔ مرزا صاحب کے اکثر اشعار نشر معلوم ہوتے ہیں +

۵۔ اے ہم! نفس میں مجھے جن کے واقعات کہتے ہوئے کیوں جھجکتا ہے۔ بلا تکلف سب کچھ بیان کر دے۔ پھر اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ کیا ضرور ہے کہ کل جس آشیانے پر کجلی گری ہے وہ میرا ہی آشیانہ ہو +

۶۔ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم تمہارے دل میں نہیں ہیں یعنی تم ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے مگر یہ تو بتلائیے کہ جب میرے دل میں تم ہی تم ہو تو آنکھوں سے پوشیدہ کیوں رہتے ہو سنا آ جاؤ۔ اس شعر میں خطاب معشوق حقیقی سے ہے + (میری رائے میں تمہیں کی بجائے نہیں پڑھا جائے تب بھی معنی درست اور دلچسپ رہتے ہیں اس صورت میں یہ معنی ہونگے) تم یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم تمہارے دل میں نہیں ہیں لیکن یہ تو فرمائیے اگر تم ہمارے دل میں نہیں ہو تو آنکھوں سے کیوں نہاں ہو پس معلوم ہوا ضرور دل میں پوشیدہ ہو +

۷۔ کیا بلخ شعر فرمایا ہے! فرماتے ہیں تم جو میرے جذبِ دل کی شکایت کرتے ہو کہ تمہارے دل کی کشش میں اپنی طرف کھینچتی ہے یہ غلط ہے۔ اگر ذرا غور کرو گے تو معلوم ہو جائیگا کہ خطا کس کی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو مجھ سے نہ کھینچو یعنی تم مجھ سے بے تکلفی سے ملو تو میرے دل اور تمہارے درمیان جھینچا تالی ہی نہ رہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ اصل جرم تمہارا ہے +

۸۔ کیا یہ فتنہ یعنی تمہارا عشق کسی آدمی کی خانہ دیرانی کے لئے کافی نہیں ہے۔ یعنی بہت کافی ہے۔ پھر جس کے تم دوست ہو گئے یعنی جس کے تم معشوق ہو گئے۔ آسمان کو اُس دشمن ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اُس کی خانہ دیرانی کے لئے تو تمہاری دوستی ہی کافی ہے +

۹۔ مرزا صاحب کے اکثر اشعار میں استفہامیہ فقرے نشر وں کا کام کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں اگر آپ کی آزمائش کا طریقہ یہی ہے تو سنا نا کس کو کہتے ہیں یعنی یہ آزمائش نہیں یہ تو سنا نا ہے۔ کیونکہ جب تم دشمن کے ہوئے یعنی اُس کا ساتھ نہ جانے کی ٹھان لی تو میرا امتحان کیوں لیتے ہو۔ یہ تو صرف مجھے سنا نا ہے +

۱۰۔ مرزا صاحب نے دوسرے مصرعہ میں بے انتہا فصاحت دکھائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے باقیں کر رہے ہیں (مطلب یہ ہے) تم نے یہ کہا کہ غیر کے بننے میں رسوائی کیوں ہو یعنی نہیں ہو سکتی۔ سو تم بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو ہاں پھر کہئے کہ ہاں (رسوائی) کیوں ہو۔ قاعدہ ہے کہ انسان جب اپنے متعلق غلط اور دلکش بات سُنتا ہے تو کہنے والا سے اُسے دوسرا مانا چاہتا ہے تاکہ شائد وہ شرما کر پھر غلط بات نہ کہے اور دل آزاری نہ کرے۔ مرزا صاحب کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شائد دوست شرمندہ ہو کر اپنے الفاظ واپس لے لے یا کم از کم بدل ہی ڈالے ۱۱۔ اے غالب کیا توطئے دے کر معشوق سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔ یہ تیرا خیال خام ہے۔ تیرے بے ہر کہنے سے وہ تجھ پر ہربان نہ ہوگا۔ تیرا معشوق تو ایسا سنگدل ہے کہ نہ التجا سے نہ طعنوں سے ہربان ہو سکتا ہے +

(۱۲۳)

یہی اب ایسی جگہ حل کر کہ جہاں کوئی نہ ہو ۱ ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو
یے در و دیوار سارا کھربنا ناچا ہے ۲ کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائے تو فوجہ خواں کوئی نہ ہو

۱۔ مرزا صاحب اپنے اعزہ و احباب کی ناقدری اور بے وفائی سے تنگ آکر فرماتے ہیں کہ وطن چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جانا چاہئے جہاں ان میں سے کوئی نہ ہو (نیک نفس آدمی کو متعلقین سے بہت تکلیف اٹھانا پڑتی ہے۔ اُس کو غیر وطن ہی میں چین مل سکتا ہے جہاں تعلقات نہیں ہوتے) +

۲۔ شعر کا مطلب صاف ہے +

۳۔ شعر صاف ہے +

روایت ہائے ہوز

(۱۲۴)

از ہر تائبہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ

آفتاب سے درے تک ہر شے معشوق حقیقی کی محبت میں سلا پادل ہے اور دل مانند آئینہ ہے۔ اس لئے طوطی یعنی طالب حق کو ہر سمت آئینہ نظر آ رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن کامل معشوق حقیقی ہر ایک شے میں اپنا پر تو ڈال رہا ہے اور طالب حق کو ہر شے میں حسن کامل کا جلوہ نظر آ رہا ہے +

(۱۲۵)

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غم سکدہ ۱ جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ
ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے

۲ دشواری رہ و ستم ہمراہاں نہ پوچھ

۱۔ مطلب یہ ہے کہ موسم برسات کی وجہ سے یا میرے گم بہ کی کثرت سے میرا گھر سبزہ زار بنا گیا ہے۔ جس کی بہار یہ ہو اس کی خزاں کی حالت مت پوچھ یعنی اس سے بھی بدتر ہوگی۔
۲۔ جہاں دل میں اور لاکھوں حسرتیں تھیں مجبوراً بیکسی کی بھی حسرت اٹھانا پڑی۔ یعنی ایک تو راستے کی دشواری اور دوسرے ظالم ہمراہیوں کے ساتھ رہنے کی تکلیف یعنی ہمراہیوں کی موجودگی میں بیکسی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی بھی حسرت اٹھانا پڑی (مرزا صاحب ہمیشہ تنہائی اور بیکسی کو پسند فرماتے جیسا کہ ان کے اکثر اشعار سے ظاہر ہے) مطلب یہ کہ دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنا دشوار ہے۔ بیکسی کی حسرت اس وجہ سے اٹھانی پڑی کہ دنیا میں رہتے ہوئے دوستوں اور احبابوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا +

(۱۲۶)

صد جلوہ رُودِ بڑو ہے جو ترگاں اٹھائیے ۱ طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے
ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق - ۲ یعنی ہنورِ منتِ ب طفلان اٹھائیے
دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہے خم ۳ اسے خانمانِ خراب احساں اٹھائیے

یا میرے زخمِ رشک کو رُسوانہ کیجئے
۴ یا پردہ تبسمِ نہاں اٹھائیے

۱۔ ہر شے میں یار کا جلوہ موجود ہے ہم ذرا آنکھ اٹھائیں تو یار سے سینکڑوں جلوے
اپنی نظر کے سامنے دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن ہم میں اتنی طاقت کہاں کہ اُن کی تاب دید اٹھا سکیں
۲۔ جنونِ عشق کی غذا کی چٹھیاں پتھروں پر لکھی ہوئی ہیں۔ ابھی اور کچھ دنوں یعنی تاحیات
پتھر مارنے والے لڑکوں کا احساں اٹھانا پڑے گا۔ براتِ تنخواہ کی چٹھی کو کہتے ہیں۔ مطلب
یہ کہ ہمارے جنونِ عشق کی غذا وہ پتھر ہیں جو لڑکے ہمیں مارتے ہیں۔

۳۔ یا تو آپ میرے زخمِ رشک کو رُسوانہ کریں یعنی مجھے رُسوانہ کریں کہ رشک و حسد شکار
ہے۔ اور یا تبسمِ نہاں کا پردہ اٹھائیے۔ مطلب یہ کہ مجھے جو رقیب سے رشک ہوتا ہے
وہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ تم اگرچہ ظاہر طور پر اُس سے ہنسی مذاق نہیں کرتے لیکن تبسمِ
نہاں کرتے ہوئے ضرور اُسے محظوظ کرتے ہو۔ یہ امر میرے لئے بجا طور پر باعثِ رشک
ہے۔ اس لئے یا تو آپ مجھے بدنام نہ کیجئے یا رقیب کے ساتھ تبسمِ نہاں چھوڑ دیجئے۔

(۱۲۷)

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہئے ۱ بھوں پاس آنکھ قبلہ عاجات چاہئے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر ۲ آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے
دے دادائے نک دلِ حسرتِ پرست کی ۳ ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہئے
سیکھے ہیں مہِ زخوں کے لئے ہم مصدوری ۴ تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہئے

مے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیاہ کو ۵ اک گونہ بخودی مجھے دن رات چاہئے
 ہے رنگ لالہ دُگل و نسریں جُدا جُدا ۶ ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
 سر پائے خم پہ چاہئے ہنگام بخودی ۷ رُوسکے قبلہ وقت مناجات چاہئے
 یعنی بحسب گردشِ پیمانہ صفات ۸ عارف ہمیشہ مست نئے ذات چاہئے

نشو و نما ہے اصل سے غالب فروغ کو

۹ خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے

۱۔ اے قبلہ حاجات یعنی اے داعظ جس طرح بھول کے پاس آنکھ ہوتی ہے اسی
 طرح مسجد کے زیر سایہ شراب خانہ ہونا چاہئے ۲ مسجد کو بھول سے اور خرابات کو آنکھ
 سے تشبیہ دی ہے۔ شعرا مستی چشم کی وجہ سے چشم معشوق کو مینا نہ باندھتے ہیں :
 ۳۔ آپ نے مجھ پر جو ظلم کئے ہیں یہ اُن کا بدلہ ہے کہ آپ بھی اک اور شخص پر عاشق ہو گئے

ہیں ۴

۴۔ اے فلک میرے دل حسرت پرست کی کچھ توداد دی۔ یعنی کچھ حسرتیں تو پوری کر
 گزری ہوئی باتوں یعنی خوں شدہ حسرتوں کا کچھ تو بدلہ دینا چاہئے ۵
 ۶۔ ہم نے چاند جیسے چہرے والوں کے لئے مصوری سیکھ لی ہے۔ تاکہ اس ذریعہ سے
 ہی اُن سے ملاقات ہو سکے اور اُن کا دیدار جی کھول کر کر سکیں ۷

۵۔ مجھے شراب سے سرور حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ مجھے تو دن رات ایک قسم کی
 بخودی چاہئے تاکہ آلام دُنیا سے محفوظ رہ سکوں ۶

۶۔ ہر ایک پھول کا رنگ جُدا گانہ ہے۔ بہار اپنی موجودگی کا ثبوت ہر رنگ میں دیتی
 ہے۔ مطلب یہ کہ بے بصیرت لوگ کب تک صنایع حقیقی کی صنعتوں سے منحرف
 ہو سکتے ہیں ۷

۷۔ (ق) بخودی کے وقت سر کو پائے خم پر رکھنا چاہئے اس لئے جب ہم مناجات الہی

کرتے ہیں اور بیخود ہوتے ہیں تو ہمارا چہرہ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے *
 ۸۔ یعنی پہا نہ صفات کی گردش کے بموجب عارف کو ہمیشہ ذات الہی کی شراب محبت میں مست رہنا چاہئے *

۹۔ اسے غالب شاخوں کی نشوونما جڑ سے ہے۔ جو کام کی بات حاصل ہوتی ہے وہ فارشی یعنی نکر و غور سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور جو بات بے سوچے سمجھے کہی جاتی ہے وہ ناقص ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ قوت فکر اصل ہے اور الفاظ اُس کی شاخیں *

(۱۲۸)

بسا بجز میں تھا ایک ل یک قطرہ خون بھی ۱ سورہتا ہے باند از چکیدن سرنگوں وہ بھی ہے اُس رخ سے آزرده ہم چندے تکلف سے ۲ تکلف بر طرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی خیال مرگ کب تسکین دل آزرده کوئے نختہ ۳ سے دایم تمنائیں، اک صید زبوں وہ بھی نہ کرنا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمد ۴ کہ ہوگا باعث فزائش درد دروں وہ بھی نہ اتنا بترش تیغ جفا پر ناز و فداؤ ۵ سے دریائے بیتابی میں ہے اک گرج خون بھی نئے عشق کی خواہش ساقی گردوں کیا کیجے ۶ لئے بیٹھا ہے اک چار جام وارگوں وہ بھی مرے دل میں ہے فانی شوق وصل شکوہ ہجراں خدا وہ دن کرے جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۱۔ میری بسا بجز ہر طرف ایک دل تھا جس میں صرف ایک قطرہ خون تھا۔ اور وہ دل بھی اس طرح سرنگوں رہتا ہے جس طرح قطرہ ٹپکتے ہوئے * انسانی دل سینہ میں اٹکا لٹکا ہوا ہوتا ہے اس لئے سرنگوں کہا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا کل سرمایہ ایک دل تھا سو وہ بھی قطرہ خون کی طرح سرنگوں ہے۔ یعنی غم عشق میں مغموم رہتا ہے اور معلوم کس وقت قطرہ خون کی طرح ٹپک کر فنا ہو جائے۔ اس شعر میں جو پڑ کے کمیل کی وائٹس بھی موجود ہیں یعنی بسا اور سرنگوں *

۲۔ ہم اُس شوح سے کچھ عرصے تک دھندلاہٹ کے خیال سے آزرہ رہے۔ صاف بات تو یہ ہے کہ وہ بھی ایک انداز جنوں تھا + تکلف برطرف۔ تکلف اگر برطرف کیا جائے مینی صاف بیان کیا جائے +

۳۔ جہاں میری اور ہزاروں خواہشیں ہیں وہاں ایک ادنیٰ سی تمنا یہ بھی ہے کہ مر جاؤں لیکن خیال مرگ سے بھی دل آزرہ کو تسکین نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ یقینی بات نہیں کہ مرنے کے بعد غم و آلام سے نجات ہو جائے گی +

۴۔ مجھے تو یہ خیال تھا کہ نالہ کرنے سے بھڑاس نکل جائے گی اور دردِ دروں کم ہو جائیگا لیکن نالہ کرنے سے میرے دل کو اور صدمہ پہنچا۔ اور اس کے درد میں ترقی ہو گئی +

۵۔۔ تیغ کو موج سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور دریا سے بیتابی میں بیتابی کو ایک دریا تصور کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے بیتابی کے دریا کے سامنے تمہاری تیغ جفا ایک موج کی مانند ہے اُس کی برش پر اتنا نہ اتراؤ یعنی دریا سے عشق میں غوطہ رگ کر لاکھوں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ برش تیغ معشوق کی تکلیف تو ایک معمولی سی تکلیف ہے +

۶۔ ساقی گردوں سے مے عشرت کی خواہش کیا کریں۔ وہ تو صرف اک دو چار اُٹے جام لئے بیٹھا ہے + ایک دو اور چار کو جمع کیجئے تو سات ہوتے ہیں۔ اس سے سات سیارے مراد ہیں۔ ظاہر ہے کہ جام واژگوں میں شراب نہیں ہو سکتی خالی ہوگا۔ گردوں کو ساقی سے اور سیارہ کو جام سے استعارہ کیا گیا ہے +

۷۔ مقطع صاف ہے +

(۱۲۹)

ہے بزمِ بتاں میں سخن آزرہ لبوں سے ۱۔ تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
ہے دورِ قدح وجہ پریشانی صہبا ۲۔ یک بار لگا دو غم کے میرے لبوں سے

رندانِ درمیکدہ گستاخ ہیں زاہد ۲ زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے
بیدادِ وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخِ د

۴ ہر چند مری جاں کو تھا ربط لبوا ہے

۱۔ معشوقوں کی محفل میں معشوقوں کی بیجا خوشامد کرنی پڑتی ہے اس لئے ہمارا سخن لبوں
سے ناراض ہو گیا ہے۔ ہم ان خوشامد طلب معشوقوں سے تنگ آ گئے۔ دوسرے معنی یہ کہ
سخن لبوں سے ناراض ہو گیا ہے کیونکہ سب ایسے خوشامد پسند ہو گئے ہیں کہ معشوقوں کی محفل
میں ہر وقت خوشامد نہ گفتگو کرتے رہتے ہیں اور ہم ان خوشامد طلب لبوں سے تنگ آ گئے ہیں
۲۔ قاعدہ ہے کہ کسی چیز کو خصوصاً مانع اشیا پانی شراب وغیرہ کو جگہ جگہ تقسیم کرنے سے اس
کا کچھ حقہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ پیالوں کا دور چلا کر آپ شراب کیوں
ضائع کر رہے ہیں۔ مثلاً ہی میرے منہ کو لگا دو کہ میں سب چڑھا جاؤں اور ایک قطرہ بھی
ضائع نہ ہو۔ مطلب یہ کہ رقیبوں کو شراب نہ پہنچے اور سب مرزا صاحب کے حقہ میں آجائے۔
۳۔ اسے زاہد رندانِ درمیکدہ بہت گستاخ ہیں۔ کہیں ایسا نہ کیا کہ ان بے ادبوں سے
کچھ پڑو۔ طرف ہونا۔ مقابل ہونا۔ منہ لگانا۔

۴۔ اگرچہ میری جان کو میرے لبوں سے ربط تھا یعنی لبوں پر رہتی تھی لیکن بیدادِ وفا دیکھ
کر لبوں سے بھی جدا ہو گئی۔

(۱۳۰)

تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا ۱ سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالب تر احوال سنا دیں گے ہم اُن کو
۲ وہ سُن کے بلالیں یہ اجارا نہیں کرتے

۱۔ اگرچہ وہ ہمارا ذکر نہیں کرتے لیکن اگر کوئی ہمارا ذکر کرے تو سُن لیتے ہیں تاکہ ہم کو شکایت
کی باقی نہ رہے۔

۲۔ اجارہ۔ طاقت۔ مجال۔ ہم یہ ذمہ نہیں لیتے کہ وہ تمکو بلا ہی لیں گے
 گھر میں تھا کیا کہ تراغم اُسے غارت کرتا
 وہ جو رکھتے تھے ہم ایک حسرت تعمیر سو ہے
 ہمارے گھر میں تیرے عشق کی غارت گری کے لئے کوئی چیز ہی نہ تھی جسے وہ غارت
 کرتا۔ ہمارے گھر میں ایک حسرت تعمیر تھی سو وہ اب تک باقی ہے +

(۱۳۱)

غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی ۱۔ فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی
 کھلیگا کس طرح مضمون مے مکتوک یارب ۲۔ قسم کھائی ہے اُس کا فرنے کاغذ کے جلانے کی
 بیٹنا پیریاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے ۳۔ دے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی
 انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا ۴۔ اٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی
 ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا ۵۔ ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی
 لکھ کو بھلاؤت کا تحمل کر نہیں سکتی + مری طاقت کے ضامن بھی تہوں کے تار اٹھانے کی
 کہوں کیا خوبی اوصاف اہلئے زماں غالب
 بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہائی

۱۔ اگر کبھی غم ہائے دنیا سے سر اٹھانے کی فرصت ہوتی بھی ہے تو فلک نظر پڑتا ہے۔ اور
 فلک چونکہ جفا پیشہ ہے فلک کے دیکھتے ہی تو یاد آجاتا ہے اور پھر غم عشق ہو جاتا ہے۔ اس
 شعریں سر اٹھانے کی فرصت کے محاورے سے عجیب کام لیا گیا ہے +

۲۔ میرے خط کا مضمون اُس پر کس طرح واضح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میرا خط پڑھنا تو درکنار
 وہ میرا خط جلا میں گئے بھی نہیں اس لئے کہ انہوں نے کاغذ جلانے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ یعنی
 کاغذ کو جلانے کا عہد کیا ہوا ہے۔ کاش وہ میرے خط کو جلا ہی دیتے اور جب وہ خط کے
 جلنے کی سیر دیکھتے تو حروف خط خود بخود روشن ہو کر اُن کے پیش نظر ہو جاتے اور میرا مدعا

ان پر واضح ہو جاتا +

۳۔ پر نیاں یعنی ریشمی کپڑے میں شعلہ آتش کا لپٹنا آسان ہے مگر میرے دل میں سوزِ عشق کا چھینا مشکل ہے۔ یعنی میں بڑی حکمت اور صبر سے اپنے دل میں سوزِ عشق کو چھپائے ہوئے ہوں +

۴۔ ایک معنی تو یہ ہیں کہ انہیں سیرنگل کے بہانے سے اپنے زخمیوں کو دیکھنا منظور تھا۔ لیکن اگر نگلوں ہی کو معشوق کے خجرِ عشق کا گھائل تصور کیا جائے تب بھی معافی میں موزونیت اور خوبی رہتی ہے +

۵۔ تیرے التفاتِ ناز کے دھوکے میں آنا ہماری بیوقوفی تھی۔ تیرا ہمارے گھر آنا گویا داپس جانے کی تمہید تھی۔ یعنی آتے دیر نہ ہوئی کہ واپس جانے لگے +

۶۔ میری طاقت جو بتوں کے ناز اٹھانے کی ضامن تھی لکھ کو ب حادث کا تحمل بھی نہیں کر سکتی۔ یعنی میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ حادثات کی برداشت کی بھی طاقت نہ رہی۔ یہ پہلے بتوں کے ناز اٹھاسکتا تھا جو بہت ہی مشکل کام ہے +

۷۔ ابناٹے زمانہ کے ڈھنگ کی خوبیاں (یعنی بُرائیاں) کیا بیان کروں جس سے ہم نے بارہائیک کی تھی اُس نے بھی ہم سے بدی کی۔ خوبی طنزا بُرائی کو کہا گیا ہے +

(۱۳۲)

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی ۱۔ دل جوشِ گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی آسامی
اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے ۲۔ میں بھی جلے ہوؤں میں ہوں داغِ ناتمامی
۱۔ اے تمناؤں دھلے یا حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ کیونکہ تُو جو یہ چاہتی تھی کہ گریہ سے مطلب
برآری ہو جائے گی یہ ناممکن ہو گیا ہے اور دل جوشِ گریہ میں ڈوبی ہوئی آسامی ہو گیا ہے یعنی
اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا + ڈوبی ہوئی آسامی۔ مفلوک الحال آسامی۔ مطلب یہ کہ
جب دل ہی جوشِ گریہ سے ناکارہ ہو گیا ہے تو دلی آرزو بر نہیں آسکتی +

۲۔ میں بھی اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی تمام ہونے سے پہلے بجھا دے داغِ ناتمامی ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر شمع کو ختم ہونے سے پہلے بجھا دیا جاتا ہے تو اُس کے اس حصہ پر جہاں تک جل چکے پر بجھائی جاتی ہے داغ پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح میں بھی ایسے ہی جلے ہوؤں میں ہوں اور مجھ پر بھی ناتمام جلنے کا داغ لگا ہوا ہے یعنی میں عشق میں اپنے آپ کو فنا نہیں کر سکا اور ہمت ٹوٹ جانے کی وجہ سے نصف جلا ہوا رہ گیا۔

(۱۳۳)

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے ۱ جس میں کہ ایک ہریضہ مور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ۲ پر تو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے
حالانکہ ہے سیلی خارا سے لالہ رنگ ۳ غافل کو میرے شیشہ پہ نئے کا گمان ہے
کی اُس نے گرم مینہ اپنی ہوس میں جا ۴ آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا ۵ بس چپکے ہمارے بھی منہ میں بان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ یار میں ۶ فرما سواے کشورِ ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا ۷ کس سے کہوں کہ داغِ جگر کا نشان ہے
ہے ہمارے اعتماد و فاداری اس قدر

غالب ہم اس میں خوش ہیں کہ ماہرِ بان ہے

۱۔ ہم ستم زدگان کا جہان اتنا چھوٹا ہے کہ حیونشی کا ایک اندھ بھی اُس کا آسمان بن سکتا ہے۔
مطلب یہ کہ چونکہ ستم زدہ اور مفلس لوگوں کے تعلقات بہت کم ہوتے ہیں اس لئے ان کی دنیا بھی بہت تنگ ہوتی ہے۔

۲۔ دنیا کی تمام چیزیں تیری محبت میں حرکت کر رہی ہیں جس طرح ذرے کی حرکت پر تو آفتاب کی وجہ سے ہے۔

۳۔ غافل آدمی میرے شیشہ دل پر شیشہ شراب کا گمان کرتا ہے حالانکہ یہ پتھر کی چوٹ سے

خونین ہوا ہے۔ یعنی میرا دل حوادثِ دنیا سے خونین ہوا ہے نہ کہ شرابِ ارغوانی سے + شرابِ یہاں مراد محبتِ الہی ہے۔ مرزا صاحب اپنی کمزوری بیان فرماتے ہیں کہ ہمارا دل تو دنیا میں لگا ہوا ہے۔ اس میں محبتِ الہی نام کو بھی نہیں +

۴۷۔ معشوق نے اہل ہوس کے سینہ میں جگہ لے لی ہے۔ اُسے کیوں پسند نہ آئے کہ ٹھنڈا مکان ہے۔ اہل ہوس کا سینہ چونکہ آتشِ محبت نہیں رکھتا اس لئے ٹھنڈا ہوتا ہے۔ جاگرم کرنی۔ جگہ لینی +

۴۸۔ ہمارے بھی مُنہ میں زبان ہے۔ اس میں دو معنی رکھے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر بولنے پر آئیں تو تم کو قائل کر دیں گے۔ اور دوسرے شروع۔ معنی یہ ہیں کہ ہم چکھ کر بتا دیں گے کہ غیر نے بوسہ لیا ہے (از یادگار غالب)

۴۹۔ ہندوستان کے لوگوں کا رنگ کالا سمجھا جاتا ہے اور سایہ کا رنگ بھی دھوپ کے مقابلے میں کالا سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ جو شخص سایہ دیوارِ یار میں بیٹھا ہوا ہو وہ گویا مُنک ہند کا بادشاہ ہے +

۵۰۔ غم نے میرے جگر کو مٹا دیا اور داغ کی نشانی صرف ایک داغ رہ گیا اب اگر میں کسی سے کہوں کہ یہ میرے جگر کا نشان ہے تو کوئی یقین نہ کر لے گا پس معلوم ہوا کہ غمِ عشق نے میرے جگر کی ہستی کا اعتبار بھی مٹا دیا +

۵۱۔ اے غالب ہم اس میں بھی خوشی میں کہ ہمارا یار ناہربان ہے۔ کیونکہ اُسے ہم پر اعتماد و فاداری تو ہے۔ اگر یہ اعتماد نہ ہوتا کہ میں محبت نہ چھوڑ دوں گا تو وہ ناہربان نہیں ہو سکتا تھا +

(۱۳۴)

درد سے مجھے ہے تجھ کو بقراری ہائے ۱ کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعاری ہائے ہائے
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ ۲ تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہ ساری ہائے ہائے
کیوں میری غوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال ۳ دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے

عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا ۴ عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے
 زہر گنتی ہے مجھے اب ہوائے زندگی ۵ یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے
 گلشنانی ہائے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا ۶ خاک ہوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے
 شرم رسوائی سے جا چھٹنا نقاب خاک میں ۷ ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے
 خاک میں ناموس پیمان محبت بل گئی ۸ اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری ہائے
 ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا ۹ دل پہ اک گلے نہ پایا زخم کاری ہائے
 کس طرح کائے کوئی شہانے تار برشکال ۱۰ سب سے نظر خود کردہ اختر شکاری ہائے
 گوش ہجو پر پیام و چشم محروم جمال ۱۱ ایک دل تس پر یہ نا امید داری ہائے
 عشق نے پکڑا نہ تھا نا ایتبا یعنی وحشت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوق خواری ہائے

۱۔ مشوق سے خطاب ہے کہ اب تجھے مجھے دوسے بیقراری ہے۔ اسے ظالم تیری غفلت
 شعاری کیا ہوئی + غفلت شعاری۔ مجھ سے غافل رہنے کا ڈھنگ + یہ تمام غزل مشوق کا
 مرثیہ ہے +

۲۔ شعر صاف ہے + آشوب غم کا حوصلہ۔ غم کی تکلیف کی برداشت + غمگساری۔ دوستی +
 ۳۔ تجھے کیوں میری دوستی کا خیال آیا تھا۔ گویا میری دوستی تیرے حق میں دشمنی تھی۔ افسوس
 ۴۔ تو نے مجھ سے عمر بھر کا پیمان وفا باندھا تھا۔ لیکن افسوس عمر کے لئے پائداری نہیں ہو
 تجھ کو مجھے چھوڑ کر ملک عدم جانا پڑا +

۵۔ چونکہ تجھ سے زندگی نے بیوفائی کی۔ اس لئے مجھے بھی اب ہوائے زندگی زہر گنتی ہے +
 ۶۔ تیرے جلوے کے وقت تیرے ناز و انداز کے پھول برسے کو کیا ہو گیا۔ یعنی اب تیرے
 جلوے سے پھول نہیں برستے بلکہ تیری قبر پر پھول رکھے جاتے ہیں +

۷۔ تو بدنامی کی شرم سے قبر میں جا چھپا۔ تجھ پر محبت کی پردہ داری ختم ہے +

- ۹۔ پیانِ محبت کی عزت خاک میں مل گئی۔ افسوس دنیا دوستی کی راہ و رسم اٹھ گئی +
- ۱۰۔ افسوس قاتل کا ہاتھ ہی بیکار ہو گیا کہ میرے دل پر کوئی زخم کاری لگتا۔ یعنی مجھے زخم کھانے کی تمنا رہ گئی +
- ۱۱۔ ہماری نظر تو ستارے گن گن کر رات کاٹنے کی عادی تھی۔ اب یہ برسات کی اندھیری راتیں کس طرح کٹیں گی +
- ۱۲۔ میرے گوش پہ پیغامِ یار اور میری آنکھیں دیدارِ یار سے محروم ہو گئی ہیں۔ میرے ایک دل پر یہ ناامیدی افسوس افسوس +
- ۱۳۔ اسے غالب ابھی میرے عشق نے رنگِ جنوں اختیار نہ کیا تھا۔ اب ذلت اٹھانے کی تمنا پوری نہ ہوئی تھی کہ افسوس میرا یار ملکِ عدم کو رخصت ہوا +

(۱۳۵)

- سُرگشتگی میں عالمِ ہستی سے پاس ہے ۱ تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
 لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر ۲ اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
 کچھ بیاں سُرورِ تبِ غم کہاں تلک ۳ ہر مومرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا ۴ ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے
 پی جس قدر ملے شبِ ماہتاب میں شراب ۵ اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
 ہر اک مکان کو ہے بکسِ شرفِ اسد
 مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اُداس ہے
- ۱۔ آوارگی میں زندگی سے پاس ہو گئی ہے۔ تسکین کے لئے خوشخبری مبارک ہو کہ مرنے کی آس ہو گئی ہے۔ (مبارک باد اس لئے کہ مرنے کے بعد سُرگشتگی نہ رہے گی) +
- ۲۔ وہ میرے دلِ آوارہ کی خبر نہیں لیتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دل میرے ہی پاس ہے اُسے کیا معلوم کہ میرا دل آوارہ ہو گیا ہے +

۳۳۔ تپِ غم کے سرور کی کیفیت کہاں تک بیان کروں۔ میرے بدن کا ہر ایک بال تعریف کے لئے زبان بن گیا ہے۔ قاعدہ ہے بخار میں روگٹا کھڑا ہو جاتا ہے +
 ۳۴۔ اگرچہ اُس کے پاس سچائی پہچاننے والا دل ہے۔ لیکن غرورِ حُسْن اُسے وفاداری کرنے سے مانع ہے۔ یہ حقیقت ہے انسان نیکی کو سمجھتا ہے اور غرورِ حُسْن یا غرورِ مال اُسے نیکی کرنے سے باز رکھتا ہے +

۵۔ شربِ مہتاب کو ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے طبعی کہا گیا ہے + مطلب صاف ہے
 ۶۔ مقطع بھی غضب کا پُر فصاحت ہے۔ جنگل کی اُداسی کا سبب مجنوں کی سوگواری بتلاتے ہیں +

(۱۳۶)

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے ۱ خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ ۲ دل فردِ جمع و خیرِ زبانہائے لال ہے
 کس پر وہ میں ہے آئینہ پر داز اے خدا ۳ رحمت کہ غدرِ خواہ لب بے سوال ہے
 ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی ۴ اے شوقِ منفصل یہ تجھے کیا خیال ہے
 مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان ۵ نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
 وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا ۶ دریا زمین کو عسقرِ انفعال ہے
 ہستی کے مت فریب میں آجانیو است

عالم تمام حلقہٴ دایم خیال ہے

۱۔ مطلب یہ ہے کہ میری گفتگو اور خاموشی کو مساوی سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ جو کچھ میں کہتا ہوں لوگ اُس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے میں بہت خوش ہوں کہ گفتگو کرتا ہوں اور فائدہ خاموشی کا حاصل کرتا ہوں۔ پہلے بھی فرما چکے ہیں رح
 ”مدا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا“

۲۔ دنیا میں کوئی ہمدرد نہیں اس لئے اظہارِ دعا کی صورت کا کھکس کسے آگے کر دے۔ میرا دل زبانہائے لال کے جمع خرچ کی فہرست بن گیا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے دل میں سینکڑوں شکوے موجود ہیں جن کا زبان سے اظہار نہیں کر سکتا + زبان لال ہونا محاورہ ہے یعنی گونگا ہو جانا۔ زبان بندی ہونا +

۳۔ اے خدا تیری رحمت جو عذر خواہ لب بے سوال ہے کس پردے میں چھپی ہوئی آئینہ پرواز ہے۔ مطلب یہ کہ تیری رحمت جو توکل کرنے والوں کو یعنی ان لوگوں کو جو سوال نہیں کرتے بخش دیتی ہے کہاں چھپی ہوئی ہے۔ یعنی ہم جو کہ کثرتِ گناہ کی شرم سے سوال نہیں کرتے بخشش چاہتے ہیں +

۴۔ ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور مجھ سے دشمنی کرے۔ اے عشق تو خواہ مخواہ منفعیل ہے کہ تیری وجہ سے مجھے ایک دشمن سے سابقہ پڑ گیا +

۵۔ کعبہ کا لباس حضرت علی علیہ السلام کے قدم کی برکت سے مشک جی خوشبودار ہوا ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ کعبے ہی میں پیدا ہوئے اور کعبے کو بتوں سے پاک کیا۔ اگر کعبہ پاک نہ ہوتا تو مسلمانوں کو کس طرح فیض پہنچتا۔ اس واسطے کعبہ کی خوشبو یعنی کعبہ کا فیض حضرت علیؑ کے قدم کی برکت سے سمجھ۔ دوسرے مصرعہ میں اس کا ثبوت دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ کعبہ نافِ غزال نہیں ہے بلکہ نافِ زمین ہے اور حضرت علیؑ البو تراب ہیں اس لئے البو تراب کی برکت سے نافِ زمین مشکیں ہوئی + البو تراب حضرت علیؑ کا لقب ہے + کہتے ہیں کہ کعبہ ٹھیک وسطِ زمین پر واقع ہے اس لئے کعبہ کو نافِ زمین کہتے ہیں +

۶۔ چونکہ میدانِ دُیا میری وحشت اور صحرانوردی کے لئے بہت تنگ ثابت ہوا اس لئے زمین شرم سے پسینہ پسینہ ہو گئی اور زمین کے پسینے بنے دریاؤں اور سمندر وں کی صورت اختیار کر لی ہے +

۷۔ اے اسدِ دنیا کے فریب میں نہ آ جانا۔ تمام دنیا خیا اے کسے حلقہ دامن کی مانند ہے +

(۱۳۷)

تم اپنے شکوہ کی باتیں کھود کھود کے پوچھو ۱۔ حذر کرو میرے دل سے کہ اس میں آگ دہی ہے

دلایہ درد و الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر

۲۔ نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

۱۔ دہی ہوئی آگ کو کریدنے سے آگ روشن ہو جاتی ہے + فراتے ہیں تم اپنی شکایتیں

کھود کھود کے نہ پوچھو۔ میرے دل سے بچو کہ اس میں آتش عشق دہی ہوئی ہے +

۲۔ اے دل یہ درد و الم عشق غنیمت ہے کہ آخر کار یعنی کچھ عرصے بعد نہ گریہ سحری ہوگا

نہ آہ نیم شبی۔ مطلب یہ کہ ہم ہی مرجائیں گے +

(۱۳۸)

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا ۱۔ ظاہر کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر کیوں ۲۔ ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتشبار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہیں ۳۔ ہر کوئی در ماندگی میں مالہ سے ناچار ہے

ہے وہی بدستی ہرزہ کا خود غذر خواہ ۴۔ جس کے جلوے سے زینِ آسمان سسڑا رہا ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہیں کہتا تھا اپنی زندگی ۵۔ زندگی سے بھی مراجی ان دنوں بزار ہے

۱۔ آئینہ کی تصویر کس نامہ پہ کھینچی ہے کہ تا

۲۔ تجھ پہ کھل جائے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

۱۔ غلط بردار اس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر سے حروفِ باستانی اڑ سکے اور کاغذ پر اس کا

نشان باقی نہ رہے مگر یہاں ازراہِ ظرافت غلط بردار کے یہ معنی لئے ہیں جس پر سے حرف

خود بخود اڑ جائے۔ کہتا ہے کہ تو نے اپنے خط میں صرف ایک جگہ حرفِ وفا لکھا تھا سو وہ

بھی مٹ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خط کا کاغذ غلط بردار ہے کہ جو بات پتے

دل سے اُس پر نہ لکھی جائے خود بخود مٹ جاتی ہے (از یاد کا غالب) +

۳۔ اگرچہ ہمارا ہر سانس آتش باز ہے یعنی ہم ہر سانس کے ذریعے اپنی اندرونی گرمی کو بیزار کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا ذوق فنا ناقص ہے کیونکہ اگر ناقص نہ ہوتا تو کبھی کے جل بھن کر خاک ہو جاتے۔

۴۔ آگ پانی سے بجھتے وقت یعنی عاجزی کے وقت صابند کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک انسان بھی عاجزی کی حالت میں نالہ بلند کرنے سے لاچار ہے۔

۵۔ ہر ذرہ یعنی ہر مخلوق عذر خواہ معافی چاہنے والا یا معذور رکھنے والا ہے۔ اس شعر میں دعوئے ایسے طریقہ سے کیا گیا ہے کہ خود دعویٰ متضمن دلیل واقع ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ ذرات عالم یعنی ممکنات جو فی الحقیقت معدوم محض ہیں ان کی بدستی و غفلت کا عذر خواہ وہی ہے جس کے بر تو وجود سے یہ تمام معدومات وجود کا دم بھرتے ہیں۔ (از یادگار غالب)

۵۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تو مجھ سے یہ مت کہہ کہ تو ہمیں اپنی زندگی کہتا تھا یعنی تو ہمیں اپنی جان بتلاتا تھا۔ اب وہ زمانہ گیا سب تو میرا جی اپنی زندگی سے بھی بیزار ہے۔ ۶۔ میں نے لفافہ خط پر اس لئے آنکھ کی تصویر بنادی ہے تاکہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ میری آنکھ حسرت دیدار رکھتی ہے۔

پینس میں گزرتے ہیں جو کوچہ سے وہ میرے
کندھا بھی کہا روں کو بدلنے نہیں دیتے
(دیگرا) انہیں مجھ سے اتنی بیزاری ہے کہ اگر ان کی پینس کبھی میرے کوچہ سے گزرتی ہے
تو وہ کہا روں کو کندھا بھی نہیں بدلنے دیتے مبادا ایک لمحہ کا توقف ہو جائے۔
پینس۔ ایک قسم کی ڈولی۔

(۱۳۹)

مری ہستی فضائے حیرت آباد تمنا ہے ۱ جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا غنقا ہے۔

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو ۲ وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
وفائے دلبر الہ ہے، اتفاقی ورنہ اسے ہم ۳ اثر فریاد دلاہائے حزیں کا کس نے دیکھا ہے

۲۔ نہ لائی شوخی اندیشہ تابِ سوچِ نوامیدی

کفِ افسوس ملنا عہدِ تجدید تمنا ہے

۱۔ اس شعر میں انسانی فطرت کا ایک مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ امید ہم
میں انسان پر حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ اور وہ آہِ دناں بھی بھول جاتا ہے۔ اس لئے
فرماتے ہیں کہ میری ہستی تمناؤں کی دُنیا سے حیرت ہے اور اس دُنیا میں ناہِ عنقا ہے یعنی
میں ایسا حیرت زدہ ہوں کہ ناہ بھی نہیں کر سکتا +

۲۔ ہمارے لئے ہر ایک موسم یکساں ہے خواہ خزاں ہو یا بہار۔ ہمارے لئے تو ہمیشہ
قفسِ صیاد ہے اور بال و پر کا ماتم۔ مطلب یہ کہ زندگی میں ہمارے مصائب کا خاتمہ
نہیں ہو سکتا +

۳۔ اس شعر میں واقعیت بیان فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر معشوق کبھی وفاداری
کرتا ہے تو وہ ایک اتفاقِ امر ہے۔ مغموم دل کی فریاد کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ سب کہنے کی بات
ہے کہ آہ اثر رکھتی ہے +

۴۔ ہماری شوخی فکر نہ ناامیدی کی تاب نہیں لاسکتی۔ اس لئے ہمارا کفِ افسوس
ملنا ناامیدی اور یاس کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ ہم تمنا کے عہد کی تجدید کرتے ہیں۔ قاعدہ
ہے جس طرح کفِ افسوس ملتے ہیں اسی طرح عہد کرتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ دوسرے کے
ہاتھ میں دیتے ہیں۔ گویا ہم افسوس کی بجائے دوبارہ تمنا کر رہے ہیں

(۱۴۰)

جہم کرنی لم کہ کیا بود چراغِ کشتہ ہے ۱۔ نبضِ بیمار وفا دود چراغِ کشتہ ہے
دل لگی کی آرزو بے چین کرتی ہے ہمیں ۲۔ ورنہ یاں سے رونق نہ دے چراغِ کشتہ ہے

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ اسے ظالم چراغ کشتہ یعنی بیمار وفا کی زندگی ہی کیا ہے اور بیمار وفا کی نبض چراغ کشتہ کے دھوئیں کی مانند ہے۔ قریب المرگ کی نبض دودی کہلاتی ہے اس لئے دود دودی کی تجنیس بھی ہے۔ اور چونکہ وہ بہت آہستہ چلتی ہے اس لئے دود سے تشبیہ دی گئی ہے +

۲۔ آرزوئے دل لگی یعنی آرزوئے محبت ہم کو بھیج رہی ہے۔ ورنہ بغیر عشق و محبت یعنی بغیر دل لگی رہنے میں بہت فائدہ ہے جس طرح سے بے رونقی میں یعنی نہ جلنے میں چراغ کشتہ کا فائدہ ہے کیونکہ اس کا تیل خرچ نہیں ہوتا۔ لفظ دل لگی اس شعر میں لطیف ہے کیونکہ چراغ کے دل میں بھی جب تک وہ جلتا رہتا ہے آگ لگی رہتی ہے +

(۱۴۱)

چشمِ خیالِ خامشی ہیں بھی نوا پرواز ہے ۱ مہرِ مرہ تو کہو سے کہ دودِ شعلہ آواز ہے
پیکرِ عشاق ساثر طابعِ ناساز ہے ۲ نالہ گویا گردشِ تیارہ کی آواز ہے
دستگاہِ دیدہ خربازِ مجنوں دیکھنا

۳ یک بیاباں جلوہ گلِ فرش پا انداز ہے

۱۔ معشوقوں کی آنکھوں خامشی میں بھی باتیں کرتی ہے گویا ان کی آنکھ کا سرِ شعلہ آواز کا دھواں یعنی کاجل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق کی آنکھ کے اشارے گنگو کا کام کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی آنکھوں کا سرِ (برخلاف اور سروں کے جو تیل کے شعلہ کا دھواں ہوتا ہے) آواز کے شعلہ کا دھواں ہے +

۲۔ عاشقوں کا جسم مسترا یا بدستہ کا ساز ہوتا ہے۔ اور ان کے نالے ان کے سیارہ بدستہ کی آوازیں ہیں۔ مطلب یہ کہ عشاق کو نالہ و فریاد کی بنا پر مجسم طابعِ ناساز بتایا گیا ہے اور ان کے نالوں کو سیارہ بدستہ کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے +

۳۔ مجنوں کے دیدہ خرباز کا مرتبہ دیکھئے کہ اُس کے آنسوؤں نے جلوہ گل سے بیاباں

جتنا وسیع فرش پا انداز بتا دیا ہے مطلب یہ اُس کے آنسو گل بن کر فرش پا انداز کا کام دے رہے ہیں + یک بیاباں - بیاباں جیسا وسیع +

(۱۴۲)

۱۔ عشق مجھ کو نہیں وحشت ہی ہے ۱ میری وحشت تیری شہرت ہی ہے
 ۲۔ قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے ۲ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی ہے
 ۳۔ میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی ۳ اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی ہے
 ۴۔ ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے ۴ غیر کو تجھ سے محبت ہی ہے
 ۵۔ اگر مستی ہی سے ہو جو کچھ ہو ۵ آگہی گر نہیں غفلت ہی ہے
 ۶۔ عمر ہر چند کہ ہے برق خرام ۶ دل کے خوں گرنے کی نصرت ہی ہے
 ۷۔ ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں ۷ نہ ہی عشق مُصیبت ہی ہے
 ۸۔ کچھ تو دے اے فلکِ انصاف ۸ آہ و فریاد کی رخصت ہی ہے
 ۹۔ ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے ۹ بے نیازی تری عادت ہی ہے

یار سے پھٹیڑ چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی ہے

۱۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تیرے خوں کے بموجب کہ تجھے عشق نہیں وحشت ہے میں
 مانتا ہوں وحشت ہی ہے۔ لیکن میری وحشت بھی کیا بُری ہے۔ اس سے اور کچھ فائدہ
 نہیں تو تیری شہرت تو ہے۔ یہی ہے +

۲۔ معشوق سے درخواست ہے کہ آپ ہم سے قطع تعلق نہ کیجئے۔ اگر محبت نہیں کرنے
 تو عداوت ہی ہے +

۳۔ میرے آپ کے پاس موجودگی میں کیا رسوائی ہو سکتی ہے۔ خواہ محفل میں آپ کے
 ساتھ ہوں یا خلوت میں دونوں مساوی ہیں۔ کیونکہ میری محبت پاک محبت ہے مطلب

یہ کہ خلوت میں ہی اگر مجھے اپنے پاس رکھو تو کیا مضائقہ ہے (مرزا صاحب نے اس شعر میں کمال سادگی اور صفائی سے اپنا دلی مدعا ظاہر فرمایا ہے) *

۴۔ معشوق سے فرماتے ہیں کہ اچھا تیرے قول کے بموجب غیر کو تجھ سے محبت ہی تھی پھر اس صورت میں ہم کس طرح تجھ سے دوستی کریں ہم کوئی اپنے دشمن تو نہیں کہ خواہ مخواہ اپنی جان کو غم عشق میں ہلاک کریں۔ دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اچھا غیر کو تجھ سے محبت ہی تھی۔ ہم مان لیتے ہیں کیونکہ اگر ہم نہ مانیں گے تو تو ناراض ہو جائیگا اور قطع تعلق ہی کر لے گا۔ اب تعلق تو ہے *

۵۔ جو کچھ بھی تعلق ہو اپنی ہستی ہی سے ہونا چاہئے۔ اگر اپنی ہستی سے آگہی نہیں تو غفلت ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ اپنی ہستی سے آگہی یا غفلت ہی سے انسان خدا کو پہچان سکا ہے۔ اگر خود کو پہچان لے گا تو خدا کو بھی جان لیو لگا اور اگر خود سے بے خبر ہو جائیگا تب بھی معرفت الہی حاصل کر لیا *

۶۔ عمر خواہ برق جیسی رفتار ہی رکھتی ہو۔ مگر اتنی فرصت تو مل ہی جاتی ہے کہ ہم اپنے دل کو خوں کر سکیں۔ یعنی خرامشات نفسانی کو فنا کر دیں *

۷۔ ہم ترکِ وفا کرنے والے نہیں ہیں۔ ہم سمجھیں گے کہ عشق نہیں کیا بلکہ مصیبتیں خرید لیں ہیں۔ ہم مصیبتوں سے گھبرا کر عشق نہ چھوڑیں گے *

۸۔ اے فلک، اے انصاف کچھ تو دے۔ یہ تو ہم ہیں کہ چونکہ تو نا انصاف ہے ہم کو ہمارا حق نہ دیا۔ مگر ہمیں آہ فریاد کرنے کی ہمت تو دے *

۹۔ معشوق کا قول ہے کہ بے نیازی تو میری عادت ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں ہم تیری عادت تو چھڑا نہیں سکتے بہر حال ہمیں تسلیم کا عادی بننا پڑیگا *

۱۰۔ اے اسدیار سے چھڑ چھاڑ رہی چاہئے یعنی کچھ تعلق ضرور رکھنا چاہئے۔ اگر وصل نہ ہوگا تو حسرت وصل ہی ہے *

بے آرمیدگی میں نکوشش بجا مجھے ۱ صبح وطن ہے خندہ دندان نما مجھے
 ڈھونڈتے ہے اُس مفتی آتش نفس کو جی ۲ جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے
 مستانہ طے کروں ہوں رہِ دادی خیال ۳ تاباز گشت سے نہ رہے نہ عاب مجھے
 کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں ۴ آنے لگی ہے نہکت گل سے حیا مجھے
 کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

۵ شعروں کے انتخاب نے رُسا کیا مجھے

۱۔ میرے آرام طلب ہونے کی بنا پر مجھے ملامت کرنا بجا ہے۔ اور اسی لئے صبح وطن
 میرے اوپر قہقے اُڑا رہی ہے گویا مجھے ملامت کر رہی ہے بد خندہ دندان نما۔ ایسی سنسی
 جس میں دانت ظاہر ہو جائیں + خندہ دندان نما کو باعتبار سفیدی دندان صبح وطن سے
 تشبیہ دی گئی ہے +

۲۔ میرا دل ایسے آتش آواز گانے والے کو ڈھونڈتا ہے۔ جس کی آواز میرے لئے
 جلوہ برق فنا ہو جائے۔ یعنی مجھ کو فنا کر دیو سے تاکہ غم ہائے دنیا سے نجات حاصل ہو جائے
 ۳۔ میں دادی خیال کا راستہ مستانہ وار طے کر رہا ہوں تاکہ واپس ہونا میرا مقصد ہی ہے
 مطلب یہ کہ میں اپنے خیالات میں گم ہو جاتا ہوں +

۴۔ اگرچہ نہکت گل بے حیائی کے سبب بدنام ہے مگر تو باغ میں جا کر ایسی بے حجابیاں
 کرنے لگا ہے کہ مجھے نہکت گل سے شرم آنے لگی ہے +

۵۔ اگر لوگ شعروں کا انتخاب نہ کرتے۔ اور میرے اشعار پسندیدہ اور منتخب نہ ہوتے
 تو میرے دل کا راز کیوں کسی پر کھلتا اور کیوں میں رُسا ہوتا +

(۱۴۴)

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
 ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ حصار کھتے تھے

اے غالب جب ہماری زندگی اس شکل سے یعنی رنج و مصیبت میں گزری ہے تو ہم کس طرح یہ بات فخر یہ کہہ سکیں گے کہ ہم بھی خدا رکھتے تھے (اس شعر میں مرزا صاحب کی شوخی طبع جھلک دکھائی ہے) *

(۱۲۷۵)

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے ۱ بیٹھا رہا اگرچہ اشار سے ہوا کئے
دل ہی تو ہے سیاستِ دربان سے ڈر گیا ۲ میں اور جاؤں در سے سے بن صدا کئے
رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے ۳ مدت ہوئی ہے دعوتِ آب و مٹوا کئے
بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمرِ خضر ۴ حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اولیٰ ۵ تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے
کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو ۶ کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کئے
صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو ۷ دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے
ضد کی ہے اور بات مگر خو بڑی نہیں ۸ بھولے سے اُس نے سینکڑوں وعدے وفا کئے
غالب تہمتی کہو کہ ملے گا جواب کیا
۹ مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

۱۔ بزمِ یار میں مجھ بے حیا اور بے شرم بن کر بیٹھا پڑتا ہے یعنی اگر بے شرمی اختیار نہ کروں تو بیٹھ ہی نہیں سکتا کیونکہ اغیار مجھے نشانہ بنا کر ازراہ تمسخر آپس میں اشار سے کناہے کرتے رہے (گویا اُن کے خیال میں میرا بزمِ یار میں جانا جبکہ یار میری جانب نگہ التفات ہی نہیں کرتا میری بڑی حماقت تھا) دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ یار میری جانب اشار سے کرتا رہا کہ مرزا صاحب آپ بزم سے اُٹھ جائیے مگر میں بیجا بی بیٹھا رہا *

۲۔ دل ہی تو ہے بعض وقت ذرا سی بات سے خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ میں دربان

کے دھمکانے سے ڈر گیا وہ نہ کب ممکن تھا کہ میں تیرے در سے فیقروں کی طرح صدا لگائے بغیر چلا جاتا +

۳۳۔ سال بھر کے بعد موسم بہار آیا ہے اس کی دعوت کرنی ضروری ہے یعنی شراب پینا ضروری ہے۔ پیسے پاس نہیں اس لئے خرچہ و سجادہ رہن کر کے شراب پیتا ہوں (مرزا صاحب فرماتے تو اپنی نہت ہیں لیکن طعن زاہد پر ہے کہ موسم بہار میں وہ بھی شراب پئے بغیر نہیں رہ سکتا) خرچہ و سجادہ رہن رکھتا پھرتا ہے نہت اس کا یہ کہ خرچہ و سجادہ نابدول کے ہی پاس ہوتا ہے +

۳۴۔ شعر صاف ہے۔ حضرت سے مراد حضرت خضر ہیں +

۳۵۔ گنج ہائے گرانمایہ سے مراد بڑے لوگ یا حسین لوگ ہیں +

۳۶۔ تہمتیں تراشنا۔ تہمتیں لگانا + آسے چلنا۔ ظلم ہونا + آسے اور تراشنا میں رعایت لفظی بھی ہے +

۳۷۔ شعر صاف ہے اگرچہ صاف بازاری ہے +

۳۸۔ اُسے کسی وقت ضد ہی ہو جائے تو اور بات ہے مگر اُس کی عادت بُری نہیں یعنی عادت بُری نہیں کیونکہ اُس نے بھولے سے سینکڑوں وعدے وفا کئے +

۳۹۔ ملے گا جواب کیا۔ یعنی جواب نفی میں ملے گا۔ غالب تم ہی سوچ کر بتاؤ کہ تمہیں وہ کیا جواب دینگے۔ یہ مانا کہ تم کہتے بھی رہے اور وہ سنتے بھی رہے +

(۱۲۶)

زقارِ عمر قطع رہ اضطراب ہے ۱ اس سال کے حساب کے برق آفتاب سے
مینائے مئے ہے سروِ نشاطِ بہار سے ۲ بالِ تدر و جلوہ موجِ شراب ہے
زخمی ہو ہے پاشنہ پائے ثبات کا ۳ نے بھاگنے کی گول نہ اقامت کی تاب ہے
جادو بادہ نوشی رنداں ہے شش جہت ۴ غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے

نظارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حُسن کا ۵ جوشِ بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں ۶ مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے
گزر اُس سترتِ پیغامِ یار سے
قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوالِ جواب ہے

۱۔ منجم لوگ سالِ آئندہ کا حساب رفتارِ آفتاب سے لگاتے ہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے
کہ رفتارِ عمر چونکہ روا اضطراب کو طے کر رہی ہے اس کا حساب بجائے آفتاب کے برق
سے کرنا چاہئے (برق اور اضطراب میں رعایتِ لفظی ہے) مطلب یہ ہے کہ عمر کی مدت
بجلی کے چمکنے کی مدت کے برابر ہے +

۲۔ شراب کی بوتل کو سرو سے اور تدر یعنی چکور کے پر کو موجِ شراب سے تشبیہ دی گئی
ہے + سرو اور تدر میں رعایت ہے کیونکہ تدر و سرو پر عاشق ہوتا ہے +
۳۔ پائے ثبات کی ایڑی زخمی ہو گئی ہے۔ اس لئے نہ تو میدانِ عشق سے بھاگ سکتے ہیں
اور نہ ٹھہرنے کی تاب ہے +

۴۔ یہ شعر بھی حقیقت میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام دُنیارندانِ مے حقیقی کی بادہ نوشی
کے لئے جاؤاد ہے۔ یعنی محبتِ الہی کی شراب پینے والے دُنیا کی ہر شے میں جلوہ الہی کا
دیدار دیکھتے ہیں۔ اگرچہ غافل لوگ خراب سمجھتے ہیں +

۵۔ قوتِ نظارہ اُس کے حُسن کی بجلی کی تاب کب لاسکتی ہے جس کے جلوہ حسن
کے لئے جوشِ بہار کا نقاب ہے + جوشِ بہار سے مراد گل و سبزہ ہے +

۶۔ نگاہ تو تیرے رُخ کے دیدار سے سیر ہو جاتی ہے۔ لیکن دل کی تسلی کس طرح ہو
یہ تو وصل کے بغیر تسلی پا ہی نہیں سکتا +

۷۔ اسے اسد میں سترتِ پیغامِ یار سے باز آیا۔ مجھ سے تو یہی رشکِ برداشت ہوتا ہے
ہے کہ قاصد اُن سے باتیں کرے گا +

(۱۴۷)

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر شکا آجائے ہے ۱ میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
 ہاتھ دھول سے ہی گرمی گراندیشہ میں ہے ۲ آئینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے
 غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے ۳ گر حیا بھی اُسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے
 شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جاسیے ۴ دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
 دُور چشم بدتری بزم طرب سے واہ وا ۵ نغمہ ہو جاتا ہے اں گرنالہ میرا جائے ہے
 گرچہ ہے طرزِ تغافل پردہ دارِ رازِ عشق ۶ پرہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 اُس کی بزمِ آریاں سنکر دلِ رنجوریاں ۷ مثلِ نقشِ برِ عا سے غیر بیٹھا جاسے ہے
 ہو سکے عاشق وہ پری رُخ اور نازک بن گیا ۸ رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اُرتا جائے ہے
 نقش کو اُس کے مستور پہ بھی کیا کیا ناز ہیں ۹ کھینچتا ہے برقعہ تباہی کھینچتا جائے ہے
 سایہ میرا مجھ سے مثلِ دود بھاگے ہے اسد
 ۱۰ پاس مجھ آتشِ بجاں کے بس سے ٹھہرا جائے ہے

۱۔ میری بھیبسی تو دیکھئے کہ بٹھے آپ اپنے اوپر شک آجاتا ہے۔ بھلا میں کب اس خوشی کو برداشت کر سکتا ہوں کہ میں اُسے دیکھ رہا ہوں یعنی اُس سے سن کا دیدار کرتا ہوں۔ اسلئے اپنے اوپر رشک کی وجہ سے اُس کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ یہ میری بھیبسی ہے +
 ۲۔ اگر ہی گرمی اندیشہ ہے تو دل سے ہاتھ دھو بیٹھ گویا شیشہ شراب کی تیزی سے پگھلا جا رہا ہے + گرمی اندیشہ کو تندی صہبا سے اور دل کو آئینہ سے تشبیہ کیا ہے +
 ۳۔ "گر حیا بھی اُس کو آتی ہے" یعنی غیر کی گستاخی اور خواہش بجا سے اور شرما جائے ہے یعنی غیر سے یا اُس کے ٹکرا کر نہ سے (ازیادگار غالب) +
 ۴۔ شوق کو نالہ کرنے کی یہ بیماری کہ ہر دم نالے کھینچتا رہتا ہے۔ اور دل کی یہ حالت کہ سانس لینے سے بھی گھبرا جاتا ہے +

۵۔ تیری بزمِ طرب سے چشمِ بد دور رہے۔ واہ واہ۔ اگر وہاں یعنی تیری محفل میں تیرا نالہ پہنچتا بھی ہے تو بزمِ طرب کے اثر سے نغمہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ نالے کا اثر مخالف ہو جاتا ہے چشمِ بد دُور طمنز اُگھا گیا ہے +

۶۔ گرچہ ہمارا طرزِ تغافل رازِ عشق کا پردہ دار ہے یعنی ہم اسلئے معشوق سے تغافل کرتے ہیں کہ رازِ عشق چھپا رہے۔ مگر ہم اتنے گم ہو جاتے ہیں کہ معشوق کو ہمارے مُبتلائے عشق ہونے کا پتہ چل جاتا ہے +

۷۔ معشوق کی بزمِ آرائیوں کا حال سُنکر میرا رنجور دل رقیب کے نقشِ مدعا کی طرح بیٹھا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ رقیب کے ساتھ معشوق کی بزمِ آرائیاں میرے دل پر ایسا بُرا اثر کرتی ہیں کہ دل بیٹھا جا رہا ہے۔ جیسے کہ غیر کے مطلب کا نقش بیٹھا جا رہا ہے۔ یعنی وہ معشوق کے دل میں گھر کرنا جا رہا ہے +

۸۔ وہ پری جیسے چہرے والا معشوق عاشق ہو کر اور بھی نازک بن گیا۔ علاوہ بریں جتنا اُس کا رنگ اڑ رہا ہے اتنا ہی ادر کھلتا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ غمِ عشق کی وجہ سے معشوق کزور ہو کر اور نازک ہو گیا اور اُس کا رنگ بھی زیادہ گورا ہو گیا +

۹۔ اُس کی تصویر بھی مصوّر سے کیسے کیسے ناز کرتی ہے۔ مصوّر جس قدر اُس کو کھینچتا یعنی بناتا ہے وہ اتنا ہی مصوّر سے کھینچتی جاتی ہے یعنی غور کرتی ہے۔ چونکہ اُس میں غور اور کشیدگی ہے اس لئے تصویر میں بھی غور اور زکیر موجود ہے۔ کھینچنا سے مراد تصویر کا کھینچنا بھی ہے اور غور اور کھچی دٹ بھی +

۱۰۔ اسے اسد میر سا یہ دھوئیں کی طرح مجھ سے دُور بھاگتا ہے۔ بھلا میر سے پاس جس کی جان و دل میں آگ لگی ہوئی ہے کون کٹہر سکتا ہے + قاعدہ ہے کہ سایہ انسان سے آگے چلتا ہے +

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے ۱ تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے
 نیسۂ نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم ۲ لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے
 کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستاریے وہم ۳ کر دیا کافران اصنام خیالی نے مجھے
 ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
 ۴ عجب آرام دیا بے پردہ بالی نے مجھے

۱۔ لیالی۔ جمع لیل + فرماتے ہیں تصویرِ قالیچہ نے مجھے گرم فریاد رکھا کیونکہ تصویر مجھے تیری
 یاد دلاتی رہی لیکن شہنائے ہجر کی سردی نے مجھے اماں بخشی۔ ورنہ گرمی فریاد سے حالت غیر
 ہو جاتی +

۲۔ نقدِ دنیا اور نیسۂ عقبی کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ میں ان کے ہاتھ کب تک سکتا تھا
 مجھے تو میری ہمت عالی نے خرید لیا۔ مطلب یہ کہ میری ہمت عالی نے مجھے دنیا کی دولت
 اور عقبی کے شراب و حور کے وعدوں پر پک جانے سے باز رکھا یعنی میں ان دونوں میں سے
 کسی کا خواہشمند نہیں نہ دنیا کا نہ عقبی کا بلکہ میرا مدعا تو معشوق حقیقی ہے (صرفیہ کا قول ہے
 کہ طالبِ دنیا زن ہے۔ طالبِ عقبی محنت ہے اور طالبِ الہی مرد ہے)

۳۔ وحدت کو کثرت سے آراستہ کرنا وہم پرستی ہے۔ ان خیالی بتوں نے مجھے کافر بنا دیا
 مطلب یہ کہ کثرت کو وحدت میں شریک کرنا کافر بنا دیتا ہے۔ وحدت وحدت ہے اور
 کثرت کثرت۔ خدا لاشریک ہے +

۴۔ قفس میں بے پردہ بال ہونے نے مجھے عجب آرام بخشا ہے۔ کیونکہ ہوس گل کا خیال
 بھی جاتا رہا +

(۱۴۹)

کارگاہِ ہستی میں لالہ داغِ ساماں ہے ۱ برقِ خرمنِ راحتِ خونِ گرمِ دہقاں ہے
 غنچہِ ناشگفتن با برگِ عافیت معلوم ۲ با وجودِ دلجمعی خوابِ گل پریشاں ہے

ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
۳ داغ پشت دست عجز شعلہ حسن مذاں ہے

۱۔ دہقان کی کوشش لالہ کے حق میں اُس کی راحت کے خرمن کا برق ہے۔ دہقان
سجرا لالہ پر اس قدر سعی کرتا ہے لیکن اُس کا حاصل داغ لالہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وجود
ہی موجب رنج ہے +

۲۔ غنچے کے کھلنے تک اُس کی عافیت کا ساز و سامان معدوم ہے۔ باوجود دلجمعی گل
کے اُس کا خواب پریشان ہے یعنی غنچہ کھلنے کے وقت تک عافیت سے نہیں رہ سکتا
اور باوجود اس کے کہ گل کی ظاہر صورت سے اُس کی دلجمعی ظاہر ہوتی ہے لیکن اُس
کے خواب یعنی اُس کی خامشی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پریشانی کا مادہ اُس کے اندر موجود
ہے (اور بہت جلد اُس کی پٹھریاں پریشان ہو جائیں گی)

۳۔ ہم بیتابی کا رنج کس طرح اٹھا سکتے ہیں۔ جب بیتابی کی وجہ سے داغ پشت
دست عاجزی بنا ہوا اور شعلہ دانتوں میں تنکالٹے ہوئے زبان حال سے عاجزی
کر رہے ہیں۔ شعلہ کو اوپر سے پتلا ہونے کی بنا پر خس بد مذاں بتلایا گیا ہے۔ اور داغ
کو گولائی کی وجہ سے پشت دست عجز سے تشبیہ دی گئی ہے +

(۱۵۰)

اُگ رہا ہے درو دیوار سے سبزہ غالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے
اے غالب ہم تو بیاباں نوردی سامان میں ہیں۔ اور گھر میں موسم بہار کی وجہ
سے درو دیوار سے سبزہ اُگ آیا ہے اور عجیب بہار دکھلا رہا ہے +

(۱۵۱)

سیادگی پر اُس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے ۱ بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا ۲ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ملے بائیں ہمہ ۳ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے
 بس ہجوم ناامیدی خاک میں بل جائیگی ۴ یہ جو اک لذت ہماری سعی بیجا مل میں ہے
 رہنچ رہ کیوں کھینچے داماندگی کو عشق ہے ۵ اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی ۶ فتنہ شور قیامت کس کے آب و گل میں ہے
 ہے دل شوریدہ غالب طلسم بیچ و تاب
 رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱۔ اُس کی سادگی پر مرجانے کی حسرت ہمارے دل میں ہے۔ لیکن ہمارا بس نہیں چلتا
 کیونکہ قاتل نے پھر خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خنجر ہی سے قتل ہونا پڑا لگا۔ سادگی پر
 مرنا اس وجہ سے ناممکن ہو گیا کہ خنجر بکف ہونے سے اُس کی سادگی کو دور کر دیا۔
 ۲۔ کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ جو بات قاتل کے مُنہ
 سے نکلے۔ وہ سامع کے دل میں اس طرح اتر جائے کہ اُس کو پشیم ہو کہ یہ بات پہلے
 ہی سے میرے دل میں تھی (از یادگار غالب) +

۳۔ اگرچہ اُس کی محفل میں میرا ذکر بہت بُرائی میں ہو رہا ہے۔ لیکن باوجود اس کے
 بھی میرا ذکر مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اُسے اُس محفل میں باریابی تو حاصل ہو جاتی ہے جس
 توان کی محفل میں قدم بھی نہیں دھر سکتا +

۴۔ اسے ہجوم ناامیدی بس کر ہماری اُس لذت کو جو ہماری سعی بے حاصل میں حاصل
 ہوتی ہے خاک میں نہ ملا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری سعی سے کچھ حاصل نہ
 ہو گا مگر ہمیں اس سعی میں ایک قسم کا لطف آ رہا ہے +

۵۔ داماندگی کو ہم سے عشق ہے اس لئے راستے کی تکلیف کیوں اٹھائی جائے اب
 ہمارا قدم اپنی جگہ سے نہیں اٹھ سکتا گویا منزل پر پہنچ چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

چونکہ عاجزی کو ہم سے عشق ہے اس لئے کامیابی ناممکن ہے +

۷۔ ہمارا دل آتشِ دوزخ کا جلوہ زار یعنی نمونہ سہی۔ مگر فتنہ تو زیارت کس کے ضمیر میں ہے
یعنی آپ فتنہ قیامت کا نمونہ ہیں +

۸۔ غالب کا دل شوریدہ ایک طلسمِ بیچ و تاب ہے۔ اسے معشوق تو اپنی تمنا پر (یعنی مجھے
جو تیری تمنا ہے) رحم کر اور اسے اس مشکل سے نجات دے۔ مطلب یہ ہے کہ میری تمنا پوری
کر دے +

۷. 9 mp (۱۵۲)

دل سے تری نگاہ جگہ تک اتر گئی ۱۔ دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی
شوق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ ۲۔ تکلیف پرودہ داری زخمِ جگر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں ۳۔ اُٹھے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی
اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں ۴۔ بائے اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
دیکھو تو دل فریبی اندازِ نقشِ پا ۵۔ موجِ خرامِ یار بھی کیا گلِ کتر گئی
سربو الہوس نے حسنِ پرستی شعار کی ۶۔ اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی
نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا ۷۔ مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی
فرداودی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا ۸۔ کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی
مارا زمانہ نے اسدِ التذال تمہیں
وہ دلو لے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

۱۔ شعر صاف ہے +

۲۔ میرا سینہ شک ہو گیا اور اب لذتِ فراق مزے سے اٹھائیں گے۔ کیونکہ سینہ شوق
ہونے سے زخمِ جگر کی پردہ داری کی تکلیف جاتی رہی +

۳۔ نہ وہ شباب ہے نہ وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں۔ اب لذتِ خوابِ سحر بھی جاتی رہی

یعنی پیری آگئی اب نیند بھی رُو چکر ہوئی +

۴ - میری تمنا اب مرنے کے بعد پوری ہوئی یعنی ہوا میری خاک کو اڑا کر کوئے
یار میں پہنچا رہی ہے +

۵ - یار کے نقش پا کے انداز کی دلفریبی تو دیکھو کہ مروج خرام یار کیسے دلفریب نقش بنا گئی
۶ - اب ہر ایک بوالہوس نے بھی حسن پرستی کا طریقہ لے لیا۔ یوں سمجھئے کہ اپنی نظر پرینی
پتھے عاشقوں کے عشق کی آبرو جاتی رہی +

۷ - میری دید نے بھی اُن کے چہرے پر نقاب کا کام کیا کیونکہ ہر ایک نگاہ اُس کے
حسنِ رُخ سے مست ہو کر چہرے پر بکھر گئی +

۸ - کہتا ہے کہ تمہارے جاتے ہی خود رفتگی و خود فراموشی کی یہ حالت ہو گئی کہ آج
اور کل کی مطلق تمیز نہ رہی اور ایسا ہی قیامت کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی اور
مستقبل دونوں تبدیل بہ حال ہو جائیں گے۔ بس تم کیا گئے گویا قیامت گزر گئی۔ قیامت
کے گزرنے کے دو معنی ہیں نہایت سختی کا زمانہ گزرنا اور خود قیامت کا آ جانا (از یادگار
غالب) +

(۱۵۳) -

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے ۱ خورانِ خلد میں تری صورت مگر ملے
اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل ۲ میرے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے
ساتی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم ۳ ہر شب پیاسی کرتے ہیں جس قدر سے
تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اسے ندیم ۴ میرا سلام کہیو اگر نامہ بر ملے
تم کو بھی ہم دکھائیں کہ مجنوں نے کیا کیا ۵ فرصت کشاکش غمِ نہاں سے گر ملے
لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں ۶ جانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے
اسے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا ۷ تم کو کہیں جو غالب آشفہ سر ملے

۱۔ اگر خلد میں تیز دیدار بھی میسر آجائے تو ہم تسکینِ قلب کی پروا نہ کریں۔ لیکن یہ بھی تو مشکل ہے کہ کسی خور سے تیری صورت ملے۔ یعنی خلد میں کوئی بھی خور تیرے جیسی حسین نہ ہوگی +

۲۔ تو بعد قتل مجھے اپنی گلی میں دفن نہ کر۔ کیونکہ اگر میری قبر تیری گلی میں ہوگی تو تیرے گھر کا پتہ پوچھنے والوں کو لوگ یہ پتہ بتائیں گے کہ جس گلی میں مرزا صاحب کا مزار ہے وہاں چلے جائے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ قیہوں کو میرے پتے سے تیرے گھر کا پتہ ملے کیونکہ یہ رشک میں برداشت نہیں کر سکتا۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب لوگ میرے پتہ سے تیرا مکان معلوم کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ میرا قاتل تو یہی ہے اور میں اپنے مرنے کے بعد بھی تیری بدنامی نہیں چاہتا +

۳۔ آج اپنی ساتی گری کی شرم کرو اور ہمیں شراب سے سیر کر دو۔ تھوڑی بہت تو ہم شب کو روز پنی ہی لپتے ہیں +

۴۔ اے دوست تجھ سے تو مجھے کچھ شکایت نہیں۔ لیکن اگر کہیں تمہیں میرا نامہ بریل جائے تو اُسے میری طرف سے جھک کر سلام کرنا (اور کہنا کہ حضرت یونہی شیخی بگھارا کرتے تھے کہ میں ابھی معشوقی سے تمہارے نامہ کا جواب لائے دیتا ہوں۔ عرصہ گزرنا نامہ لے کر گئے تھے۔ نہ جواب نامہ لائے نہ خود واپس پھرے) +

۵۔ اگر غم نہاں کی کشاکش سے ذرا فرصت ملے تو ہم تم کو دکھلائیں کہ مجنوں نے کیا کیا مصائب جھیلے۔ مطلب یہ کہ جب ہم بیاباںِ نوردی کا ارادہ کرتے ہیں۔ ہمارا غم نہاں ہماری راہ میں مانع ہوتا ہے کہ ایسا نہ کرنا مبادا راز افشا ہو جائے اور رسوائی ہو +

۶۔ ہمارے لئے حضرت خضر کی پیروی ضروری نہیں۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ وہ ایک بزرگ اور ہمارے ہم سفر ہیں۔ ہم کیوں نہ اُن سے آگے نکل جائیں +

۷۔ آشفۃ سر۔ پریشانِ دماغ + مقطع صاف ہے +

(۱۵۴)

کوئی دن گر زندگانی اور ہے ۱ اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں ۲ سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے
 بار بار دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں ۳ پر کچھ اب کے سرگردانی اور ہے
 دسے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر ۴ کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 قاطع اعمار ہیں اکثر نجوم ۵ وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالبِ بلائیں سبب تمام

ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

۱۔ ہم نے اپنے دل میں یہ ٹھانی ہے کہ اگر کوئی دن زندگی اور ہے تو ہم تم سے قطع
 تعلق کر دیں گے کیونکہ ہم تمہارے مظالم سے بہت تنگ آ گئے ہیں +
 ۲۔ دوزخ کی آگ میں ایسی تیزی کہاں۔ دل کے غموں کی آگ آتش دوزخ سے بھی
 زیادہ تیز ہے +

۳۔ وہ ہم سے ناراض ہو چکے ہیں۔ لیکن اس دفعہ کچھ ایسے ناراض ہوئے ہیں کہ ان کا فرماند
 ہونا ممکن نظر نہیں آتا +

۴۔ نامہ بر مجھے اُن کا خط دینے کے بعد میرا منہ بگڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے
 کچھ پیغامِ زبانی بھی دیا ہے لیکن وہ ایسا فحش اور دل آزار پیغام ہے کہ نامہ بر اُس کے بیان
 کرنے میں پس و پیش کر رہا ہے اُس کی زبان نہیں کھلتی +

۵۔ اعمار۔ جمع عمر + مطلب یہ ہے کہ اکثر نجوم کے اثرات سے عمریں قطع ہو جاتی ہیں
 لیکن اُس کا عشق سب سے بُری بلا ہے۔ نجوم کو قاطع اعمار ہی ہیں لیکن اس کا عشق انسان
 کو گھٹا گھٹا کرتا ہے +

۶۔ اے غالب ہم پر جتنی بلائیں آئی تھیں اُنچکیں۔ اب عالم ضعیفی ہے۔ موت کا وقت

قریب ہے۔ بس مرنے کی مصیبت اور باقی ہے۔ لیکن موت کا کوئی وقت معین نہیں دیکھتے
کب آتی ہے *

(۱۵۵) ۱۵۵

۱ کوئی اُمید بر نہیں آتی ۱ کوئی صورت نظر نہیں آتی
۲ موت کا ایک دن معین ہے ۲ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
۳ آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی ۳ اب کسی بات پر نہیں آتی
۴ جانتا ہوں ثواب طاعت زہد ۴ پر طبیعت ادھر نہیں آتی
۵ ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپٹوں ۵ ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
۶ کیوں نہ چنچوں کہ یاد کرتے ہیں ۶ میری آواز گر نہیں آتی
۷ داغ دل گر نظر نہیں آتا ۷ بُو بھی اسے چارہ گر نہیں آتی
۸ ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی ۸ کچھ ہماری خبر نہیں آتی
۹ مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی ۹ موت آتی ہے پر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاو گے غالب

شرمِ تم کو مگر نہیں آتی

۱ - کوئی امید پوری نہیں ہوتی۔ نہ اُمید پوری ہونے کی کوئی صورت نظر آتی ہے *
۲ - موت کے لئے تو ایک دن معین ہے اس لئے معینہ دن سے پہلے نہیں آتی۔
لیکن نیند تمام رات کیوں نہیں آتی اُس کے لئے تو کوئی دن مقرر نہیں ہے۔ (مطلب
یہ کہ شبِ فرقت جاگ کر گزاری جاتی ہے) *
۳ - پہلے تو مجھے اپنے دل کے حال زار پر بھی ہنسی آ جاتی تھی۔ لیکن کب تک مصائب
کو مصائب نہ سمجھتا آخر صبر کی حد ہوتی ہے۔ اب اس قدر پریشان و پڑمردہ رہتا ہوں کہ
کسی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی یعنی ہنسی کی بات پر بھی ہنسی نہیں آتی *

۴۔ زہد و عبادت خدا کا ثواب جانتا ہوں۔ لیکن کیا کروں میری طبیعت اُدھر راغب ہی نہیں ہوتی (اس میں میرا کیا تصور ہے) یہ شعر بھی مرزا صاحب کی ظرافت طبع پر دلالت کرتا ہے +

۵۔ میرے دل پر اس وقت نہایت ہی صدمہ ہے جو چپ بیٹھا ہوا ہوں ورنہ کیا مجھے بات کرنی نہیں آتی +

۶۔ میں کیوں نہ نالہ کشی کروں کہ جب کبھی چپکا ہو جاتا ہوں اور میری آواز ان کے کان میں نہیں پہنچتی تو وہ مجھے یاد کرتے ہیں۔ گویا مرزا صاحب اپنی رہائش گاہ کے ہمسائے میں یا زیر دیوار تصور فرماتے ہیں۔ اور وہاں نالہ کشی کرتے رہتے ہیں۔ یا رابسا ستمگر ہے کہ اُسے عاشق کی نالہ کشی میں لطف حاصل ہوتا ہے +

۷۔ اے چارہ گر تجھے اگر میرے دل کا داغ نظر نہیں آتا تو کیا میرے جگر کے جلنے کی بُ بھی نہیں آتی۔ ذرا سونگھ تو کیا اب ہوا جاتا ہے + اگر تجھ کو جگر کے جلنے کی بُ نہ آئے تب ہی مجھ کو ٹھٹھلاؤ +

۸۔ غم عشق میں ہم ایسے بخود اور خود فراموش ہو گئے ہیں کہ ہمیں کچھ اپنی خبر بھی نہیں آتی۔ ہم مرنے کی آرزو میں مر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں موت نہیں آتی۔ حالانکہ دُنیا میں ہزاروں لاکھوں آدمی روزمرہ مرتے ہیں +

۹۔ اے غالب کیا تمہارا مُنہ اس قابل ہے کہ تم کعبہ جانے کا ارادہ کرو۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی۔ تمام عجم حرام شراب تمہارے مُنہ سے لگا رہا اور معشوق پرستی کرتے رہو۔ اب کعبہ کس مُنہ سے جانے کا ارادہ کرتے ہو + اس شعر میں اعتراف گناہ کی صداقت جھلکتی ہے +

دوسرا ۱۵۶

۱۔ دلِ نادان تجھے ہوا کیا ہے + آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار ۲ یا الہی یہ ماجد کیا ہے

۱۔ میں بھی مُنہ میں زباں رکھتا ہوں ۳ کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
 ۲۔ جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود ۴ پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
 ۳۔ یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں۔ ۵ غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
 ۴۔ شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے ۶ نگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے
 ۵۔ سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ۷ ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
 ۶۔ ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید ۸ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 ۷۔ ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا ۹ اور درویش کی صدا کیا ہے
 ۸۔ جان تم پر نثار کرتا ہوں ۱۰ میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

۱۔ اے دل نادان تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تُو نے مجھ کو اس قدر بچپن کر رکھا ہے آخریے
 درد کی دوا کیا ہے۔ تیرا مرض تو لا علاج معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ ستمگر تو وصلِ پر نامند
 ہو نہیں سکتا +

۲۔ گویا ابھی عشق کے گوچہ میں قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق میں راز و نیاز کی
 باتیں ہوتی ہیں ان سے ناواقف ہے اس لئے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے
 بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے (از یادگار غالب) +

۳۔ تم غیروں سے اُن کے مدعا پوچھتے رہتے ہو۔ کاش تم کسی روز مجھ سے بھی میرا پوچھو
 تو کیا میں مُنہ میں زباں نہیں رکھتا کہ جواب نہ دے سکوں گا۔ مطلب یہ کہ تم غیروں
 پر ہی جہریاں ہو +

۴۔ اے خدا جبکہ تیرے سوا کوئی اور دُنیا میں موجود ہی نہیں یعنی جبکہ دُنیا میں تو ہی تو
 ہے پھر دُنیا میں یہ ہنگامہ آرائی کس لئے ہے +

- ۵۔ یہ حسین لوگ کیا بلا ہیں۔ اور ان کے غمزہ و اداسی کیا دہال ہیں +
- ۶۔ زلفِ عنبر تو میں شکن کیوں ہے۔ اور چشمِ سرمہ سا کی نگاہ کیا چیز ہے +
- ۷۔ سبزہ و گل کہاں سے لائے گئے ہیں اور ابرو ہوا کیا چیزیں ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی کیا ماہیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے انوار الہی ظاہر ہوتے ہیں اگر انسان ذرا غور کرے تو ان کی پرستش نہ کرے اور معبود حقیقی کی عبادت میں مشغول ہو جائے۔
- ۸۔ ہم اُن سے وفا کی کیا امید کریں جو یہ نہیں جانتے کہ وفا کیا چیز ہے +
- ۹۔ معشوق نے پوچھا ہوگا کہ دروازے پر کیا بڑبڑ کر رہے ہو۔ جواب دیتے ہیں۔
فیکر کی تو یہی صدا ہے کہ بھلا کر تیرا بھی بھلا ہوگا +
- ۱۰۔ میں وفا کی ڈینگیں نہیں مارتا۔ میں تو عملی طور پر وفا دکھلانا چاہتا ہوں یعنی اپنی جان تم پر نثار کر رہا ہوں +
- ۱۱۔ میں نے مانا کہ غالب نکمّا آدمی ہے پھر اگر مُفت تہا رے ہاتھ آئے تو کیا بُرائی ہے۔ آدمی تو ہے۔ مُفت راجہ کُفت +

باسمِ

(۱۵۷)

- کہتے تو ہو تم سب کہ بُتِ غالبیہ مو آئے ۱۔ ایک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے
ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت ۲۔ کچھ کہہ نہ سکوں پردہ مرے پوچھنے کو آئے
ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم ۳۔ آنا ہی سمجھ میں مری آنا نہیں گو آئے
ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیریں ۴۔ ہاں مُنہ سے گمراہ دوشینہ کی بو آئے
جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھکرتے ۵۔ ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس بھیس میں جو آئے
ہاں اہل طلب کون سنے طعنہ نایافت ۶۔ دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے
اپنا نہیں یہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں ۷۔ اُس در پہ نہیں بار تو کعبہ ہی کو ہو آئے
کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقریر ۸۔ اچھے ہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب

۹ ہم بھی گئے وال اور نرمی تقدیر کو رو آئے

۱۔ تم سب یہ دعا مانگ رہے ہو کہ وہ بیت غالبہ (خوشبودار بالوں والا معشوق) آئے۔

کاش تم میں سے کوئی اک مرتبہ گھبرا کر یہ کہے کہ لو وہ آگئے +

۲۔ اے جذب محبت! اب تو کچھ اثر دکھا دے اگرچہ میں کشمکش نزع میں ہوں اور کچھ کہہ

بھی نہیں سکتا لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری مزاج پر سی کے لئے میرے بالیں پر آجائے

۳۔ آپ کا قیام صاعقہ اور شعلہ اور سیلاب کی مانند رہا۔ اگرچہ تم آئے مگر میری سمجھ میں

تو آپ کا آنا آنا نہیں۔ مطلب یہ کہ آپ میرے گھر سے بہت جلد تشریف لے گئے +

صاعقہ گرنے والی بجلی کو کہتے ہیں +

۴۔ ازراہ شوخی کہتا ہے کہ نکیز بن کے سوال و جواب سے بچنے کی کوئی تدبیر اس کے سوا

نہیں کہ شراب پی کر مر میں تاکہ نکیز بن اس کی بوکی کر بہت سے بغیر سوال و جواب کئے چلے جائیں

(از یادگار غالب) +

۵۔ ہم دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر ایک شے میں خدا موجود ہے۔

اس لئے ہم نہ جلاد سے ڈرتے ہیں نہ واعظ سے جھگڑتے ہیں۔ ہمہ دوست +

۶۔ اے اہل طلب (طالبانِ خدا) ہم سے تمہاری طرح یہ طعنے نہیں منے جاتے کہ

برسوں خدا کی تلاش میں رہے اور ناکامی کا منہ دیکھا۔ اس لئے ہم نے تو جب دیکھا

کہ خدا نہیں ملتا تو ہم آپ ہی گم ہو گئے یعنی بخود ہو گئے +

۷۔ ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ خدا نہیں ملا تو ہاتھ پاؤں توڑ کر آرام سے بیٹھ جائیں۔ خدا کا پتہ

نہیں چلا تو ہم کبھی یعنی خدا کے گھر ہی ہو آئے +

۸۔ میرے دوستوں نے معشوق سے از گریہ کے متعلق بحث کی۔ مگر اُس سے تقریر

میں کون جیت سکتا ہے۔ رعبِ حسن چھا گیا اور جلد ہی مان گئے کہ گریہ میں کوئی اثر نہیں

۱۔ دل میں پھر کچھ بچینی سی لگی ہوئی ہے۔ اور سینہ جو یائے زخم کاری ہے۔ زخم کاری سے مراد زخم عشق ہے +

۲۔ پھر ناخن نے زخم جگر کو کریدنا شروع کیا۔ کیونکہ فصل لالہ کاری یعنی موسم گل و لالہ کی آمد ہے۔ قاعدہ ہے کہ جیب برسات کا موسم آتا ہے تو مرطوب ہوا سے پُرانے زخم تازہ ہو جاتے ہیں اور ان میں سوزش ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا ہے کہ ناخن نے زخم جگر کو کریدنا شروع کیا +

۳۔ نگاہِ نیاز یعنی نگاہِ عاشق کے مقصد کا قبلہ پھر وہی پردہ عماری ہے جس کے اندر محبوب سوار ہے + نگاہِ نیاز۔ نگاہِ عاجز یعنی نگاہِ عاشق +

۴۔ (ن) آنکھ دلالِ جنسِ رسوائی بن گئی ہے اور ذوقِ خواری کا خریدار بن گیا۔ مطلب یہ ہے کہ آنکھ نے رونا شروع کر دیا اور دل نے نائے بلند کئے +

۵۔ دل وہی سو سو طریقہ سے فریاد کر رہا ہے اور آنکھ سینکڑوں طرح سے اشکباری کر رہی ہے +

۶۔ ہمارا دل معشوق کے خرامِ ناز کی خواہش میں بیقراری کے حشر کا میدان بن گیا ہے +
۷۔ جلوۂ یار پھر ناز دکھا رہا ہے۔ جان دینے کے بازار گرم ہونے کا زمانہ ہے +
۸۔ پھر ہم اُسی بے دنا معشوق کے عشق کا دم بھرنے لگے۔ اور پھر ہماری زندگی کا وہی حال ہو گیا +

۹۔ پھر ناز کی عدالت کا دروازہ کھل گیا۔ پھر فوجداری کا بازار گرم ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ناز و انداز کی حکومت ہو گئی +

۱۰۔ زلف کو پھر سرشتہ داری مل گئی اور اس لئے جہاں میں اندھیر و ظلم ہونے لگا +
سرشتہ دار۔ عدالت کا بڑا منشی +

۱۱۔ پارہ جگر نے پھر عرضِ گزرائی۔ چاروں طرف فریاد آہ و زاری ہے

۱۲۔ پھر عشق سے گولہ طلب ہوئے۔ شکباری کو شہادت کے لئے بلایا گیا ہے +
 شکباری اور جاری میں تقبی رعایت ملاحظہ ہو +

۱۳۔ دل عاشق اور مرثکان یار کے مقدمہ کی آج پھر پیشی ہے +
 (نوٹ) اس قطعہ میں بہت سے عدالتی الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً سرشتہ داری
 روبکاری۔ حکم۔ سوال۔ فوجداری +

۱۴۔ اسے غالب تمہاری بخودی بے سبب نہیں۔ کسی راز کے چھپانے کے لئے تم نے
 یہ بے خودی کا پردہ ڈال لیا ہے۔ مطلب یہ کہ بخودی کے پردے میں اپنے عشق کو
 چھپانا چاہتے ہو +

(۱۵۹)

جنوں تہمت کش تسکین نہ ہو کر شادمانی کی ۱ نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی
 کشاکش ہائے مستی سے کیسے کیا سخی آزادی ۲ ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت دانی کی
 پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہے
 شرار سنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

۱۔ اگر میں نے تھوڑی دیر کے لئے شادمانی کی تو میرے جنوں پر تسکین حاصل کرنے کی تہمت
 نہ لگائی جائے کیونکہ زندگی کی لذت دل کے زخم پر نمک چھڑکنے والی ہوتی ہے۔ مطلب
 یہ ہے کہ اگر غم زدہ انسان کو تھوڑی دیر کے لئے راحت یا خوشی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر
 اسے سخت و غم بہت گراں معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح اور ہماری تکلیف کو بڑھا دیا ہے
 اور تکلیف و غم کے بڑھ جانے ہی کے سبب ہم نے خوشی منائی ہے۔ لہذا ہمارے
 جنوں پر شادمانی کا خواہشمند ہونے کا الزام نہ لگایا جائے +

۲۔ زندگی کی کشاکش یعنی کھینچا تانی سے آزاد ہونے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ مثال
 کے طور پر دیکھ لیجئے کہ صبح آب نے پانی سے علیحدہ ہونا چاہا اور تھوڑی دیر اس کو ابھرنے

اور چلنے کا موقع بھی مل گیا لیکن اُس کے ابھارا اور روانی نے ہی اُس کو شکل زنجیر بنا دیا گویا اس کو پا بند زنجیر کر دیا۔ پس معلوم ہوا کہ کشاکش ہائے ہستی سے آزادی حاصل کرنا ناممکن ہے۔
 ۴۔ دیوانہ مرنے کے بعد ریاست گاہ طفلان بنا ہوا ہے۔ شرار سنگ (یعنی وہ شعلہ جو پتھر کی رگڑ سے نکلتا ہے) نے اُس کی قبر پر پھول برسائے۔ مطلب یہ کہ دیوانہ کی زندگی میں جو بچے اُسے پتھر مارا کرتے تھے مرنے کے بعد بھی اُس کی قبر پر آتے ہیں اور پتھر مارتے ہیں جن سے شعلے اُٹھتے ہیں اور گویا قبر دیوانہ پر پھول چڑھائے جا رہے ہیں۔

(۱۶۰)

نکوش ہے سزا فریادی بیدار دلبر کی ۱ مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی
 رگِ لیلٰی کو خاکِ دشتِ مجنوںِ ریشگی بستے ۲ اگر بودے بجائے دانہ دہقان نوکِ نشتر کی
 پر پر وانہ شاید بادبانِ کشتی سے تھا ۳ ہوئی مجلس کی گرمی روانی دورِ ساغر کی
 کروں بیدارِ ذوقِ فشانِی عرض کیا قدرت ۴ کہ طاقت اڑ گئی اُڑنے سے پہلے میرے شہر کی
 کہاں تک روؤں اس کے خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
 مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی

۱۔ بیدارِ دلبر کے فریاد کرنے والے کی سزا ملامت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ صبح قیامت بھی اُس پر قہمے اُڑائے یعنی اُس پر ملامت کرے کیونکہ فریادی ضرور اُس روز یعنی روزِ قیامت فریاد کرے گا۔ صبح محشر کو خندہ دندان سے سپید می دندان کے سبب تشبیہ دی گئی ہے اور سپیدی وجہ تشبیہ ہے۔

۲۔ اگر دہقان دانہ کی بجائے دشتِ مجنوں میں نوکِ نشتر کاشت کر دیوے تو لازمی بات ہے کہ وہ نوکِ نشتر رگِ لیلٰی کو زخمی کر دیوے (مقصود اظہارِ جذبہٴ عشق ہے) جب لیلٰی و مجنوں زندہ تھے تو ایک بار لیلٰی نے قصد کھلوائی جذبہٴ عشق کے اثر سے مجنوں کے ہاتھ میں بھی اُسی مقام پر قصد کھل گئی تھی۔

۳۳۔ جب مجلس میں شمع روشن ہوئی تو پروانے اُس پر آکر گرے اور جلنے لگے۔ پروانے پر وائے کے جلنے نے مجلس کی گزری کو اور بڑھایا اس لئے پروانہ دُورِ ساغر کی روانی کا باعث اور بادِ بانِ کشتی نے قرار پایا۔ لفظ شاید نے لطافتِ شعر میں دو چند اضافہ کر دیا ہے +

۳۴۔ پرفشانی۔ پرواز + میں ذوقِ پرفشانی کی بیدار کو بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اڑنے سے پہلے ہی میری قوت پر وار جاتی رہی تو میرے لئے اُس کا بیان کرنا ناممکن ہے + کیونکہ جس چیز سے انسان واقف ہی نہ ہو اُس کو بیان کس طرح کر سکتا ہے +

۳۵۔ میں اُس کے خیمے کے پیچھے کہاں تک روؤں۔ قیامت ہے یعنی غضب تو ہے کہ میری بد قسمتی سے یارِ خمیہ میں رہنے لگا۔ اگر تپھر کی دیوار ہوتی تو سر ٹکرا کر ہی مر جاتا کیونکہ یار پر نور رونے کا اثر ہوتا معلوم نہیں ہوتا خواہ میں اپنی تمام عمر رونے میں صرف کر دوں +

(۱۹۱)

۱۔ بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوئے ۲۔ جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 ۳۔ نہاں تھا دامِ سختِ قریبِ آشیاں کے ۴۔ اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
 ۵۔ ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے ۶۔ یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے
 ۷۔ سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر ۸۔ وہ لوگ رفتہ رفتہ سدا الم ہوئے
 ۹۔ تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں ۱۰۔ تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے
 ۱۱۔ لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوشچکاں ۱۲۔ ہر چند اُس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
 ۱۳۔ اللہ سے تیری نندہی خو جس کے بیم سے ۱۴۔ اجڑائے نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوئے
 ۱۵۔ اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق ۱۶۔ جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے
 ۱۷۔ نامے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے ۱۸۔ جو داں نیچے سکے سو وہ یاں آ کے دم ہوئے
 ۱۹۔ چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی ۲۰۔ سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

جیسی زندگی نصیب ہو۔ (اس شعر میں بھی مرزا صاحب نے شوخی سے کام لیا ہے فرماتے ہیں "یونہی دکھ کسی کو دینا" گویا دُعا ان کی زبان سے نکلتے ہی شرفِ اجابت حاصل کر بیگی۔

(۱۶۳)

ظلمت کد میں میرے شبِ غم کا جوش ہے ۱ اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے
نے ٹرڈہ وصال نہ نظارہ جمال ۲ بت ہوئی کہ آشتی چشمِ دگوش ہے
نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب ۳ اے شوقِ یاں اجازتِ تسلیم و ہوش ہے
گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا ۴ کیا اوج پر ستارہ گوہر فروش ہے
دیدارِ بادۂ حوصلہ ساقی نگاہِ مست ۵ بزمِ خیالِ میکدہ بے خروش ہے
اے تازہ دارِ دامنِ بساطِ ہوائے دل ۶ زہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرتِ نگاہِ ہو ۷ میری سُنو جو گوشِ نصیحتِ نبوش ہے
ساقی بجلوہِ دشمنِ ایمان و آگہی ۸ مطرب بہ نغمہ رہنِ تمکین و ہوش ہے
یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط ۹ دامنِ باغبان و کفِ ظفر و شوش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ ۱۰ یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھئے اگر تو بزم میں ۱۱ نے وہ سرورِ دستور نہ جوشِ خروش ہے
دارِ غ فراقِ صحبتِ سب کی جلی ہوئی ۱۲ اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
آتے ہیں غیب سے یہ مضا میں خیال میں

غالب صریحاً خامہ نوائے سروش ہے

۱۔ مرزا صاحب نے عودِ ہندی میں خود اس مطلع کی شرح لکھی ہے۔ فرماتے ہیں دوسرا

مصرعہ خیر ہے پہلے مصرعہ کی اور پہلا مصرعہ مبتدا شبِ غم کا جوش یعنی اندھیرا ہے۔

(اندھیرا ظلمت غلیظ) سحرِ ناپیدا گویا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں ایک دلیلِ صبح کی بُودِ پیر ہے۔ یعنی کبھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و چراغ صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں لطفِ اس

مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیلِ صبح ٹھہرایا ہے وہ خود ایک صبح ہے منجملہ اسبابِ تاریکی کے۔ پس دیکھنا چاہئے جس گھر میں علامتِ صبح مویدِ ظلمت ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔
۳۔ نہ وصال کا مژدہ سُستا ہوں نہ نظارہٴ جمال سے پہرہ اندوز ہوتا ہوں مدتِ ہوائی کہ نہ چشم کو نظارہٴ جمال حاصل ہوتا ہے نہ گوشِ مژدہٴ وصال سے مسرور ہوتا ہے اس لئے دونوں میں اتفاق ہے

۴۔ نشہٴ شراب نے حُسنِ خود آرا کا حجاب دُور کر دیا۔ اے شوقِ اصفافِ عشق تجھے بھی اپنے ہوش و حواسِ حُسن پر شاکر کر دینے کی اجازت ہے۔ مطلب یہ کہ جب محبوب بے حجاب ہو گیا ہے تو اگر میں بھی بخود ہو جاؤں تو بچا ہے +

۵۔ گوہرِ فروشِ کاستارہ بہت اوج پر ہے کہ اُسے معشوقوں کی گُرنِ بے ہار میں موتیوں کا دیکھنا میسر آتا ہے (ہماری قسمت ایسی کہاں)

۶۔ بزمِ خیالِ میکدہ بے خروش ہے اس میں دیدارِ بادہٴ حوصلہٴ ساقی اور نگاہِ مست ہے مطلب یہ کہ خیالی میکدے کی محفل میں کوئی شور و غل نہیں ہوتا +
۷۔ (رق) اے خواہشاتِ دل کے تازہ گرفتار و خبردار تم ہی نے کاستنا اور شراب کا پینا چاہتے ہو :-

۸۔ اگر تم عبرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو مجھے دیکھو اور اگر تم نصیحت سُنتا چاہتے ہو تو میری بات سُنو +

۹۔ ساقی اس جلوہ گری کے ساتھ ایمان و معرفت کا دشمن ہے۔ اور مطرب اس نغمے کے ساتھ تمکین و ہوشِ کار بہن ہے +

۱۰۔ یا تو رات کو یہ دیکھتے تھے کہ فرش کا ہر ایک کونہ باغبان کا دامن اور گلفِ فروش کا ہاتھ بنا پڑا تھا +

۱۱۔ ساقی کی مستانہ رفتارِ جنتِ نگاہ تھی اور چنگ کی آواز کی دلکشیِ فردوسِ گوش

بنی ہوئی تھی +

- ۱۱۔ صبح کے وقت بزم میں وہ گانا بجانا تھا نہ جوش و خروش +
 ۱۲۔ صرف رات کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے جو داغِ فراق محفل ہے اور خوش ہے
 ۱۳۔ اے غالب قلم کی آواز فرشتہ کی آواز ہے اور میرے خیال میں یہ مضامین غیب
 سے آتے ہیں + صریح - قلم کی آواز +

(۱۶۷) ۱۶۷

آ کہ میری جان کو قرار نہیں ہے ۱ طاقت بیدار انتظار نہیں ہے
 دیتے ہیں جنت حیات دیر کے بدلے ۲ نشہ باندازہ خمار نہیں ہے
 گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو ۳ ٹٹے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے
 ہم سے عبث ہے گمانِ بخش خاطر ۴ خاک میں عشاق کے غبار نہیں ہے
 دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی ۵ غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو باسے ۶ واسے اگر عہد استوار نہیں ہے
 تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱۔ اے معشوق جلد آ کیونکہ میری جان کو چین نہیں ہے۔ اور انتظار کے ظلم سننے کی
 طاقت نہیں رہی ہے +

۲۔ حیات دیر کے بدلے جنت دیتے ہیں۔ یہ نشہ خمار کے انداز سے نہیں ہے
 نشہ سے مراد آرام اور خمار سے مراد تکلیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حیات دیر میں جو
 تکلیفیں اٹھانی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور جنت ان کا مناسب بدلہ نہیں ہے +
 ۳۔ افسوس کہ میرے رونے نے مجھے تیری بزم سے نکالا۔ ہاں مجھے اپنے رونے پر
 اختیار نہیں۔ مطلب یہ کہ معشوق نے مجھے رونا دیکھ کر اپنی بزم سے نکلوا دیا مگر افسوس

مجھے اپنے اوپر قابو نہیں۔ جب میں محشوق کو رقیبوں کے پہلو میں بیٹھتا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی حالت زار پر زار و قطار رونما آ جاتا ہے +

۴۔ ہم سے گمانِ رنجش خاطر عیث ہے عشاق کی خاک میں غبار نہیں ہے مطلب یہ کہ لوگ ہم سے ناحق بدگمان ہیں کہ ہم دل میں رنجش رکھتے ہیں۔ عاشقوں کی خاک میں غبار یعنی رنجش نہیں ہے (کہتے ہیں انسان خاک سے بنا ہے) خاک سے یہاں مراد خمیر ہے + خاک اور غبار کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو +

۵۔ جلوہ ہائے معانی کا لطف دل سے اٹھا کیونکہ بہار کا آئینہ گل کے سوا اور کچھ نہیں ہے + مطلب یہ کہ جس طرح گل بہار کا آئینہ ہے اسی طرح دل میں جلوہ ہائے معانی دیکھ سکتا ہے اور ان کا لطف اٹھا سکتا ہے +

۶۔ شکر ہے کہ اُس نے میرے قتل کرنے کا عہد تو کر لیا ہے لیکن اگر عہد مضبوط نہیں ہے تو بڑا افسوس ہوگا +

۷۔ اسے غالب تو نے شراب نہ پینے کی قسم تو کھائی ہے لیکن چونکہ تو پرانا شرابی ہے اور اکثر مرتبہ عہد توڑ چکا ہے اس لئے میری قسم کا ہمیں اعتبار نہیں ہے +

(۱۶۵)

ہجومِ غم سے یاں تک سیرگوئی مجھ کو چل ہے کہ تار دامن و تار ٹکریں فرق مشکل ہے
روئے زخم سے مطلبِ لذت زخم سوزن کی + سمجھو موت کہ پاس دے دیو نہ غافل ہے

وہ گل جس گلستان میں جلوہ فرمائی کرے غالب

چٹکنا غنچہ و گل کا صدائے خندہ دل ہے

۱۔ ہجومِ غم سے میرا سر اس قدر جھکا رہتا ہے کہ تارِ نظر اور تارِ دامن میں کوئی فرق

نہیں رہتا +

۲۔ زخم سلوانے سے بہارِ مطلب یہ ہے کہ ہم زخم سوزن کی لذت اٹھائیں نہ کہ زخم

سلوانے سے ہم دردِ زخمِ دور کرنا چاہتے ہیں اسے غافل یہ نہ سمجھو کہ میں جو کہ دیوانہ عشق
ہوں درد کی تمنا نہیں رکھتا +

۳۳ - اسے غالب وہ گل یعنی معشوق جس باغ میں جاتا ہے - وہاں غنچہ و گل کا چٹکنا خند
دل کی صد ہے یعنی غنچہ و گل کا چٹکنا اُن کا اظہارِ خوشی ہے +

(۱۶۶)

پابدا من ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد ۱ خارِ پا میں جو ہر آئینہ زانو مجھے
دیکھنا حالتِ دل کی ہم آغوشی کے وقت ۲ ہے نگاہِ آشنا تیرا سرِ بر مو مجھے
ہوں سراپا شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

۱ - میں جو کہ صحرا نورد تھا مایوس ہو کہ پابدا من ہو گیا ہوں یعنی سرنگوں بیٹھ گیا ہوں اور
میرے پاؤں کے کانٹے جو صحرا نوردی کے زمانے میں میرے پاؤں میں چبھے تھے میرے آئینہ
زانو کے جوہر کی مانند معلوم ہوتے ہیں - زانو کو آئینہ سے اور خار کو جوہر آئینہ سے تشبیہ
دی گئی ہے +

۲ - میرے دل کی حالت ہم آغوشی کے وقت دیکھنا - یعنی میرا دل بے انتہا خوش ہوگا
کیونکہ تیرا سرِ بر مو یعنی تیرے ہر ایک بال کی نوک میرے دل کی نگاہِ آشنا ہے +
۳ - میں سراپا شکایت کے راگ کا باجہ ہوں - میری حالت نہ پوچھ - یہی بہتر ہے کہ تو لوگوں
میں مجھے نہ چھیڑے - مطلب یہ کہ میرے دل میں تیری ہزاروں شکایتیں بھری ہوئی ہیں
یہی بہتر ہے کہ تو مجھے ہجوم میں نہ چھیڑے کیونکہ میں تیری شکایتیں لوگوں کے سامنے نہیں
کرنا چاہتا - (ساز کے لئے چھیڑنا رعایتِ ملاحظہ ہو)

(۱۶۷)

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آئے ۱ ہاں کا لبہ صورتِ دیوار میں آوے

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سر و صنوبر ۲ تو اس قید دلکش سے جو گلزار میں آئے
 تب ناز گراں مایچی اشک بجا ہے ۳ جب لخت جگر دیدہ خونبار میں آوے
 دے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ ستمگر ۴ کچھ تجھ کو مزا بھی مرے آزار میں آوے
 اس چشم فسوں گر کا اگر پائے اشارہ ۵ طوطی کی طرح آئینہ گرفتار میں آوے
 کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب ۶ اک آبلہ یا وادی پر خار میں آوے
 مریاؤں کیوں رشک سے جب وہ تن نازک ۷ آغوش خم حلقہ زنار میں آوے
 غارت گر ناموس نہ ہو گر ہوس زر ۸ کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے
 تب چاک گریباں کا مزا ہے دل نالاں ۹ جب اک نفس الجھا ہوا ہستار میں آوے
 آنکھ ہے سینہ مرا راز نہاں سے ۱۰ اے دے اگر معرض اظہار میں آوے

گنجینہ معنی کا ظلم اس کو سمجھئے
 جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آئے

۱۔ جس بزم میں تو ناز سے باتیں کرنے لگے اس بزم کی دیوار کی تصویروں میں بھی جان
 پڑ جائے +

۲۔ سر و صنوبر سایہ کی طرح تیرے ساتھ ساتھ پھریں اگر تو اس قید دلکش سے باغ میں
 آجائے +

۳۔ ہم اُس وقت آنسو کو گرا نہا یہ سمجھیں گے جب جگر کے ٹکڑے آنسو برسانے والی
 آنکھ میں آئیں

۴۔ شہر صاف ہے +

۵۔ اگر آئینہ معشوق کی چشم فسوں گر کا اشارہ پائے تو طوطی کی طرح بولنے لگے جو
 آئینہ کو طوطی سے تشبیہ دیتے ہیں +

۶۔ کانٹوں کی زباں خشک ہو گئی۔ نہ دیا وادی پر خار میں کسی آبلہ پا کو بھیج دے۔ تاکہ

- کانٹے آبلوں کے پانی سے اپنی تشنگی بجھالیوں +
- ۷۔ میں رشک سے کیوں نہ مر جاؤں جبکہ اُس کا نازک جسم میرے آغوش میں نہ ہو
اور حلقہ زنار میں ہو +
- ۸۔ اگر ہوس زر عزت کو غارت کرنے والی نہ ہو تو شاہدِ اضافت گل یعنی گل باغ سے بازار
میں بکنے کے لئے کیوں آئے +
- ۹۔ اے دلِ نالاں پاک گریبان کرنے کا نرا جب ہے جب ہر تار کے ساتھ اک
سانس اُجھا ہوا ہو +
- ۱۰۔ میرا سینہ رازِ نہاں کی سوزش کی وجہ سے آتشکدہ ہو رہا ہے افسوس اگر یہ راز ظاہر
ہو گیا تو غضب ہو جائیگا +
- ۱۱۔ اے غالب تیرے اشعار کا ہر ایک لفظ گنجینہ معنی کا طلسم ہے۔ مطلب یہ کہ تیرے
اشعار کے ہر ایک لفظ سے کئی کئی معانی نکل سکتے ہیں +

(۱۶۸)

- حُسنِ مہر چہ بہنگامِ کمال اچھا ہے ۱ اس سے میرا مہر خورشیدِ جمال اچھا ہے
بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ ۲ جی میں کہتے ہیں کہ مُفتِ آئے تو مال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ۳ ساغرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
بے طلب ہیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے ۴ وہ گدا جس کو نہ ہو خوشے سوال اچھا ہے
اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر دلق ۵ وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
دیکھے پاتے ہیں عشاقِ بتوں سے کیا فیض ۶ اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
ہم سخنِ تیشہ نے فریاد کو شیریں سے کیا ۷ جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے
قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے ۸ کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے
خضرِ سلطان کو رکھے خالقِ اکبر مر سبز ۹ شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے

۱۔ ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

۱۔ دوسرے مصرع میں دعوے متضمن دلیل ہے معشوق کو وہ خوشیہ جمال اس لئے کہا
ہے کہ اس کو ماہ کامل پر ترجیح دینے کی وجہ پیدا ہو جائے (ازیادگار غالب) *
۲۔ معشوق بوسہ دینا تو چاہتا نہیں اور ہر وقت میرے دل کی تاک میں رہتا ہے
اُس کا خیال ہے کہ دل مفت حاصل کرے تو بہتر ہے یعنی بوسہ بھی نہ دینا پڑے اور دل
جیسی دولت بھی حاصل کرے *

۳۔ جام سفال - مٹی کا پیالہ * مطلب یہ ہے جامِ جم تو ہمارے لئے دستیاب کرنا
ناممکن ہے اس سے ہمارا جامِ سفال اچھا ہے۔ اگر ٹوٹ جاتا ہے پیسہ دو پیسہ کا بازار
سے لے آتے ہیں *

۴۔ مطلب یہ ہے کہ بغیر مانگے ضرورت مند کو دینا بھی اچھا ہے اور وہ فقیر بھی اچھا ہے
جس کو مانگنے کی عادت نہ ہو *

۵۔ دیدار معشوق سے میرے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس سبب سے میرے
منہ پر رونق آجاتی ہے۔ وہ یہ سمجھ جاسکتے ہیں کہ میرا حال اب بہتر ہے حالانکہ مجھ میں کچھ باقی
نہیں اور حالت خراب ہوتی جا رہی ہے *

۶۔ گویا معشوق کی تمنا میں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں یہاں تک کہ
نبیذت نے جو سال کو اچھا بتایا ہے تو اس کے اچھا ہونے کے یہی معنی سمجھتا ہے کہ شاید
اس سال معشوق عاشقوں پر جہر بان ہو جائیں نہ یہ کہ اس سال قحط نہیں پڑیگا یا وہاں نہیں
آئے گی۔ لڑائیاں نہ ہونگی و غیرہ (ازیادگار غالب) *

۷۔ کمال خواہ کسی نوع کا ہوا اچھا ہے۔ فریاد میں کمال سنگ تراشی ہی تھا اسی کے اترنے
فریاد جیسے فروور پیشہ کو شیریں زوجہ خسرو بادشاہ سے ہم کلامی کا اعزاز بخشا *

۸۔ بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کے شاہزادے خضر سلطان کو دُعا دے رہے ہیں
 ۹۔ قطرہ دریا میں مل کر یعنی جزو اپنی اصل میں مل کر کل یعنی دریا ہو جاتا ہے پس وہ کام بہت
 اچھا ہے جس کا کہ نتیجہ اچھا ہے +

۱۰۔ اے غالب ہمیں جنت کی حقیقت معلوم ہے لیکن یہ خیال دل کے بہلانے کیلئے
 اچھا ہے۔ حقیقت معلوم ہے سے دو معنی نکل سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جنت کوئی چیز نہیں
 دوسرے یہ کہ ہماری بد اعمالی کی وجہ سے ہمیں جنت میں جگہ ملنا ناممکن ہے لیکن پھر یہ
 خیال کریا کہ شاید ہمیں مل جائے محض دل کے بہلانے کے لئے ہے +

(۱۶۹)

نہ ہوئی گرمی مرنے سے تسلی نہ سہی ۱ امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی
 خار خارِ الم حسرتِ دیدار تو ہے ۲ شوقِ گلچیں گلستانِ تسلی نہ سہی
 نئے پرستانِ خم نے منہ سے لگائے ہی بنے ۳ ایک دن گرنے ہڑا بزم میں ساتی نہ سہی
 نفسِ قیس کہ ہے چشمِ چراغِ صہرا ۴ گر نہیں شمعِ سیہ خانہ لیل نہ سہی
 ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق ۵ نوحہ غم ہی سہی نقدِ شادی نہ سہی
 نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ ۶ گر نہیں ہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی

عشرتِ صحبتِ خوباں ہی غنیمت سمجھو

نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی

۱۔ اگر میرے مرنے سے بھی آپ کی تسلی نہ ہوئی تو نہ سہی۔ میرے پاس تو اب صرف جان
 باقی تھی سو آپ پر نثار کر چکا۔ اگر اب بھی یعنی مرنے کے بعد بھی آپ میرے کوئی اور امتحان دے
 سکتے ہیں اور میرا تنِ مُردہ دے سکتا ہے تو آپ شوق سے امتحان لیں مجھے کوئی اعتراض
 نہیں۔ یہ کچھلا امتحان یعنی میری جان لینے کا امتحان بھی نہ سہی۔ یعنی بیگار سہی +

۲۔ اگر ہمارا شوق یعنی عشقِ گلستانِ تسلی کا گلچیں نہیں ہوا تو نہ سہی یعنی اگر وصال حاصل

نہ ہوا تو نہ سہی۔ اس کے لئے حسرت دیدار کے غم کے کاٹنے ہی سہی۔ مطلب یہ کہ ہم عاشق مزاج ہیں۔ ہمیں تو عشق درکار ہے۔ وصال حاصل ہوا تو اچھا نہ ہوا نہ سہی۔ حسرت دیدار ہی سہی۔
۳۳۔ اسے نے پرستو شراب کا منکا ہی منہ سے لگانا پڑے گا۔ اگر ایک دن بزم میں ساقی نہیں تو نہ سہی +

۳۴۔ اگر نفس قیس شمع سیہ خانہ لیلیٰ نہیں تو نہ سہی چشم و چراغ صحرا تو ہے۔ یعنی صحرا کے لئے تو باعث رونق ہے + سیہ خانہ لیلے۔ چونکہ لیلے کا حیمہ سیاہ تھا اور لیل کے معنی رات ہیں اس لئے لیلے کے خیمے یا مکان کو سیہ خانہ کہا گیا ہے +

۳۵۔ گھر کی رونق کے لئے کسی ہنگامے کی ضرورت ہے۔ خواہ نغمہ شادی ہو یا نوحہ غم۔ یعنی اگر کسی کے گھر کوئی شادی ہوتی ہے تب بھی ہنگامہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی غم ہوتا ہے تب بھی۔ مطلب یہ کہ میرے گھر میں اگر نغمہ شادی نہیں نہ سہی نوحہ غم تو ہے +

۳۶۔ مرزا صاحب نے اس شعر میں ان لوگوں کو جواب دیا ہے جو ان کے کلام کو بے معنی بتاتے تھے۔ فرماتے ہیں شعر کوئی سے میرا مدعا تعریف اور الحام حاصل کرنا نہیں ہے اگر میرے اشعار معنی خیز نہیں نہ سہی +

۳۷۔ اسے غالب معشوقوں کی صحبت کا یہ ٹھوڑی دیر کا عیش بھی غنیمت سمجھو۔ اگر عمر طبعی حاصل نہ ہوئی تو نہ سہی +

(۱۷۰)

عجب نشاط سے جلا دے چلے ہیں ہم آگے ۱ کہ اپنے سایہ سے سرواؤں سے دو قدم آگے
قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۃ الفت ۲ فقط خراب لکھا بس چل سکا قلم آگے
غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی ۳ وگرنہ ہم بھی اٹھانے تھے لذت الم آگے
خدا کے واسطے داد اس جنون عشق کی دنیا ۴ کہ اُس کے در پہ پہنچے ہیں نامہ بر سے ہم آگے
یہ عمر بھر جو پریشانیوں اٹھانی ہیں ہم نے ۵ تہا سے آئینوں طرہ ہائے خم بہ خم آگے

دل و جگر میں پرافشاں جو اک موج خوں ہے + ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے
قسم جنازہ پر آنے کی میرے کھاتے میں غالب
ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جاں کی قسم آگے

۱۔ ہم عجب خوشی سے جلا دے آگے آگے چلے جا رہے ہیں کہ ہمارا سر (سایہ میں) پاؤں
سے بھی دو قدم آگے چل رہا ہے یعنی سر کو کٹنے کا اس قدر شوق ہے +
۲۔ قلم قضا نے مجھے خراب بادۂ الفت لکھنا چاہا تھا لیکن صرف خراب لکھ سکا اور
آگے نہ چل سکا۔ مراد یہ کہ بادۂ الفت کو نہ لکھ سکا۔ غالباً مست ہو گیا +
۳۔ شعر صاف ہے۔ ردیف 'آگے' کے معنی 'پہلے' ہے +

۴۔ جنون عشق کی وجہ سے ہم نامہ بر سے پہلے اس کے در پر پہنچتے ہیں۔ خدا کے لئے
اس جنون عشق کی داد دینا +

۵۔ اسے طرہ ہائے خم بہ خم ہم نے جو تہاری وجہ سے عمر بھر پریشانیاں اٹھانی ہیں خدا
کرے تمہارے آگے آویں۔ یعنی خدا کرے تم اس کی سزا بھگتو +

۶۔ جس کو ہم اپنے زعم میں پہلے سانس سمجھے ہوئے تھے وہ اب دل و جگر کا ایک موج
خوں نکلا +

۷۔ اسے غالب جو پہلے یعنی میری زندگی میں مجھے ایسا عزیز سمجھتے تھے کہ میری جان کی قسم
کھاتے تھے اب میرے جنازے پر آنے کی قسم کھاتے ہیں یعنی جنازے پر نہیں آتے +

(۱۷۱)

شکوہ کے نام سے بے ہر خفا ہوتا ہے ۱ یہ بھی مت کہہ کہ جو کہئے تو کلا ہوتا ہے
پُر ہوں میں شکوہ سے بول راگ سے جیسے باج ۲ اک ذرا چھیرے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو ۳ شکوہ جو رے سے سرگرم جفا ہوتا ہے
عشق کی راہ میں چرخ لکوکب کی وہ چال ۴ سست روجیسے کوئی آبلہ ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدفِ ناوکِ بیداد کہ ہم ۵ آپ اٹھلاتے ہیں گرتیر خطا ہوتا ہے
 خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخو ۶ کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
 نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب ۷ لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے
 خامد میرا کہ وہ ہے یارِ بدِ بزمِ سخن ۸ شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
 اے شہنشاہِ کو اکب سپہ و جہرِ علم ۹ تیرے اکرم کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے ۱۰ تو وہ لشکر کا ترسے نعل بہا ہوتا ہے
 ہر جہینہ میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال ۱۱ آستان پر ترسے مہِ ناصیہ سا ہوتا ہے
 میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزلخوانی میں ۱۲ یہ بھی تیرا ہی کرم ذوقِ فزا ہوتا ہے
 رکھو غالب مجھے اس تلخِ نوانی میں معاف
 آج کچھ دردِ مرے دل میں سوا ہوتا ہے

- ۱۔ میرا بے ہر معشوق شکوے کے نام سے خفا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ بھی نہیں کہنا چاہئے
 کہ شکوے کے نام سے خفا ہوتا ہے کیونکہ یہ کہنے سے بھی وہ خفا ہوتا ہے +
 ۲۔ میں شکوہ سے ایسا پُر ہوں جیسے باجراگ سے۔ مجھے ذرا چھڑ کر دیکھو پھر جس
 طرح باجے سے راگ نکلتے ہیں اسی طرح میں شکایتوں کا دفتر کھولوں گا + چھڑنا مذاق کہنے
 کے معنی میں آتا ہے اور باجا چھڑنا باجا بجانے کے معنی دیتا ہے +
 ۳۔ اگرچہ معشوق نشہِ شباب کی وجہ سے ہمارے شکوے کو پورے طور سے سمجھتا بھی
 نہیں مگر حسنِ تلافی ملاحظہ ہو کہ شکوہ جو رکرنے سے ہم پر اور زیادہ جفا نہیں کرتا ہے جس
 تلافی اس وجہ سے کہ ہم زیادہ جفا نہیں چاہتے ہیں +
 ۴۔ کوکب یعنی ستارے کی مثالِ آبلہ سے دی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ عشقِ ہارستہ
 طے کرنے میں ستارے والے آسمان ایسی چال ہے جیسے کوئی آبلہ پاسِ مست
 رُو ہوتا ہے +

۵۔ اگر ہم اپنا بھلا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے بُرا ہوتا ہے گویا جو کچھ ہم چاہتے ہیں اُس کے خلاف ہوتا ہے اس لئے اگر ہم پہلے سے اپنے بدخواہ ہوتے تو بہتر ہوتا کیونکہ ہماری خواہش کے خلاف ہمارا بھلا ہو جاتا +

۶۔ ہم ظلم کے ناوک کا نشانہ کیوں نہ ٹھہریں کیونکہ ہم ظلم اٹھانے کے ایسے شوقین ہیں کہ اگر ناوک ٹگن کا کوئی تیر خطا ہو جاتا ہے تو خود اٹھالاتے ہیں اور اس کو دیتے ہیں +
۷۔ پہلے میرا ناہ عرش کے پار ہو جانا تھا اور اب اگر ناہ بہت ہی رسا ہوتا ہے تو لب تک آ جاتا ہے +

۸۔ (ق) میرا قلم جو بزم سخن کا بار بہ ہے۔ شاہ کی درج میں اس طرح گیت گاتا ہے +
بار بہ۔ ایک گویئے کا نام +

۹۔ اے وہ شہنشاہ جو ستاروں جتنی سپاہ رکھتا ہے اور جس کا علم سورج ہے تیری ہر بانیوں کا شکر یہ کس سے ادا ہو سکتا ہے +

۱۰۔ اگر ساتوں اقلیم کی آمدنی جمع کریں تو وہ تیرے لشکر کا نعل بہا کے برابر ہوتی ہے +
۱۱۔ ہر ایک ماہ جو بدر کم ہوتے ہوتے ہلال ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیرے آستان پر اپنی پیشانی رگڑتا رہتا ہے +

۱۲۔ میں جو تیرے سامنے آئین غزلخانی میں گستاخ ہوں۔ یہ تیری کرم میرے ذوق کو بڑھاتا ہے +

۱۳۔ اے غالب میں جو تلخ مضامین کے اشعار کہہ رہا ہوں اس کے لئے مجبور ہوں کیونکہ آج میرے دل میں زیادہ درد ہو رہا ہے۔ لہذا میں اس کی معافی چاہتا ہوں +

(۱۷۲)

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے ۱۔ تمہی کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے
نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا ۲۔ کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے

یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے ۳ وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن ۴ ہماری جیب کو اب حاجت رُو کیا ہے
 بجلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا ۵ کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے
 رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل ۶ جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
 وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشت عزیز ۷ سوائے بادۂ کلفام و مشک بُو کیا ہے
 پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار ۸ یہ شیشہ و قدح و کورہ و سُبُو کیا ہے
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی ۹ تو کس امید پہ کہنے کہ آرزو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر سے ہے اترانا

وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

۱۔ تم ہر ایک بات پر مجھے یہ کہتے ہو کہ تو کیا (چیز) ہے۔ تم ہی بتلاؤ کہ یہ گفتگو کا طریقہ
 کیا ہے یعنی بہت بہودہ طریقہ ہے +

۲۔ شعر صاف ہے +

۳۔ مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ عدو تمہیں میرے خلاف بہکاتا ہے۔ میں تو
 صرف اس رشک میں مرا جاتا ہوں کہ اُسے تم سے باتیں کرنے کا موقع مل جاتا ہے +
 ۴۔ شبِ فرقت میں سینہ زنی کے باعث جو ہمارے سینے پر زخم ہو گئے ہیں اُن سے
 لہو نکلتا رہتا ہے اور خشک ہو کر ہمارے پیرا ہن کو ہمارے جسم سے چپکا دیتا ہے اسلئے
 ہمارے گریبان کو اب حاجت اضافت نہ فوٹیں رہی +

۵۔ سوئے عشق نے میرے جسم کو جلا کر خاک کر دیا۔ ساتھ ہی دل بھی خاک ہو گیا۔ اب
 آپ میری راکھ کیوں کریدتے ہو۔ تمہیں میرا دل نہ مل سکے گا۔ وہ بھی خاک ہو چکا +

۶۔ لہو جو رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے اُس کے ہم قائل نہیں وہ تو نکلتا ہے۔ لہو تو وہ
 قابلِ قدر ہے جو یادِ یار میں آنسو بن کر آنکھ سے ٹپکے +

- ۷۔ ہمیں تو بہشت صرف اس لئے عزیز ہے کہ وہاں پر سُرخ اور مشکبو شراب ہے
(حورہیں کھلی نہیں لگتی۔ ہمیں تو بہشت میں ہمارا یا رہی مل جائے) *
- ۸۔ شیشہ و قدح وغیرہ سے میری تسلی نہیں ہو سکتی اس لئے میں تو اُس وقت شراب
پینا شروع کروں گا جب دو چار خم میرے واسطے رکھ دئے جائیں *
- ۹۔ اب تو میں ضعف کی وجہ سے گفتگو بھی نہیں کر سکتا۔ اور اگر بات کر بھی سکتا تو کس
امید پر بار سے اپنی آرزو بیان کرتا۔ اُس سنگمر سے کوئی اُمید نہیں ہو سکتی *
- ۱۰۔ شہر میں غالب کو کون پوچھتا ہے۔ اُس کی کوئی بھی عزت نہیں کرتا۔ اب چند دنوں
سے بادشاہ کا مصاحب بن گیا ہے تو اتراتا ہوا پھرتا ہے *

(۱۷۳)

میں انہیں چھیڑوں اور کچھ نہ کہیں ۱ چل نکلتے جو مئے پئے ہوتے
تھر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو ۲ کاشکے تم مرے لئے ہوتے
میری قسمت میں غم گر اتنا تھا ۳ دل بھی یا رب کنی دئے ہوتے
آہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جئے ہوتے

- ۱۔ تعجب ہے کہ میں نے انہیں چھیڑا اور انہوں نے کچھ برا نہ کہا۔ ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ شراب پئے ہوئے نہ تھے۔ ورنہ ضرور خفا ہو جاتے *
- ۲۔ خواہ تم غصہ و غضب کی وجہ سے تھر ہو یا بلا ہو۔ میں سب کچھ سہنے کے لئے
تیار تھا۔ کاش کہ تم میرے لئے ہوتے۔ یعنی کاش کاتبِ تقدیر نہیں میرے حصہ میں
لکھ دیتا *

۳۔ اگر میری قسمت میں اتنا زیادہ غم اٹھانا تھا تو اسے خدا بٹھے دل بھی کئی دئے ہوتے
کیونکہ ایک دل سے اتنے غم نہیں اٹھائے جاسکتے (ہیانِ غم میں رنگِ شوخی دینا مرزا صاحب)

کا حقیقہ ہے +

۴۷۔ یاد کی جفاؤں سے مرتے ہیں مگر عنانِ امید ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ فرماتے ہیں اے غالب اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو معشوق راہ پر آ جاتا۔ یعنی تم سے گھل مل جاتا +

(۱۷۴)

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے ۱ ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
خستگی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ۲ ہتھکنڈے ہیں چرخ نیلی فام کے
خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ۳ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
رات پی زمزم پر فے اور صبح دم ۴ دھوئے دجئے جامہ احرام کے
دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر ۵ یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دلم کے
شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر ۶ دیکھئے کب دن پھر میں حمام کے
عشق نے غالب نکلتا کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۔ افسوس کہ غیر تو اس کے ساتھ بیٹھ کر جام پیئیں اور ہم یوں تشنہ پیغام رہیں۔ یعنی ہم کو نہ بلایا جائے +

۲۔ ہمیں اپنی تباہی کا تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ یہ سب چرخ نیلی فام کا ظلم ہے +
(یار کے مظالم آسمان کے سر تقوینا چاہتے ہیں) +

۳۔ ہم تمہیں خط ضرور لکھیں گے خواہ ہمارا خط لکھنے سے کوئی مطلب براری نہ ہو
ہم تو تمہارے نام کے عاشق ہیں اور خط لکھنے میں تمہارا نام ضرور لکھا جائیگا۔ اسلئے
ہم تمہیں خط ضرور لکھیں گے +

۴۔ ہم نے رات کو چاہ زمزم پر شراب پی اور صبح ہی جامہ احرام کے دجئے دھوئے
یعنی احرام باندھنے کی حالت میں شراب پینے سے کپڑوں پر شراب کے دجئے پڑ گئے

تھے اس لئے وہ صبح ہی دھو ڈالے۔ مطلب یہ کہ ہم ایسے رند ہیں کہ چاہ اضافت زمرہ کا پڑھالیت
احرام میں بھی شراب پینے سے نہیں چوکتے +

۵۔ میرے دل کو میری آنکھوں نے مبتلائے عشق کیا کیونکہ نہ میری آنکھیں تمہارا جمال
دیکھتیں نہ دل تمہارے عشق میں مبتلا ہوتا کیا میری آنکھیں بھی تمہارے حال کے حلقے ہیں +
۶۔ خبر ہے کہ بادشاہ غسل صحت لینے والے ہیں۔ دیکھئے کب حمام کی تقدیر جاگتی ہے یعنی
خدا کرے بادشاہ بہت جلد غسل صحت کریں +

۷۔ اسے غالب عشق نے نہیں کسی کام کا نہ رکھا۔ ورنہ ہم بھی کام کے آدمی تھے +

(۱۷۵)

پھر اس انداز سے بہار آئی ۱ کہ ہوئے ہر وہ تماشا ٹائی
دیکھو اسے ساکنانِ خطہ خاک ۲ اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
کہ زمین ہو گئی ہے سرتاسر ۳ رُکشی سطح چرخ مینائی
سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی ۴ بن گیا روئے آب پر کافی
سبزہ و گل کو دیکھنے کے لئے ۵ چشمِ نرگس کو دی ہے مینائی
ہے ہوا میں شراب کی تاثیر ۶ بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی
کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب

شاہِ دیندار نے شفا پائی

۱۔ پھر موسم بہار نے ایسی بہار دکھلائی کہ سورج اور چاند بھی تماشا ٹائی بن گئے +

۲۔ اسے زمین پر رہنے والو دیکھو دنیا کی آرائشی اسے کہتے ہیں +

۳۔ کہ زمین ایک سرے سے دوسرے رنگ چرخ مینائی کی سطح کی شرمندہ کرنے والی
بن گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زمین پر اس قدر سبزہ و گل بچھے ہوئے ہیں کہ اس سے ستاروں

بھرا آسمان بھی شرمندہ ہو رہا ہے +

۴۔ سبزہ جب تمام زمین کو گھیر چکا تو روئے آب پر بھی کافی بن کر چھا گیا +
 ۵۔ چشم زرگس کو کور مانتے ہیں۔ لیکن اب زرگس کو بھی بنیائی عطا کر دی گئی تاکہ وہ سبزہ و گل کا تماشا دیکھے +

۶۔ یہ شعر بہار کی تعریف میں ہے۔ اس میں بادِ پیما کی لفظ نے دو معنی پیدا کر دیئے ہیں۔ بادِ پیما عبت کام کرنے کو کہتے ہیں پس ایک معنی تو اس کے یہ ہیں کہ فصلِ بہار کی ہوا ایسی نشاط انگیز ہے گویا اس میں شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور جبکہ یہ حال ہے تو بادِ نوشی محض بادِ پیما کی معنی فضول کام ہے اس صورت میں بادِ نوشی مبتدا ہو گا اور بادِ پیما کی کو مبتدا اور بادِ نوشی کو خبر قرار دیا جائے۔ اور جس طرح بادِ پیما کے معنی بادِ خواری کے ہیں اسی طرح بادِ پیما کے معنی بادِ خواری کے ہیں۔ اسی طرح بادِ پیما کے معنی ہوا کھانے کے لئے جائیں اس صورت میں یہ مطلب نکلے گا کہ آج کل ہوا کھانی بھی شراب پینی ہے (از بادِ غالب) +

۷۔ اے غالب دنیا کو خوشی کیوں نہ میسر ہو کیونکہ دیندار بادشاہ نے شفا پائی +

(۱۶۶)

تغافل دوست ہوں میرا داغِ عجزِ عالی ہے ۱ اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
 رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے
 بھرے ہیں جس قدر جام و سبو مینا نہ خالی ہے

۱۔ میں تغافل کو پسند کرتا ہوں اور میرا عجزِ عالی کا داغ بہت بلند ہے یعنی مجھ میں بہت عاجزی ہے اگر مجھ سے پہلو تہی کیجے تو میری جگہ آپ کے دل میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے بے پروائی اور پہلو تہی کرنی چاہئے کیونکہ مجھے یہی باتیں پسند ہیں اور میں عاجزی پسند ہوں
 ۲۔ یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گزرا ہو۔ مگر تمثیل نے اس کو بالکل ایک اچھا مضمون بنا دیا ہے اور شمر کو نہایت بلند کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر اہل ہمت کا وجود ہوتا جو

دُنیا کو محض ناچیز سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دُنیا ویران ہو جاتی پس یہ چاہنا چاہئے کہ عالم اسی سب سے آباد نظر آتا ہے کہ الہی ہمت مفقود ہیں یعنی جس طرح میخانہ میں جام و سبو کا شراب سے بھرا رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ میخانے میں کوئی میخوار نہیں ہے۔ اسی طرح عالم کا آباد و معمور ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں الہی ہمت معدوم ہیں (ازیادگار غالب) +

(۱۷۷)

۱ کب وہ سُنتا ہے کہانی میری ۱ اور پھر وہ بھی زبانی میری
 خاش خنزہ خنزیز نہ پوچھ ۲ دیکھ خوننا بہ فشانِ میری
 کیا بیاں کر کے ہزار و شینگے یار ۳ مگر آشفۃ بیانی میری
 ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال ۴ بھول جانا ہے نشانی میری
 متقابل ہے مقابل میرا ۵ رگ گیا دیکھ روانی میری
 قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں ۶ سخت ارزاں ہے گرانی میری
 گرد باد رہ بے تابی ہوں ۷ مصرع شوق ہے بانی میری
 دہن اُس کا جو نہ معلوم ہوا ۸ کھل گئی بیچشانی میری
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب

۹ ننگِ پیری ہے جوانی میری

۱۔ وہ میری کہانی کب سُنتا ہے یعنی نہیں سُنتا۔ اور پھر میری زبانی تو سُنتا ہی نہیں پس اس صورت میں میں اُسے اپنی کہانی نہ سُنا سکوں گا +
 ۲۔ میری خوننا بہ فشانِ میری یعنی میرا رونا دیکھ پھر تجھے غمزہ خنزیز کی خاش کا حال پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی +

۳۔ جب کوئی مر جاتا ہے تو اُس کے اعزہ و اقربا اُس کے اوصاف بیان کر کے روتے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں مجھ میں تو آشفۃ بیانی یعنی پریشان بیانی کے سوا اور کوئی وصف

تھا ہی نہیں۔ بس اُسی کو یاد کر کے روئیں گے۔ اس شعر سے مرزا صاحب کی منکسر مزاجی واضح ہوتی ہے +

۴۔ میں خیال کے صحرا کا از خود رفتہ ہوں۔ اس لئے بھول جانا میری نشانی یا خصوصیت ہے۔ نشانی یہاں اُس چہرے بھی مراد ہے جو ایک دوست بوقت رخصت دو سر دوست کو دیا کرتا ہے کہ میری طرف سے نشانی بھول جانا ہے یعنی میں اپنے دوستوں کو بھول جانے کی نشانی دیتا ہوں +

۵۔ مرزا صاحب نے اس شعر کی شرح عود مہندی میں تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں تقابل تضاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت۔ شادی و غم۔ راحت و رنج و وجود و عدم لفظ متقابل اس مصرعہ میں بمعنی مرجع ہیں۔ جیسے حریف بمعنی دوست بھی مستعمل ہے۔ مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خوبی و عادت ضد ہمدگر ہیں۔ وہ میری روانی دیکھ کر رک گیا +

۶۔ گرائی کے معنی بھاری پن کے بھی ہیں اور بیش قیمت ہونے کے بھی۔ کہتا ہے کہ میری قدر اس پتھر کی سی ہے جو راہ پر پڑا ہوا اور ہر شخص آتے جاتے اس پر پاؤں رکھ کر گزرے یعنی ہوں تو گر انقدر مگر اس پتھر کی طرح بیقد ہوں پس میری گرائی کس قدر ارزاں ہے + (از یار کا غالب) +

۷۔ میں بینابی کے راستے کا بگولا ہوں عشق کی آندھی میری بانی ہے + (بگولے آندھی ہی سے پیدا ہوتے ہیں +

۸۔ اُس کا دہن ظاہر نہیں ہوتا یعنی بیچ ہے۔ پس میری پہچاندنی یعنی کچھ نہ جانتا ظاہر ہو گیا +
۹۔ اے غالب ضعف نے مجھے عاجز کر دیا۔ میری جوانی بھی ننگ پیری ہے۔ یعنی میں جوانی میں اتنا کمزور ہو گیا ہوں کہ بوڑھے ضعیفی میں بھی نہیں ہوتے +

نقشِ نازِ بُتِ طنازِ باغوشِ رقیب ۱ پاسے طاؤس پئے خانہ مانی مانگے
 تو وہ بد خو کہ تحیر کو تماشا جانے ۲ غم وہ افسانہ کہ آشفۃ بیانی مانگے
 وہ تپِ عشقِ تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع
 ۳ شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ روانی مانگے

۱۔ رقیب کے آغوش میں اُس بُتِ طناز کی تصویر نازک کھینچنے کے لئے خامہ مانی نقاش
 کی بجائے پاسے طاؤس چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ رقیب بد شکل ہے اور پاسے طاؤس
 بھی بھد سے اور بد نما ہوتے ہیں اس لئے آغوشِ رقیب میں اُس بُتِ طناز کی تصویر کھینچنے
 کے لئے پاسے طاؤس ہونا چاہئے۔ پاسے اور پے میں صنعتِ تجنیس ملاحظہ ہو۔

۲۔ تو ایسا بد خو ہے کہ تحیر یعنی میرے حیرت زدہ ہو کر خُپ چاپ بیٹھنے کو تماشا جانتا
 ہے اور میرا مذاق اڑاتا ہے اور اگر میں کچھ بولنا چاہتا ہوں تو میرے پاس بیان کرنے کیلئے
 افسانہ غم کے سوا اور کوئی قصہ نہیں جس کے لئے آشفۃ بیانی لازمی شے ہے اور آشفۃ
 بیانی سے تو خفا ہو جاتا ہے۔ پس میں حیران ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے آیا چُپ چاپ بیٹھا
 رہوں یا اپنا افسانہ غم چھیڑ دوں

۳۔ میں ایسی تپِ عشق کی تمنا رکھتا ہوں کہ جس کا شعلہ تا نبضِ جگر اثر کرنے والا ہو
 جس طرح کہ شمع میں اثر کرتا ہے۔ اس شعر میں شمع اور ریشہ۔ تپ اور شعلہ کی لفظی واسطیں
 ملاحظہ ہوں۔

(۱۷۹)

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ۱ ہر غنچہ کا گل ہونا آغوشِ کُشائی ہے
 واں کنگر استغنا ہر دم ہے بندی پر ۲ یاں تالہ کو اور اُلٹا دوائے رسائی ہے
 از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے انداز سے ۳ جو داغِ نظر آیا اک چشم نمائی ہے
 ۱۔ باغ کی تیری صحبت بہت پسند آئی۔ اُس کے ہر غنچہ کا کھلنا گویا تجھ سے بندگی ہونے

کی خواہش میں ہے ۔

۴۔ اُن کا استعنا ہر بلندی پر ہے یعنی وہ ہر لمحہ زیادہ بے پروا اور بے نیاز ہوتے جاتے ہیں ۔ اور ہمارے ناسے کی ترقی معکوس ہے یعنی لب تک آکر باہر جانے کی بجائے واپس دل میں چلا جاتا ہے ۔

۵۔ غم عشق تعلیمِ امانت ضبط دیتا ہے کیونکہ غم کا ہر ایک داغ چشم نمائی کرتا ہے یعنی چونکہ داغ آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے داغ کو آنکھ تصور کر کے اُس کا ضبط کئے لئے چشم نمائی کرنا بیان کیا گیا ہے ۔ نظر اور چشم نمائی کی رعایت ملاحظہ ہو ۔

(۱۸۰)

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیرِ رفو کی ۱ لکھ دیجو یارب اُسے قسمت میں عذ کی
اچھا ہے سرانگشتِ حنائی کا تصور ۲ دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند بہو کی
کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے ۳ یاں تو کوئی سُنتا نہیں فریاد کسو کی
؟ دشمن نے کبھی مسہ نہ لگایا ہو جگر کو ۴ خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بُتِ عریذہ جو کی

۱۔ یا خدا جو زخم رفو ہو سکتا ہو اُس کو دشمن کی قسمت میں لکھ دیجو ۔ مطلب یہ کہ مجھے تو
۲ علاجِ زخم کی ضرورت ہے ۔

۳۔ لفظ تو مٹنے جو دوسرے مصرعہ میں ہے یہ معنی پیدا کر دئے ہیں کہ آنکھ سے لہر روتے
روتے دل میں خون کا ایک قطرہ باقی نہیں ۔ اس لئے دوست کے سرانگشتِ حنائی کے
تصور کو غنیمت سمجھتا ہے کہ اس کی وجہ سے دل میں لہو کی ایک بوند تو نظر آتی ہے ۔
(از یادگارِ غالب) ۔

۴۔ بے حوصلگی یعنی کم ظرفی ۔ یاں سے مراد دینا ۔ معشوق سے کہتا ہے کہ تو اس بات سے

کیوں ڈرتا ہے کہ ہم عاشق لوگ تیرے ظلم و جور سے تنگ آکر حاکم سے یا خدا سے تیری فزاد
 کریں گے کس لئے کہ اگر ہم ایسا کریں بھی تو کوئی کسی کی فریاد ہی نہیں سنتا (از یادگار غالب)
 ۶۔ تیرے دشنہ نے کبھی میرے جگر کو منہ نہ لگایا اور تیرے خنجر نے میرے گلے کی کبھی
 بات نہ پوچھی یعنی ہماری کوئی حسرت پوری نہ ہوئی + منہ نہ لگانا اور بات نہ پوچھنا ایک
 ہی شعر میں دو محاوروں کو بخوبی استعمال کیا گیا ہے +
 ۷۔ اے غالب اُس ناکام محبت پر صد حیف جو عرصہ دراز تک کسی بتِ عہدہ جو کی
 آرزو میں رہے +

(۱۸۱)

سیماب لُشگر مئی آئینہ دے ہے ہم ۱ حیراں کئے ہوئے ہیں دلِ بیقرار کے
 آغوشِ گلِ کشودہ برائے وداع ہے
 اے عنذلیب چل کہ چلے دن بہار کے

۱۔ پہلا مصرعہ مثال ہے اور دوسرا مثلِ مطلب یہ ہے کہ جس طرح پارہ شیشہ کو آئینہ
 بنادیتا ہے اور اس میں حیرانی پیدا کر دیتا ہے اسی طرح ہم بھی دلِ بیقرار کی وجہ سے حیران
 متحیر ہو گئے ہیں + پشتِ گرمی بمعنی مدد + دلِ بیقرار کو سیماب سے اور اپنے آپ کو
 آئینہ سے تشبیہ دی گئی ہے +

۲۔ اے عنذلیب رخصت ہو کیونکہ بہار کے دن جائز اے ہیں اور پھول بھی تجھے
 رخصت کرنے کے لئے آغوشِ کشادہ ہے یعنی تجھے بے تکلیف ہونے کا منتظر ہے +

(۱۸۲)

ہے وصلِ ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں ۱ معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہئے
 اُس لبِ کحل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
 ۲ شوقِ فضولِ دجراستِ رندانہ چاہئے

- ۱۔ اگر غمناک ہوئے پھر کو صبر و ضبط سے برداشت کیا جائے تو وصل کے برابر مزہ دیتے ہیں اس لئے معشوق شوق یعنی بیدار اور عاشق دیوانہ یعنی غم و الم سے بے پروا ہونا چاہئے مطلب یہ کہ عاشق کو غم برداشت کرنے کی ایسی حادث ہونا چاہئے کہ کوئی غم اُس کو غم ہی معلوم نہ دے جیسے کہ دیوانہ غم سے آزاد ہوتا ہے +
- ۲۔ ہاں کثرتِ شوق اور مستی رندانہ کی جرأت حاصل کر۔ لازمی امر ہے کہ کبھی نہ کبھی تجھے لبِ محشوق کا بوسہ مل ہی جائیگا +

(۱۸۳)

- چاہئے اچھٹوں کو جتنا چاہئے ۱ یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے
 محبتِ رندانہ واجب ہے عذر ۲ جائے مے اپنے کو کھینچا چاہئے
 چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل ۳ باسے اب اس سے بھی سمجھا چاہئے
 چاکِ مت کر جیب بے آیامِ گل ۴ کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہئے
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی ۵ منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو ۶ کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی ۷ یا رہی ہنگامہ آرا چاہئے
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ۸ نا امید اُس کی دیکھا چاہئے
 غافل ان مطلقوں کے واسطے ۹ چاہئے والا بھی اچھا چاہئے

چاہتے ہیں خوبرویوں کو اسد

آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

- ۱۔ محبت جتنی بھی کی جائے حسینوں سے کی جائے۔ اور اگر حسین لوگ تجھ سے محبت کریں تو پھر کیا چاہئے یعنی پھر دنیا میں کسی اور چیز کی تمنا نہ کر۔ پہلے مصرع میں دونوں چاہئے کی معنی "محبت کیجئے" ہیں +

۲۔ رندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اور جہاں پر شراب پی جاتی ہو یعنی میخانے سے اپنے آپ کو کھینچنا چاہئے یعنی علیحدہ رکھنا چاہئے۔ شراب کھینچنا شراب لکانا یا حاس کرنا کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے لفظ کھینچنا لطافت سے خالی نہیں مطلب یہ کہ اگر شراب پینی ہے تو اپنے مکان پر پی لے۔ میخانہ اور صحبت رنداں سے پرہیز کر۔

۳۔ میرے دل نے تیری چاہت کو بھی کچھ ہنسی کھیل سمجھا تھا۔ میں نے بار بار سمجھایا لیکن برگزنا مانا۔ اے معشوق تجھے چاہئے کہ تو اس کی خوب خبر لے۔ یہ تیرے ہی قابو میں آئے گا۔

۴۔ پھول کے کھلنے کو چاک گریباں سے عموماً تشبیہ دیجاتی ہے۔ کہتا ہے کہ ہر ایک کام پنجر کی ہدایت سے کرنا چاہئے پس جب تک ٹھول اپنا گریبان چاک نہ کرے تو بھی گریباں چاک مت کر اس میں لطف یہ ہے کہ مجنوں کو ہمیشہ بہار میں جوش جنوں زیادہ ہوتا ہے۔ (از یادگار غالب) +

۵۔ تمہاری بیگانگی یعنی تمہارا پردہ کرنا دوستی یعنی محبت کا پردہ ہے۔ گویا اظہار محبت کرنا ہے لہذا تمہیں چاہئے کہ ہم سے منہ چھپانا چھوڑ دو۔ کیونکہ تمہارے پردہ کرنے سے لوگ ہم دونوں کو مشتبه نظروں سے دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چونکہ تمہیں حقیقی طور پر مجھ سے محبت ہے اس لئے تم ظاہر طور پر پردہ کرتے ہو۔ +

۶۔ میری دشمنی نے غیر کو کھویا یعنی غیر کو کسی کام کا نہ رکھا۔ یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ میرا کتنا زیادہ دشمن ہے یعنی حالانکہ میری دشمنی کی وجہ اس کا بہت زیادہ نقصان ہو چکا ہے لیکن میری دشمنی نہیں چھوڑتا۔ +

۷۔ سخی سے ہم اپنے آپ کو رسوا بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب تک معشوق ناز و انداز دکھا کر ہمیں از خود رفتہ نہ بنا دیوے ہم کس طرح رسوا ہو سکتے ہیں۔ دوسرے معنی حقیقت میں یہ ہوتے ہیں کہ جب تک یار یعنی خدا کسی پر نظر نہ کرے کوئی شخص کو شمش سے

نیکنامی حاصل نہیں کر سکتا + (رسوائی سے مراد نیکنامی ہوگی)

۸۔ جس شخص کی امید مرنے پر ہو یعنی یہ امید کرتا ہو کہ شاید مرنے کے بعد مصائب برداشت کرنے کی جزیائیں میرا معشوق مجھے مل جائے۔ اُس شخص کی ناامیدی کا کیا ٹھکانہ +

۹۔ (ق) اے غافل شخص تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ان چاند جیسی صورت والوں کے واسطے عاشق بھی خوبصورت ہونا چاہئے +

۱۰۔ جناب اسد بھی خوبصورتی کو چاہنے لگے۔ ذرا ان کی صورت تو ملاحظہ ہو۔ بھلا ایسے بد شکل کو کوئی خوب رویوں مند لگائے گا +

(۱۸۴)

۱۔ ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے ۱ میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے
دیں عنوان تماشا بتغافل خوشتر ۲ ہے نگہ رشتہ شیرازہ مژگاں مجھ سے
وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں ۳ صورت دود رہا سایہ گریزاں مجھ سے
غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بہتاں ۴ کس قدر خانہ آئینہ ہے دیراں مجھ سے
اثر آبلہ سے جادہ صحرائے جنوں ۵ صورت رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے
بیخودی بستہ تمہید فراغت ہو جو ۶ پر ہے سایہ کی طرح میرا بہستاں مجھ سے
شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن ماسے ۷ ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے
بیکسی ہائے شب ہجر کی وحشت ہے ہے ۸ سایہ خورشید قیامت میں ہے پہاں مجھ سے
گردش ساغر صد جلوہ رنگیں تجھ سے ۹ آنہ دارنی یک دیدہ حیراں مجھ سے
۱۰ نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد
۱۱ ہے چراغاں خس و خاشاک گلستاں مجھ سے

۱۔ سفر بیابان عشق میں ہر قدم پر منزل مجھ سے دور ہوتی جاتی ہے۔ یعنی جتنا میں چلتا ہوں اتنا ہی منزلی مجھ سے دور ہوتی جاتی ہے۔ میں اتنی تیز رفتاری سے سفر طے کر رہا ہوں کہ

بیاباں مجھ سے ڈر کر آگے آگے بھاگ چلا جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ بیاباں عشق کا طے کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ تیز رفتاری کے سبب بیاباں پیچھے کی طرف دوڑتا ہوا نظر آتا ہے لیکن سفر عشق میں بیاباں آگے کی طرف دوڑتا ہے +

۴۔ یار کے مصحفِ رخسار کا تماشا یعنی دیدار کرنا تغافل اور لاپرواہی کے ساتھ ہی اچھا ہے کیونکہ اگر یار کو پتہ لگ گیا تو وہ فوراً منہ پر نقاب ڈال لیوگا اس لئے میری نگہ رشتہ شیرازہ شرگاں بنی ہوئی ہے یعنی میں بچی نظریں کئے ہوئے دیدارِ جمالِ یار کا لطیف اٹھا رہا ہوں۔
۵۔ شب تنہائی میں وحشتِ آتشِ دل کی وجہ سے میرا سایہ مجھ سے اس طرح گریزاں رہا جس طرح آگ سے دھواں دور رہا کرتا ہے۔ قاعدہ ہے اندھیری رات میں انسان کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ فرار دیتے ہیں کہ آتشِ دل کی وجہ سے سایہ دور بھاگ گیا۔ اس کو صنعتِ حسنِ تعلیل کہتے ہیں +

۶۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معشوق عاشقوں کے ماتم میں بناؤ سنگار چھوڑ کر سادگی اختیار کر لیں کیونکہ میرے معشوق نے میرے ماتم میں بناؤ سنگار کرنا اور آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا ہے چنانچہ معشوق (میرے ماتم کی وجہ سے) ویران ہو گیا ہے +

۷۔ میرے آبلوں کے اثر سے صحرائے جنوں کی بٹیا رشتہ گوہر کی مانند روشن ہو گئی ہے مطلب یہ کہ صحرا نورِ دی میں میرے پیروں میں جو چھالے پڑے تھے وہ بعد میں چلتے چلتے پھوٹ گئے اور ان میں سے خون آلود پانی کے قطرے ٹپکنے کی وجہ سے صحرا کی بٹیا، بر موتیوں کی لڑیاں سی نمودار ہو گئیں جو صحرا کی چراغاں معلوم ہونے لگیں +

۸۔ 'جو یہاں بھی' اگر ہے + 'ہے' یہاں 'ہو' ہوتا چاہئے۔ مرزا صاحب نے 'ہو' لکھا ہوگا شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر بخود ہی بسترِ تنہید فراغت ہو تو میرا شہتالِ سایہ کی طرح مجھ سے پڑ ہو جائے یعنی جس طرح تاریکی چپ چاپ میرے مکان پر چھائی رہتی ہے اسی طرح میں بھی چپ چاپ آرام سے پڑا رہوں اور مالہ وزاری نہ کروں اگر بخود ہی کا بستر مجھے فراغت

اور آرام بخشد ہے +

۷۔ اگر شوق دیدار میں تو میری گردن بھی کاٹ دے تب بھی میری آنکھیں شوق دیدار سے باز نہ آئیں گی بلکہ میری نگاہیں مجھ سے پریشان ہو کر تیری مرکز ہو جائیں گی جس طرح گل شمع سے روشنی پریشان ہو جاتی ہے +

۸۔ ہائے میری بیکی اور میری شب ہجر کی وحشت ہے۔ سایہ بھی مجھ سے خوفزدہ ہو کر خورشید قیامت میں پنہاں ہو گیا۔ (شب کے وقت انسان کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا)

۹۔ ساغر صد جلوہ رنگیں کی گردشیں تیری وجہ سے ہے اور دیدہ حیران کی جیرانی میری وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ جلوہ حسن تیرے دم سے ہے اور حیرت عشق میری وجہ سے

۱۰۔ اے اسد میری نگاہ گرم سے آگ ٹپکتی ہے۔ اور گلستان کا گھاس پھوس میری وجہ سے

چراغاں ہو گیا۔ مطلب یہ کہ سوز عشق کی وجہ سے میری آنکھوں سے نظروں کی بجائے آگ نکلتی ہے اور اس آگ سے خس خاشاک گلستان میں آگ لگ گئی اور خس خاشاک گلستان کا

چراغاں بن گیا + (مرزا صاحب جن الفاظ سے خاص الفت رکھتے ہیں انہیں ہر یاد دہر

ہیں۔ چراغاں بھی ان میں سے ایک لفظ ہے) +

(۱۸۵)

نکتہ چیں ہے غم دل اُس کو سنائے نہ بنے ۱ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذبہ دل ۲ اُس پہ بچائے کچھ ایسی کہ بنائے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول جائے ۳ کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے

غیر پھر تباہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر ۴ کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا ۵ ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے ۶ پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے

موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ ہے ۷ تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ ٹھٹھٹے نہ اٹھے ۸ کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
۹ کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

۱۔ بات بتنا - کام بتنا + بات بنانا - جھوٹ بولنا + معشوق نکتہ جہیں ہے اور غم اُس کو
سننا ضروری ہے۔ لیکن وہاں بات کس طرح بن سکتی ہے جہاں بات بنانا لازمی شے ہو یعنی
معشوق ہم پر بہت سے اعتراضات کر لے گا اور کام بتنا نظر نہیں آتا +
۲۔ میں اُسے یعنی معشوق کو بلاتا تو ہوں مگر وہ آتا معلوم نہیں آتا کیونکہ پیشتر بھی وہ کبھی
نہیں آیا۔ اس لئے اسے جذبہ دل تجھ سے مدد چاہتا ہوں تو اپنا کچھ اثر دکھا کہ اُس کو میرے
پاس آئے بغیر چین نہ آئے +

۳۔ ابھی تو معشوق کس ہے اس لئے میرے اوپر ظلم کرنا اور مجھے ستانا کھیل سمجھتا ہے
کہیں ایسا نہ ہو کہ زمانہ شباب کو پہنچ کر یہ کھیل بھول جائے اور کھیلنا چھوڑ دے اس لئے
میری دعا یہ ہے کہ اُسے کبھی میرے ستائے بغیر چین ہی نہ آئے (قاعدہ ہے کہ زمانہ شباب
کو پہنچ کر انسان کھیلنا چھوڑ دیتا ہے اور کھیلوں کے کھیلنے کے طریقے بھی بھول جاتا ہے
۴۔ تو نے جو خط رقیب کے پاس بھیجا تھا وہ اپنی شیخی جتانے کے لئے تیرے خط کو اپنی
مٹھی میں دبائے پھر رہا ہے تاکہ لوگ اُس سے پوچھیں کہ یہ مٹھی میں کیا دبائے پھرتے ہو
تو وہ تیرا خط انہیں دکھا دیوے اور اس طور پر اپنے آپ کو تیرا سب سے عزیز چاہنے
والا ظاہر کرے +

۵۔ وہ اگر اچھے ہیں تو کیا۔ اس نزاکت کا بُرا ہو کہ اُن کی نزاکت نے انہیں ہمارے
کام کا نہ رکھا۔ اگر ہاتھ آئیں تو ہم انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ یعنی وصل حاصل نہیں
کر سکتے +

۶۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس کی جلوہ گری ہے یعنی یہ عالم کس کے نور کا ہے تو ہے۔

اُس نے ایسا پردہ ڈالا ہے کہ اُسے کوئی نہیں اٹھا سکتا۔ مطلب یہ کہ جب تک دُنیا کا پردہ
 دل سے دُور نہ کیا جائے یعنی ترک دُنیا نہ کیا جائے خدا کا دیدار میسر نہیں آ سکتا +
 ۷۔ میں موت کی راہ کیوں دیکھوں کہ وہ تو ضرور آئے گی۔ اور یہ چاہوں کہ اگر تم نہ آؤ
 تو تمہیں بلا سکوں یہ ناممکن ہے۔ مطلب یہ کہ موت آنا تو یقینی ہے اور تمہارے آنے
 کی کوئی امید نہیں لہذا تمہارے آنے کی دُعا کرنا چاہئے +
 ۸۔ مطلب یہ ہے کہ سخت مشکلات کا سامنا ہے جن کا حل کرنا ہمارے لئے بہت
 دشوار ہے +

۹۔ اے غالب عشق پر کچھ زور نہیں۔ یہ ایسی آگ ہے کہ نہ بجھائے سے کچھ سکتی ہے
 نہ لگائے سے لگ سکتی ہے یعنی اگر ہم اپنی آتش عشق کو بجھا دیں تو یہ بھی ناممکن ہے
 اور اگر یہ چاہیں کہ دوسرے یعنی معشوق کے دل میں آتش عشق لگا دیں تو یہ بھی ناممکن ہے

چاک کی خواہش اگر وحشتِ عریانی کرے ۱ صبح کی مانند زخمِ دل گریبانی کرے
 جلوہ کا تیرے وہ عالم ہے کہ گریبِ خیال ۲ دیدہ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے
 ہے شکستِ سبھی دلِ نوبہ یارِ بک تلک ۳ آگینہ کوہ پر عرض گراں جانی کرے
 میکدہ گرچہ شہمِ مستِ ناز سے پڑے شکست ۴ ٹوٹے شیشہ دیدہ ساغر کی مژگانی کرے
 خطِ عارض سے لکھا زلف کو الفتِ نئے عہد

۵۔ ایک قلمِ منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

۱۔ اگر میری وحشتِ عریانی میں گریبان کو چاک کرنے کی خواہش مند ہو تو میرا زخمِ دل
 اُس کی خواہش پوری کرے۔ یعنی صبح کی طرح گریبان بن کر چاک ہو جائے۔ (شعر صبح کو بوج
 پیدای صبح چاک گریبان تصور کیا کرتے ہیں) +

۲۔ شعر صاف ہے + زیارت گاہ سے مراد جلوہ معشوقِ حقیقی ہے +

۴۴۔ ہمارا دل ٹوٹنے سے بھی ناامید ہو گیا۔ یا خدا کب تک آگینہ یعنی ہمارا دل کوہ پر
یعنی معشوق سے عرض کرتا رہے کہ میری جان مجھ کو وبال ہو رہی ہے *
۴۵۔ اگر چشم مست ناز میکدہ کو پاشکست کر دیوے تو پیالے کے بال دیدہ ساغر کے
لئے پلکیں بن جائیں۔ جب آنکھ کسی چیز کو جیت سے دیکھتی ہے تو پلکیں اس وقفہ
تک بے حرکت رہتی ہیں اور پیالے کے بال جن کو مڑگاں بتایا گیا ہے فطرتی طور پر
بے حرکت ہوتے ہیں اس لئے شاعر اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ پیالہ کی آنکھ محبوب کی
آنکھ کو جبر سے دیکھ رہی ہے * پیالہ کو جو گولائی کے چشم سے تشبیہ دی گئی ہے
۴۶۔ میری الفت نے زلف کو بذریعہ خط عارض پر عہد نامہ لکھ دیا ہے کہ خواہ زلف
کتنا ہی پریشان کرے مجھے سب منظور ہے * رخسار پر سیاہ بال پیدا ہونے سے جو خط
پڑ جاتا ہے اُسے خط عارض کہتے ہیں مگر خط عارض سے اس جاتحریر عہد نامہ مراد لی گئی ہے *

(۱۸۷)

وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب دے ۱ ولے مجھے تپشِ دلِ محالِ خواب تو دے
کرے ہے قتل لگاؤٹ میں تیرا رو دینا ۲ تیری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو ۳ نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے
پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے ۴ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے
اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
۵ کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داغے دے

۱۔ یہ تو ممکن ہے کہ وہ میرے خواب میں آکر مجھے تسکین اضطراب دیوے۔ لیکن
یہ تو جب ہی ممکن ہے جبکہ میں سو جاؤں۔ مجھے تو تپشِ دل سونے ہی نہیں دیتی *
۲۔ محبت میں تیرا رو دینا مجھے قتل کر دیتا ہے۔ گویا تیرے آنسوؤں سے تیری تیغ نگہ
پر آب آجاتی ہے اور وہ تیغ نگہ مجھے قتل کر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔ مطلب

یہ کہ اس طرح کوئی اور معشوق اپنی تیغ نگہ کو آب دیتا ہی نہیں +
 ۳۔ اے معشوق اگر تو بوسہ نہیں دیتا تو کم از کم انکار ہی کر دے تاکہ تیری جنبش لب
 یعنی تیرا انکار ہمارا کام تمام ہی کر دے۔ اور ہم ناامیدی کے صدمے سے مر جائیں +
 ۴۔ اے ساتی اگر تجھے ہم سے نفرت ہے اور پیالے کے نجس ہونے کے خیال سے
 ہمیں پیالہ نہیں دینا چاہتا تو ہمیں شراب اوک سے ہی پلا دے (جن لوگوں کو نجس سمجھا جاتا
 ہے انہیں پانی وغیرہ اوک سے پلایا جاتا ہے) +
 ۵۔ مقطع صاف ہے +

(۱۸۸)

۱ تپش سے میری وقف کشمکش بہتر بہتر ہے ۱ ماسر رنج بالیں ہے راتن بار بہتر ہے
 ۲ سرشک سر بھر ادا دہ نور العین امن ہے ۲ دل بیدست و پا افتادہ بر خور دار بہتر ہے
 ۳ خوشا اقبال رنجوری عبادت کو تم آئے ۳ فروغ شمع بالیں طالع بیدار بہتر ہے
 ۴ بہ طوفان گاہ جوش اضطراب شام تنہائی ۴ شعاع آفتاب صبح محشر تار بہتر ہے
 ابھی آتی ہے بوبالش سے اسکی زلف مشکیں کی ۵ ہماری دید کو خواب زیغا عار بہتر ہے
 کہوں کیا: ۱ کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب
 کہ مینائی سے ہر اک تار بہتر خار بہتر ہے

۱۔ میری تڑپ اور بچینی سے میرے بستر کا ہر ایک تار کشمکش میں ہو رہا ہے میرا سر تکیہ
 کے لئے تکلیف دہ اور میرا جسم ہار بہتر ہو رہا ہے +

۲۔ میرا آوارہ آنسو دامن کا نور العین ہے اور میرا عاجز دل بستر کا پیارا ہے۔ مطلب یہ کہ
 میں کثرت سے گریہ کر رہا ہوں اور میرا دل بہت نحیف و زار ہو گیا ہے +
 ۳۔ میری بیماری بڑی اقبال والی ہے کہ تم مزاج پُرسی کے لئے تشریف لائے تمہاری
 تشریف آوری سے شمع بالیں کی روشنی بستر کا طالع اضاقت بیدار بن گئی ہے +

۴۔ شبِ فرقت کے جوشِ اضطراب کے طوفاں گاہ میں یعنی میرے شبستانِ غم میں بستر کا ہر ایک نارِ صبح قیامت کے آفتاب کی شعاع بن گیا ہے۔ (تاریکی میں سپید چیز بھی روشن معلوم ہوتی ہے) +

۵۔ معشوق کی زلفِ مشکیں کی خوشبو اب تک ہمارے مکہ سے آرہی ہے۔ یعنی گزشتہ رات ہی ہم نے معشوق کا وصل کیا۔ زلیخا کی طرح محبوب کو محض خواب میں دیکھنا ہمارے بستر کے لئے عار ہے +

۶۔ مقطع صاف ہے +

(۱۸۹)

خطر ہے رشتہ الفتِ رگ گردن نہ ہو جائے ۱ غرورِ دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے
سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب
اگر گلِ سرو سے قامت پہ پیرا من نہ ہو جائے ۲

۱۔ اے معشوق تجھے میری دوستی پر اتنا غرور ہو گیا ہے کہ مجھے یہ اندیشہ ہوتا جا رہا ہے کہ رشتہ الفتِ مبدل بہ دشمنی نہ ہو جائے + رگ گردن حالتِ غرور و غضب میں پھول جایا کرتی ہے۔
۲۔ اے غالب اگر اس فصلِ گل میں پھولوں کا اس قدر انبار نہ لگ جائیں کہ قامتِ سروان میں پوشیدہ ہو کر پھولِ سرو کا لباس نہ بن جائیں تو یہ سمجھو کہ قوتِ نامیہ کی کوتاہی ہے (بندش اچھی ہے مبالغہ بچد ہے) +

(۱۹۰)

فریاد کی کوئی نے نہیں ہے ۱ تالِ پابند نے نہیں ہے
کیوں بولتے ہیں باغباں تو بنے ۲ گرباغ گدے تھے نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے ۳ پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیومتِ فریبِ ہستی ۴ ہر چند کہیں کہے نہیں ہے

شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے ۵ اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
کیوں ردِ قدح کرے ہے زاہد ۶ نئے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے اُسے نہیں ہے

۱۔ فریاد میں کوئی نئے یعنی راگ راگنی نہیں ہوتی۔ اسی طرح نالہ بھی بھسری کا محتاج نہیں
مطلب یہ کہ فریاد و نالہ بناوٹ سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اس میں اثر کا ہونا ضروری ہے
۲۔ (توبنوں سے بھیک مانگنے کے کشکول اور ظروف شراب بنائے جاتے ہیں ۱۔ مطلب
یہ ہے کہ باغ میں توبنوں کا پیدا ہونا اس بات کی دلالت ہے کہ باغ بھی گداڑے سے ہے۔
مدعا یہ ہے کہ شراب کے بغیر باغ کے پھولوں میں مستی نہیں آسکتی +
۳۔ اگرچہ ہر ایک شے میں تیرا جلوہ موجود ہے۔ لیکن تیری مانند تو کوئی چیز نہیں ہے۔
مطلب یہ ہے کہ چونکہ خدا جسمانیّت نہیں رکھتا اس لئے کوئی چیز اُس کی مانند نہیں ہو سکتی
۴۔ خبردار ہستی کے ہونے کا دھوکہ نہ کھانا۔ خواہ لوگ کتنا ہی کہیں کہ ہستی کوئی شے ہے
مگر درحقیقت نہیں ہے +

۵۔ مطلب یہ ہے کہ خوشی منانا چھوڑ دے تاکہ تجھے غم کا احساس بھی نہ ہو۔ کیونکہ اگر بہار
نہ ہوگی تو خزاں بھی نہ آئے گی۔ اُردی بہشت بہار کے ہینہ کا نام ہے اور دے خراں کا
ہینہ ہے + (بڑا فلسفیانہ شعر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنے مختصر شعریں اتنی وسیع
مضمون کی ادائیگی مرزا صاحب کا ہی کام ہے۔ فطرتی بات ہے کہ شادی کا احساس نہ ہوگا اور
غم ہی غم ہوگا تو غم کا بھی احساس نہ رہے گا) +

۶۔ مگس کی قے یعنی شہد۔ زاہد جو شہد پینے کو موجب ثواب جانتا ہے اور شراب سے نفرت
کرتا ہے اس کو شراب کی ترغیب دیتا ہے اور یہ جانتا ہے نفرت کی چیز شراب نہیں ہے بلکہ
وہ چیز ہے جو مگس کی قے کرنے سے حاصل ہوتی ہے (ازیا دگار غالب) +

۱۔ اے غالب تو ہر ایک چیز کو کہہ دیتا ہے کہ نہیں ہے نہ ہستی ہے نہ عدم ہے۔ آخر تو کیا چیز ہے۔ نہیں ہے۔ تیرا نام رکھ دیا جائے تو بجا ہے + چونکہ اس غزل میں نہیں ہے رذیف ہے اور اس کی تکرار ہوئی ہے اس وجہ سے فرماتے ہیں کہ تیرا نام نہیں ہے ہے +

(۱۹۱)

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحت دل کا ۱ کہ اس میں ریزہ الماس جزو اعظم ہے
بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

۱۔ دل کے زخم کا نسخہ مرہم نہ پوچھ۔ اس نسخے میں پیرے کی کئی بڑا جزو ہے۔ مطلب یہ کہ دل کے زخم کا علاج یہی ہے کہ زخم بڑھتا جائے (پیرے کی کئی کا استعمال زخم کو بڑھاتا ہے)
۲۔ پہلے عرصہ تک تو تو نے ہم سے تغافل ہی رکھا۔ اب بہت دنوں بعد صرف اتنا ہوا ہے کہ تو صرف ایک نگاہ ہمیں دیکھنے لگا ہے جو اتنی خفیف ہے کہ اس کو نگاہ کہا بھی نہیں جاسکتا۔ یعنی محض ایک سرسری نگاہ ڈالتا ہے +

(۱۹۲)

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے ۱ مرتے ہیں وئے اُن کی تمنا نہیں کرتے
در پردہ انہیں غیر سے ہے ربط نہانی ۲ ظاہر کا یہ پردا ہے کہ پردا نہیں کرتے
یہ باعث نومیدی ارباب ہو کس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

۱۔ ہم اپنے سے بھی ایسا رشک کرتے ہیں کہ ناقابل برداشت ہے۔ مرتے ہیں یعنی قریب المرگ ہو گئے ہیں مگر اُن کے دیدار کی تمنا نہیں کرتے کیونکہ ہمیں خود اپنے اوپر رشک آتا ہے کہ ہم اور اُس کا دیدار دیکھیں +

۲۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ غیر سے اُنہیں دلی محبت ہے۔ وہ جو غیر سے پردہ نہیں کرتے

یہ دلی محبت کے چھپانے کے لئے ایک پردہ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ غیر سے پردہ کرتے اور پھر نگاہ بگاہ غیر سے ملتے بھی رہتے تو موجب رسوائی تھا۔ اس لئے انہوں نے غیر سے پردہ اٹھا دیا تاکہ وہ بلا تکلیف غیر سے ملتے رہیں اور لوگوں کو کچھ شبہ نہ ہو لے پائے +

۴۴۔ تم غالب کو برا کہتے ہو یہ اچھا نہیں کرتے۔ کیونکہ رقیب لوگ جو کہ بوالہوس ہیں نا اُمید ہو جائیں گے اور تمہیں بے وفا سمجھیں گے۔ کیونکہ جب تم اپنے سچے وفادار غالب ہی کو برا کہتے ہو تو وہ تم سے کیا اُمید رکھ سکتے ہیں +

(۱۹۳)

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فرغ ۱ خطِ پیالہ سے اس رنگاہ گلچیں ہے
کبھی تو اس سرِ شوریدہ کی بھی داد ملے ۲ کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے
بجائے گردِ سننے نالہ ہائے بلبل زار ۳ کہ گوشِ گلِ نیمِ شبنم سے پنہ آگین ہے
اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا
مقام ترکِ حجاب و دایع تمکین ہے

۱۔ شربِ تیرے لب سے (سُرخ) رنگ حاصل کرتی ہے۔ اور خطِ پیالہ نگاہ گلچیں بن کر
تیرے گلزارِ لب سے بادہ کے واسطے رنگِ گل حاصل کر رہا ہے پس پیالہ گلچیں اور
خطِ پیالہ نگاہ گلچیں قرار پائی +

۲۔ میرادلِ مجنوں ایک مدت دراز سے تکیہ کا آرزو مند ہے یعنی کثرتِ سودا سے میں عرصہ
دراز سے آرام نہ کر سکا۔ کبھی تو اس کا بھی انصاف ہونا چاہئے۔ مطلب یہ کہ آپ پہلو میں
آئیں تو میرا سرِ شوریدہ آرام پائے +

۳۔ گوشِ گل میں جو شبنم کے قطرے کی روٹی بھری ہوئی ہے یہ بجا اور درست ہے۔ پائے
ہے تاکہ گلِ بلبل زار کے نالے نہ سن سکے۔ نیمِ شبنم کو سپیدی کی وجہ سے پنہ سے تشبیہ
دی گئی ہے +

۴۔ اسے یوں فامعشوق اسد نزع کی حالت میں ہے اب تو چل اور اُس سے وداع ہو
سے اترو وقت ایسا ہے کہ تجھے حجاب اور تمکین کو رخصت کر دینا چاہئے +

(۱۹۴)

کیوں نہ ہو چشمِ تباں محوِ تغافل کیوں نہ ہو ۱ یعنی اس بیمار کو نظارہ سے پرہیز ہے
مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی ۲ واسطے ناکامی کہ اُس کا فر کا خنجر تیز ہے
عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیر ہے ۳

۱۔ چشمِ محبوباں تغافل سے پر کیوں نہ ہو۔ ضرور ہونی ہے۔ چونکہ یہ بیمار ہے اس لئے اسے
(چشمِ محبوب) نظارہ سے پرہیز ہے (چشمِ معشوق کو بیمار سے تشبیہ دیا کرتے ہیں) +
۲۔ مرتے وقت بھی دیدارِ یار کی آرزو رہ جائیگی۔ کیونکہ اُس کا خنجر تیز ہے اور جلد ہی
میری گردن جدا ہو جائے گی کاش اُس کا خنجر تیز ہوتا تو اُس کا دیدار سیر ہو کر کرتا (اور لذت
درد بھی زیادہ وقفہ تک اٹھانا) +
۳۔ مقطع صاف ہے +

(۱۹۵)

ویا ہے دل اگر اُس کو بشر ہے کیا کہئے ۱ ہوا رقیب تو ہونا مہر ہے کیا کہئے
یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ ہے ۲ قضا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہئے
ہے ہے یوں ویگہ کہ کوئے دوست کو اب ۳ اگر نہ کہئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہئے
نہے کرشمہ کہ یوں سے رکھا ہے ہم کو فریب ۴ کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہئے
سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسشِ حال ۵ کہ یہ کہے کہ سیر رہ کر ہے کیا کہئے
تہیں نہیں ہے سرِ رشتہ وفا کا خیال ۶ ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہئے
انہیں سوال نہ دے جنوں ہے کیوں لڑے ۷ ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہئے

حسد نہ اُسے کمال سخن ہے کیا کیجے ۔ ستم بہائے متاع ہنر ہے کیا کہئے
 کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن
 ۹ سوائے اس کے کہ آشفۃ سر ہے کیا کہئے

۱۔ اگر نامہ بر نے محبوب کو دل دیدیا ہے تو آخر شہر ہے کیا کہا جائے کیونکہ اُس کا حُسن ہی
 ایسا دلکش ہے کہ کوئی آدمی اُس سے اپنا دل صحیح سلامت لیجا ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ ہمارا قریب
 بھی ہو گیا تو کیا کہیں ہمارا نامہ بر ہے ہم اُسے کیا کہہ سکتے ہیں ؟

۲۔ ہمیں قضا آئے گی ضرور مگر اُسے یہ ضد ہو گئی ہے کہ آج نہ آئے جبکہ ہم شبِ فرقت میں
 جاں سے عاجز آ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں قضا سے بہت زیادہ شکوہ ہے ۔

۳۔ دشمن وقت بے وقت کوئے دوست میں ہی پڑا رہتا ہے۔ اس لئے اب اگر کوئے
 دوست کو دشمن کا گھر نہ کہیں تو اور کیا کہیں ؟

۴۔ اُن کا ہر ایک کوشش ہمیں یوں فریب دیتا ہے یعنی یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں بغیر کہے ہی
 ہمارا سب حال معلوم ہے اُن سے کہنے کی کیا ضرورت ہے ؟

۵۔ وہ مجھ سے خلوت میں تو کبھی میرا حال پوچھتے نہیں۔ اراداً بازار میں پرسش حال کرتے
 کرتے ہیں تاکہ میں یہ کہہ دوں کہ بازار میں اپنا حال کیا بیان کروں یہ مطلب یہ کہ میں بازار میں
 اپنا حال بیان نہ کر سکوں گا ۔

۶۔ معشوق سے خطاب ہے کہ تمہیں سرِ شستہ وفا کا خیال بھی نہیں ۔ اچھا بتاؤ ہمارے
 ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ عاشق کا مقصد یہ ہے کہ اُس کے ہاتھ میں سرِ شستہ وفا ہے اور کہتا
 ہے جیسے کہ سرِ شستہ وفا کا خیال نہیں گویا اُس نے پہلے ہی بتلادیا لیکن معشوق کو اس قدر بیگانہ
 وفا سمجھتا ہے کہ بتانے پر بھی وہ نہ بتا سکیگا کہ عاشق کے ہاتھ میں کیا ہے (بجلا اور کس شاعر کو
 یہ خوبی طرزِ ادا میسر ہے)

۷۔ انہیں میرے سوال سے میرے مجھوں ہونے کا خیال ہوتا ہے۔ اور ہمیں اُن سے کسی

جواب کی اُمید نہیں کیا کہا جائے +

۵۔ کمال سخن کو حسد کی سزا دی جاتی ہے کیا کیا جائے۔ اور متاع ہنس کا بدلہ ستم ہے کیا کہا جائے۔ مطلب یہ کہ کاٹانِ اضافت سخن سے حسد کرتے ہیں۔ اور اہل ہنس لوگوں پر ستم توڑے جاتے ہیں +

۶۔ کسی نے کہا کہ غالب بُرا نہیں ہے اور اس میں سوائے آشفۃ سرے کے اور کوئی عیب بھی نہیں + کسی سے مراد ملہمِ اضافت غیبی ہے +

(۱۹۶)

دیکھ کر درپردہ گرم دامنِ انسانی مجھے ۱ کرگئی وابستہ تن میری عریانی مجھے
بن گیا تیغِ نگاہِ بار کا سنگِ فساں ۲ مرجا میں کیا مبارک ہے گراں جانی مجھے
کیوں نہ ہو بے التفاتی اُس کی خاطر جمع ہے ۳ جانتا ہے مجھ پر کس شہاٹے پہانی مجھے
میرے غمخانا کی قسمت جب تم ہونے لگی ۴ لکھ دیا منجملہ اسبابِ ویرانی مجھے
بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے ۵ اس قدر ذوقِ لڑنے مرغِ بستانی مجھے
وائے والی بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا ۶ لے گیا تھا گور میں ذوقِ تنِ آسانی مجھے
وعدہ آنے کا دلیکچہ پہ کیا انداز ہے ۷ تم نے کیوں پی ہے میرے گھر کی ربانی مجھے
ہاں نشاطِ آمدِ فصلِ بہاری واہ وا ۸ پھر ہوا ہے تازہ سودائے غزلخوانی مجھے

دی برے بھائی کو حق نے از سرِ نو زندگی

۹ میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

۱۔ مجھے درپردہ ترکِ تعلق میں مصروف دیکھ کر میری عریانی مجھے گرفتارِ جسمِ کرگئی مطلب یہ کہ عریانی سے بھی ترکِ دنیا نہیں ہو سکتا پھر بھی انسان پابندِ جسم رہتا ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے ترکِ دنیا دشوار ہے +

۲۔ میری سخت جانی میرے لئے کیسی مبارک ہو گئی ہے کہ میں تیغِ افکارِ نگاہِ بار کا سنگِ فساں

بن گیا ہے ۔ سنگ فساں ۔ وہ پتھر جس پر تلوار چھری چاقو وغیرہ تیز کئے جاتے ہیں بمطلب یہ کہ مجھے پے درپے تیغ نگاہ یار سے زخمی ہونے کا فخر حاصل ہو گیا ہے ۔

۳۔ محبوب مجھ سے ہے التفاتی کیوں نہ کرے اس کو اطمینان کلی حاصل ہے کہ میں اُس کے دام عشق سے نہیں نکل سکتا اور مجھے یہ سمجھتا ہے کہ میں اُس کی خیالی تصویر سے بات چیت کرنے میں مصروف رہتا ہوں ۔ اس صورت میں مجھ پر التفات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ۔ ۴۔ جب میرے غمخانیے میرے گھر کی قسمت لکھی جاتے لگی تو اُس کی دیرانی کے اسباب میں سے مجھے بھی ایک سبب قرار دیا ۔ مطلب یہ کہ اگرچہ مکان کی دیرانی کے اسباب اور بھی رقم کئے لیکن ایک سبب مجھے بھی قرار دیا ۔ کیونکہ میرے آب گریہ سے بہت سے حقے دیران ہو گئے ۔

۵۔ کاش مجھ کو نواپائے مرغان بارغ سُننے کا اس قدر شوق نہ ہوتا ۔ کیونکہ وہ کافر معشوق میرے اس شوق سے بھی بدگمان ہوتا ہے ۔ مطلب یہ کہ معشوق عاشق سے بھی زیادہ بدگمان ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ عاشق سوائے میری ذات کے نہ اور کسی شے کو نہ چاہے ۔

۶۔ شعر صاف ہے ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں مجھے تو یہ خیال تھا کہ قبر میں ہمیشہ آرام سے بیٹا ہوں گا اور نکالیف بُنیا کی تلائی ہو جائے گی ۔ یہ کیا خبر تھی قیامت بھی آدھکے گی اور اپنے شور سے آرام سے سونے والوں مُردوں کو بھی جگا کر بچپن کر دے گی ۔

۷۔ آپ نے میرے گھر آنے کا وعدہ فرمایا تھا تو اُس کو پورا کیجئے ۔ آپ نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے کہ مجھے میرے گھر کی درباری سونپ دی ۔ یعنی ہر وقت میری آنکھیں دروازے کی طرف نگرال رہتی ہیں ۔

۸۔ شعر صاف ہے ۔

۹۔ مرزا صاحب اپنے بھائی کی صحت یابی پر سپاس حق ادا فرماتے ہیں ۔ اپنے بھائی کو یوسف ثانی بتلایا ہے ۔ بھائی کے عزیز ہونے کے لحاظ سے تو مثال بالکل موزون ہے لیکن

حضرت یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا :

(۱۹۶)

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے ۱ سچہ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
ہے کشادہ خاطر وابستہ در رہن سخن ۲ تھا طلسم قفل ابجد خانہ مکتب مجھے
یارب اس آشفتگی کی داد کس سے چاہئے ۳ رشک آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے
طبع ہے مشتاق لذت لئے حسرت کیا کروں ۴ آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے

عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

۱۔ مجھے شادی میں بھی خدا یاد رہتا ہے۔ خندہ زیر لب یعنی میری مسکراہٹ بھی سچہ زاہد بنی ہوئی ہے۔ چونکہ تسبیح کے دانوں سے ہنسی میں دانت ظاہر ہونے کی صورت پیدا ہوتی ہے اسلئے خندہ زیر لب کو سچہ زاہد سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یارب کے معنی غم بھی آتے ہیں اس لئے پہلے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میرے لئے شادی میں بھی غم ہے +

۲۔ قفل ابجد ایک قسم کا قفل ہوتا ہے جس کی پھر کیوں پر حروف کاندہ ہوتے ہیں۔ جب تک اُن پھر کیوں کو گھما کر ایک خاص لفظ مقرر نہ بنایا جائے جس سے وہ قفل کھلتا ہے۔ وہ قفل نہیں کھل سکتا + مطلب شعر یہ ہے کہ میری گرفتہ خاطر اُس وقت تک کشادہ نہیں ہوتی جب تک کہ میں شعر و سخن میں مشغول نہیں ہوتا۔ گویا میری گرفتہ خاطر بھی قفل ابجد ہے اور اُس کی پھر کیوں شعر و سخن +

۳۔ لفظ یارب یہ ظاہر کرتا ہے کہ پہلے قیدیوں کی زندگی بسر کر چکے ہیں مطلب یہ کہ جب میں قید خانہ میں تھا جب تو آوارگی کی شوق چراتا تھا اور اب جبکہ آوارہ پھر رہا ہے اب زندانیوں کی زندگی پر رشک کرتا ہوں +

۴۔ آرزو سے میرا مطلب شکست آرزو ہے۔ کیونکہ میری طبیعت حسرت کی لذتوں کی مشتاق

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب میری آرزو پوری نہ ہوگی۔ تب ہی لذتِ حسرت اٹھا سکتا ہوں +
 ۵۔ مقلع صاف ہے +

(۱۹۸)

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے ۱ چمن میں خوش نوا یان چمن کی آزمائش ہے
 قد و گیسو میں قیس و کوہن کی آزمائش ہے ۲ جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے
 کریں گے کوہن کے حوصلہ کا امتحان آخر ۳ ہنوز اس خستہ کے نیڑے تن کی آزمائش ہے
 نسیم مصر کو کیا سپر کنعاں کی ہوا خواہی ۴ اُسے یوسف کی بٹے پیراں کی آزمائش ہے
 وہ آیا نرم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے ۵ شکیب و صبر اہلِ انجمن کی آزمائش ہے
 رہے گردل میں تیرا تھا جگر کے پار ہو بہتر ۶ غرض شمسیت بُت ناوک فلن کی آزمائش ہے
 نہیں کچھ سجدہ و زنا کے پھندے میں گیرانی ۷ وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 پڑا رہ اسے دلِ وابستہ بتیابی سے کیا حاصل ۸ مگر پھر تاب زلفِ پرشکن کی آزمائش ہے
 رگِ پے میں جب اترے زہرِ غم تب دیکھئے کیا ہو ۹ ابھی تو تلخی کام و دہن کی آزمائش ہے
 وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیسا دیکھنا غالب
 نئے فتنوں میں اب چرخِ کہن کی آزمائش ہے

۱۔ بادشاہ کے دربار میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے۔ گویا خوش نوا یان چمن کی چمن میں آزمائش ہے
 مطلب یہ کہ بادشاہ چونکہ سخن اور اہلِ سخن کا قدردان ہے اس لئے اہلِ سخن کا بادشاہ کے روبرو
 اشعار پڑھنا نہایت کمزور ہے جس طرح کہ خوش نوا یان چمن کا چمن میں خوشنوائی کرنا
 ۲۔ قیس و کوہن یعنی عاشق مزاج شاعروں کی آزمائش قد و گیسو کی تعریف کرنے میں ہے کہ کون
 بہتر تعریف کرتا ہے۔ گویا جہاں ہم ہیں دار و رسن کی آزمائش ہے۔ دار سے
 مراد قد اور رسن سے مراد زلف ہے +

۳۔ کوہن کے حوصلے کا امتحان تو بعد میں ہوگا۔ ابھی تو اس کی طاقت کی آزمائش ہے۔ یعنی

پہلے فرما دے پہاڑ کٹوا کر اس کی جسمانی طاقت کا امتحان لیا گیا تھا بعد میں شیریں کے مرنے کی خبر
سنا کر اُس کے حوصلے کا امتحان لیا گیا تھا جس میں وہ ناکامیاب رہا +

۴۔ نسیم مصر حضرت یعقوب کو خوش کرنا نہیں چاہتی تھی اُسے تو حضرت یوسف کے لباس
کی خوشبو کی آزمائش منظور تھی کہ حضرت یعقوب پر اُس سے کیا اثر ہوتا ہے +

۵۔ دیکھو ہوشیار ہو جاؤ وہ یعنی معشوق اہل انجمن کے صبر و شکیب کی آزمائش کے لئے آتا
ہے۔ اور وہ ضرور سب کا صبر و شکیب ٹوٹ کرے جائیگا۔ ہم نے اس لئے خبردار کر دیا ہے کہ آپ
یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم غفلت میں دولت صبر و شکیب سے محروم ہو گئے + (جدت طرز ادا نے
شعر کو نہایت مؤثر اور پر لطف بنا دیا ہے) +

۶۔ تیر خواہ ہمارے دل میں رہ جائے خواہ جگر کے بھی پار ہو جائے۔ ہر صورت میں اچھا اور
بہتر ہے۔ ہمیں تو صرف ناوک فتن کے نشانہ کی آزمائش کرنا ہے کہ وہ کیسا نشانہ باز ہے مطلب
یہ کہ ہم لذت آشنائے زخم ناوک یار ہو جائیں +

۷۔ ہم سجد و زنار کے پھندہ دل کی مضبوطی پر بحث نہیں کرتے کہ کس کا پھندہ زیادہ مضبوط ہے
ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ شیخ سجد سے زیادہ وفاداری کرتا ہے یا برہمن زنار کے ساتھ۔ سجد و زنار
کو گولا ٹی کی وجہ سے پھندے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیخ و برہمن دونوں سجد و
زنار کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں دیکھئے کون زیادہ عرصے تک پھنسا رہتا ہے +

۸۔ اسے زلف یار میں اُلجھے ہوئے دل پر ارہ قیابی سے کیا حاصل ہوگا۔ کیا پھر زلف پر شکن
کے بیج کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ ایک بار تو اُلجھ کر تیرا کلنا مشکل ہو گیا اور قید میں پڑا ہے
اگر اب اُلجھے کا تو بہت بُری طرح کسا جائیگا +

۹۔ غم عشق کی تلخی ابھی تو کام و دہن تک ہی محدود ہے۔ جب اس کا زہر رگ و پے میں پھیلا
تب حقیقت معلوم ہوگی۔ مطلب کہ ابھی تو ابتدائے عشق ہے۔
ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

۱۰۔ اسے غالب دیکھنا وہ مرے گھر ضرور آئیں گے انہوں نے صرف وعدہ ہی نہیں کیا بلکہ میرے دل کو یقین ہے وہ آئیں گے بھی ضرور۔ اور اب نئے فتنوں میں یعنی اُن کے آنے کے بعد ہم چرخ کہن کی آزمائش کریں گے یعنی دیکھیں گے کہ اب چرخ کہن ہمارے ساتھ کیا کرتا ہے +

(۱۹۹)

کبھی نیکی بھی اُسکے جی میں گرا جائے ہے مجھ سے ۱ جفا میں کر کے اپنی یاد شرم جائے ہے مجھ سے
خدا یا جذبہ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے ۲ کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے
وہ بدخو اور میری داستانِ عشق طولانی ۳ عبارت مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
اُدھر وہ بدگمانی ہے، اُدھر یہ ناتوانی ہے ۴ نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے
سنبھلنے دے گئے ناامید ہی کیا قیامت ہے ۵ کہ دامن خیالی یا رچھوٹا جائے ہے مجھ سے
تکلف برطرفِ نظارگی میں بھی ہسی لیکن ۶ وہ دیکھا جائے کہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے
بچے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی ۷ نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا، مسافر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۱۔ اس خیال سے کہ تمام عمر اس پر ظلم کئے ہیں اب تھوڑی سی نیکی کرنے سے اس کی کیا تلافی ہو سکتی ہے۔ نیکی نہیں کر سکتا (از یادگار غالب) +

۲۔ خدا کیا میرے جذبہ دل میں الٹا اثر پیدا کر دیا ہے۔ کہ جس قدر میں اس کو کھینچتا ہوں یعنی ضبط میں رکھتا چاہتا ہوں اُسی قدر مجھ سے ناراض ہوتا جاتا ہے +

۳۔ میرا معشوق تو بدخو ہے اور میری داستانِ عشق طولانی۔ مختصر یہ کہ داستانِ عشق کے بہت طولانی ہونے کے باعث قاصد بھی سُنتے سُنتے گھبرا جاتا ہے + (داستانِ عشق طولانی اور عبارت مختصر کی نقطی رعایت ملاحظہ ہو) +

۴۷۔ معشوق میری عبادت کے واسطے تو آیا مگر اُس کو یہ بدگمانی ہے کہ میں رخصت ہی نہیں گویا اُس کو بلانے کی غرض سے میں نے اپنی بیماری کا بہانہ تراشا تھا۔ اس لئے میری مزاج پرسی کرتا ہی نہیں۔ اور چپ چاپ بیٹھا ہوا ہے۔ ادھر میری ناتوانی کی یہ حالت ہے کہ میں گفتگو کرنے کے قابل ہی نہیں (حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب فصاحت اور بلاغت دونوں کو ایک ہی جگہ اکٹھا کر دینے میں کمال رکھتے ہیں ان کے پاکیزہ الفاظ گویا مضامین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں) +

۴۸۔ مرزا صاحب کے اکثر اشعار معنوی لحاظ سے بھی فطرتی ہوتے ہیں۔ یہ شعر بھی ہر لحاظ سے فطرتی ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب انسان کو کسی کلام میں بالکل مایوسی ہو جاتی ہے تو اس خیال کو ترک کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس شعر میں طرزِ ادا کی شوخی بھی قیامت ہے +

۴۹۔ صاف بات ہے کہ اگرچہ میں بھی اُس کے جمال کا نظارہ کرنے والوں میں ہوں لیکن مجھ سے یلغم برداشت نہیں ہو سکتا کہ وہ دیکھا جائے یعنی لوگ اُس کے جمال کا نظارہ کریں +

۵۰۔ اس شعر میں وجدانی کیفیات کی تمثیل محسوسات کے ساتھ دی گئی ہے مطلب ہے کہ وہ قویٰ جن سے عشق کے ترک کرنے یا اس کے شدید پر تحمل کرنے کی قدرت تھی اب نہ عشق میں انہیں کو صدمہ پہنچا بس اب نہ عشق ترک ہو سکتا ہے نہ اس پر صبر و تحمل کیا جاسکتا ہے۔ (از یادگار غالب) +

۵۱۔ اے غالب غضب ہے کہ کافر یعنی وہ معشوق جس کو میں اُس کے سفر پر روانہ ہونے کے وقت رشک کی وجہ سے خدا کا نپاٹا کہنا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ رقیب کا ہمسفر ہو (اس شعر میں مرزا صاحب کے احساسِ رشک نے بھی قیامت پھاکی ہے۔ یعنی خدا سے بھی رشک کرتے ہیں) +

(۲۰۰)

زبکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے ۱ کشادہ لبست مزہ سیلی ندامت ہے
نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعن بد عہدی ۲ تجھے کہ آئینہ بھی ورطہٴ ندامت ہے

یہ بیچ و تاب ہوس سلک آفیت مت توڑ ۳ نگاہِ عجز سرِ رشتہ سلامت ہے

وفا مقابل و دعویٰ عشق بے بُناد

۴ جنونِ ساختہ و فصلِ گلِ قیامت ہے

۱۔ دنیا و مافیہا کا تماشا دیکھنا جنون کی علامت ہے۔ اور تماشا دیکھنے میں پلکوں کا کھلنا اور

ہند ہونا ہمارے لئے گویا ندامت کے طمانچے ہیں۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

۲۔ تیرے طعن بد عہدی کے داغوں کے ٹٹنے کی کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ تیرا آئینہ

دیکھنا بھی تیرے بد عہدی کے داغ نہیں مٹا سکتا۔ کیونکہ تو آئینہ بھی اس لئے دیکھتا ہے کہ بناؤ

سنگار کر کے اپنے آپ کو میرے اختیار کو دکھلائے اور اُن سے دادِ حسن حاصل کرے۔ تیرے

لئے تو آئینہ بھی ملامت کا بھنور ہے۔ آئینہ کی تشبیہ و ربط سے کیا خوب ہے مرزا صاحب

کے تخیل کی رسائی بھی آئینہ بن کر حیران کئے دیتی ہے) + لفظ کیونکہ بمعنی کیونکر اب مستعمل نہیں۔

۳۔ ہوس کے چکر میں عافیت کی لڑی کو نہ توڑ۔ عاجزی کی نگاہ سلامتی کا سرِ رشتہ ہے۔

عاجزی کی نگاہ سے مراد قناعت ہے۔ مطلب یہ کہ ہوس نکالیف کا باعث ہے اور قناعت

میں راحت حاصل ہوتی ہے +

۴۔ معشوق تو رقیب سے وفا کر رہا ہے اور رقیب کا عشق بے بُناد ہے گویا موسمِ بہار آگیا

اور جنوں بنا دئی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا قیامت ہو سکتی ہے + (رقیب سے انتہائے رشک

کا اظہار ہے)

(۲۰۱)

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جادے مجھے ۱ میرا ذمہ دیکھ کر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے جم ۲ واں تلک کوئی کسی حیلہ سے پہنچائے مجھے

منہ نہ دکھلائے نہ دکھلا پر باند از عتاب ۳ کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلائے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانہ میں اُلجھا دے مجھے

۱۔ اس شعر میں مبالغہ بچہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں تیرے ہجر کے صدموں سے اتنا لاغر ہو گیا ہوں کہ اگر تو مجھے اپنی محفل میں بلاے اور اپنے پاس بٹھائے تو میں اپنی لاغری کے باعث کسی کو نظر نہیں آ سکتا +

۲۔ مطلب یہ ہے کہ معشوق مجھ سے اس قدر ناراض ہے کہ میری صورت بھی دیکھنی نہیں چاہتا اور دربان کو خاص طور پر تاکید کی ہوئی ہے کہ غالب کو ہرگز میرے مکان میں نہ گھسنے دینا۔ لیکن اگر کوئی مجھے کسی چلے بہانے سے اُس کی نظروں کے سامنے پہنچا دیوے تو کیا عجب ہے کہ جب میری اُس کی آنکھیں چار ہوں تو میری صورت دیکھ کر اُس کو مجھ پر رحم آ جائے اور مجھے اپنی محفل سے نہ نکالے +

۳۔ مرزا صاحب کے اشعار میں یہ خاص بات ہے کہ جذبات بالکل حقیقی معلوم ہوتے ہیں تصنع کا نام تک نہیں۔ حق تو یہ ہے کہ جذباتِ دلی کی مصوری میں مرزا صاحب کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ فرماتے ہیں اگر مُنہ نہیں دکھلاتا تو نہ دکھلا پردہ ہٹا کر کم از کم باندازِ عتاب مجھے اپنی غصب آلود آنکھیں ہی دکھلا دے (کیا عشق ہے انظر اضمہ نہیں تو نظر غضب ہی دیکھنا چاہتے ہیں) +

۴۔ شعر صاف ہے مطلب یہ کہ اگر میں زلف بھی بن جاؤں جو دوسروں کو اُلجھاتی ہے تو بھی وہ مجھ کو اپنے شانہ میں ہی اُلجھا لے +

(۲۰۲)

باز بچہ اطفال ہے دُنیا مرے آگے ۱ ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اور رنگِ سلیمان مرے نزدیک ۲ لک بات ہے اعجازِ میحمارے آگے
جُز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور ۳ جُز وہم نہیں مستیِ اشیا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے مرے ہوتے ۴ گھستا ہے جہیں خاک پہ دریا مرے آگے
 مت بوجھ کہ کیا حال ہے مرا ترے پیچھے ۵ تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
 سچ کہتے ہو خود میں خود آرا ہوں نہ کیوں ہوں ۶ بیٹھا ہے بُت آنہ سہما مرے آگے
 پھر دیکھئے اندازِ گل افشانی گفتار ۷ رکھ دے کوئی پیانا و مہبا مرے آگے
 نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا ۸ کیونکر کہوں لو نام نہاں کا مرے آگے
 ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر ۹ کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
 عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام ۱۰ مجھوں کو بُرا کہتی ہے لیلیا مرے آگے
 خوش ہوتے ہیں پر وِیل میں یوں مر نہیں جاتے ۱۱ آئی شب بھر کی نمنا مرے آگے
 ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش ہی ہو ۱۲ آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
 گو ہاتھ کو جنبش نہیں نکمروں میں تو دم ہے ۱۳ رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ وہم مشرب ہمارا ہے میرا
 غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

۱۔ کوئی تارے آگے بچوں کا کھیل ہے۔ رات دن مرے آگے تماشا ہوتا ہے۔ یعنی میری
 نگاہ میں دنیا کی وقعت بچوں کے کھیل اور تماشے سے زیادہ نہیں +
 ۲۔ میرے سامنے حضرت سلیمان کا تخت ایک کھیل کی مانند ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کا معجزہ میرے آگے ایک معمولی بات ہے +

۳۔ میرے خیال میں عالم کا نام ہی نام ہے وجود نہیں۔ اور اشیا کی ہستی سوائے وہم کے اور
 کچھ نہیں +

۴۔ صحرائے مرے سامنے گرد میں نہاں ہو جاتا ہے اور دریا میرے آگے خاک پر پیشانی رگڑتا
 ہے۔ مطلب یہ کہ جب میں خاک اڑاتا ہوں تو صحرائے گرد میں نہاں ہو جاتا ہے اور جب میں
 رونے پراتا ہوں تو میرے سامنے دریا کی کیا حقیقت رہتی ہے۔ خاک پر پیشانی رگڑتا نظر آتا ہے

۵۔ تو یہ مت پوچھ کہ میرا تیرے پیچھے یعنی تیرے عشق میں کیا حال ہو گیا ہے بلکہ تو یہ دیکھ کہ تیرا میرے آگے کیا رنگ ہے یعنی تو میرے آگے رقیبوں سے ملتا ہے اور مجھے حد سے دیتا ہے۔
۶۔ تم سچ کہتے ہو اور میں مانتا ہوں کہ میں خود بین و خود آرا ہوں لیکن میں کیوں نہ ہوں جبکہ تم جیسا آئینہ جیسی پیشانی رکھنے والا محبوب میرے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔ میرے لئے اس سے زیادہ اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

۷۔ کوئی میرے سامنے شراب اور پیالہ رکھ دے اور پھر میری گفتگو کی گلی افشانی دیکھے یعنی میرے منہ سے پھول جھڑتے ہوئے دیکھے۔

۸۔ اگرچہ جب کوئی اُن کا نام میرے سامنے لیتا ہے تو مجھے رشک گزرتا ہے لیکن میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اُن کا نام میرے آگے نہ لے کیونکہ یہ کہنے سے لوگوں کو یہ گمان ہو جائیگا کہ مجھے اُن سے نفرت ہے۔

۹۔ میں عجیب کشمکش میں ہوں اور تو ایمان مجھے کفر کی طرف جانے سے روکتا ہے گویا کعبہ میرے پیچھے ہے اور منہ میرا جانب کفر۔ ادھر سے کفر مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور کیسا میرے آگے ہے۔

۱۰۔ اگرچہ میں عاشق ہوں لیکن سب معشوق میرے دام محبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میرے ہوتے لیئے محبوب کو بُرا سمجھتی ہے۔

۱۱۔ لوگوں کو شبِ وصل میں غیر معمولی خوشی تو ہوتی ہے مگر میری طرح خوشی سے مرتے نہیں یوں شادی مرگ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شبِ بھراں میں جو میں مرنے کی دُعا مانگا کرتا تھا وہ شبِ وصل میں پوری ہوئی۔ واہ رے ناکامی قسمت! اجدتِ نجات کے ساتھ زبان کا لوح اور روزِ قرہ کی صفائی مرزا صاحب کا حصہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے مرزا صاحب کو خاص دماغ اور خاص دل عطا فرمایا تھا۔

۱۲۔ یہ جو میرے رونے سے آنسوؤں کا ایک دریا بہہ رہا ہے۔ کاش عشقِ ظالم اسی پر اکتا کرے

لیکن مصیبتیں یہیں ختم ہوتی نظر نہیں آتیں۔ ابھی دیکھئے میرے آگے کیا کیا آتا ہے یعنی ابھی
 کن کن مصائب سے مقابلہ کرنا ہے +

۱۴۱۔ ذوق ہا وہ خواری کا نقشہ عجیب حسرت آمیز الفاظ میں کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں اگرچہ
 میرا کام تمام ہو چکا مگر ابھی آنکھوں میں دم ہے اور کچھ نظر آتا ہے اس لئے ساغر و مینا کو میرے
 سامنے سے نہ ہٹاؤ۔ اگر ہی نہ سکوں گا تو دیکھنا تو رہوں گا +

۱۴۲۔ مقطع صاف ہے۔ گویا غالب کے کوئی خاص دوست فرماتے ہیں کہ غالب کے میرے
 سامنے بُرا نہ کہو۔ میرا ہم پیشہ۔ ہم مشرب اور ہمارا ہے۔ بھلا میرے سامنے اور کوئی اس کو بُرا
 کہے + (تقداد ملاحظہ ہو) +

(۲۰۳)

— کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے ۱۔ تمہی کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہئے
 نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہیں ۲۔ مجھے تو خوش ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے
 وہ نیشتر ہی پر دل میں جب اتر جائے ۳۔ نگاہ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہئے
 نہیں ذرا یہ راحت جراثیم پیر کاں ۴۔ وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکھنا کہئے
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنئے ۵۔ جو ناسزا کہے اُس کو نہ ناسزا کہئے
 کہیں حقیقت جانکاہی مرض لکھئے ۶۔ کہیں مصیبت ناسازی دوا کہئے
 — کہیں شکایت رنج گراں نشیں کیجے ۷۔ کہیں حکایت صبر گرینز پا کہئے
 رہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجے ۸۔ کہئے زباں تو خجھر کو مرجھا کہئے
 نہیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے ۹۔ روانی روش وستی ادا کہئے
 نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے ۱۰۔ طراوت چمن و خوبی ہوا کہئے

سفینہ جب کہ کنارہ پہ آ لگا غالب

خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہئے

۱۔ اگر میں اپنے دل کا حال کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ تمہارا مدعا کیا ہے۔ گویا تم میرے مدعا سے واقف ہی نہیں۔ اس صورت میں جبکہ تم جان بوجھ کر انجان بننے ہو میں حیران ہوں کہ تمہاری بات کا کیا جواب دوں +

۲۔ یہ شعر بھی مرزا صاحب کی شوخی میں رنگا ہوا ہے۔ فرما۔ تم میں میں تو اچھا حضور بجا حضور کہنے کا عادی ہوں آپ نے طعن سے اپنے آپ کو سنگر کہا میں نے حسب عادت بجا ہے حضور کہہ دیا تو آپ نا حق مجھ پر خفا ہونے لگے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آئندہ آپ طعن سے بھی اپنے آپ کو سنگر نہ کہیں +

۳۔ معشوق کی نگاہ ناز خواہ نشتر ہی سہی پر جب دل میں اتر گئی اور اس نے دل میں جگہ لے لی تو اُسے آشنا کہا جائے تو بالکل بجا ہے +

۴۔ تیر کا زخم ذریعہ راحت نہیں کیونکہ وہ دل کٹائی نہیں کرتا۔ دکھ کا زخم تو زخمِ تلخ ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا مجھے تو زخمِ تلخ لگائیے +

۵۔ جو تمہارے ساتھ دشمنی کرے تمہیں چاہئے کہ تم اُس کے ساتھ دشمنی نہ کرو کیونکہ اگر تم بھی اُس کے ساتھ دشمنی کرو گے تو وہ تمہارا اور زیادہ دشمن ہو جائیگا اور اس طرح دشمنی کا سلسلہ طول پکڑ جائیگا۔ اور اگر تمہیں کوئی بُرا کہے تو تم اُسے بُرا نہ کہو کیونکہ پھر وہ گالیوں پر اتر آئے گا (نبایت اخلاق آموز شمر ہے) +

۶۔ شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں عشق میں سیکنڈوں مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں +

۷۔ شعر صاف ہے۔ کبھی ہم اپنے رنج گراں نشیں کا ذکر کرتے ہیں کبھی بھاگ جانے والے صبر کا۔

۸۔ اگر قاتل جاں لے لے تو بجائے اس کے کہ قاتل خوں بہا داکر سے مقتول کو چاہئے کہ قاتل کو خوں بہا داکر سے اور اگر قاتل اپنے خنجر سے عاشق کی زباں کاٹ ڈالے تو خنجر کی تعریف کرنی چاہئے (مطلب یہ کہ مذہب عشق میں قانون شریعت اُلٹا ہے)۔ خوں بہا دیکھ سنے خوں بہا معاف کر دیکھ بھی مطلب ہو سکتا ہے +

۱۔ اگر میں اپنے دل کا حال کہتا ہوں تو تم کہتے ہو کہ تمہارا مدعا کیا ہے۔ گویا تم میرے مدعا سے واقف ہی نہیں۔ اس صورت میں جبکہ تم جان بوجھ کر انجان بننے ہو میں حیران ہوں کہ تمہاری بات کا کیا جواب دوں +

۲۔ یہ شعر بھی مرزا صاحب کی شوخی میں رنگا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں میں تو اچھا حضور بجا حضور کہنے کا عادی ہوں آپ نے طعن سے اپنے آپ کو سنگسار کیا میں نے حسب عادت بجا ہے حضور کہہ دیا تو آپ نا حق مجھ پر خفا ہونے لگے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آئندہ آپ طعن سے بھی اپنے آپ کو سنگسار نہ کہیں +

۳۔ معشوق کی نگاہ ناز خواہ نشتر ہی سہی پر جب دل میں اتر گئی اور اس نے دل میں جگہ لے لی تو اُسے آشنا کہا جائے تو بالکل بجا ہے +

۴۔ تیرا زخم ذریعہ راحت نہیں کیونکہ وہ دل کُشتا فی نہیں کرتا۔ دکھنا زخم تو زخم تیغ ہی ہو سکتا ہے۔ لہذا بگئے تو زخم تیغ لگائے +

۵۔ جو تمہارے ساتھ دشمنی کرے نہیں چاہئے کہ تم اُس کے ساتھ دشمنی نہ کرو کیونکہ اگر تم ہی اُس کے ساتھ دشمنی کرو گے تو وہ تمہارا دہریا دہر زیادہ دشمن ہو جائیگا اور اس طرح دشمنی کا سلسلہ طویل پکڑ جائیگا۔ اور اگر تمہیں کوئی بُرا کہے تو تم اُسے بُرا نہ کہو کیونکہ پھر وہ لگا بیلا پر اُتر آئے گا (مناہیت اخلاق آموز شمر ہے) +

۶۔ شعر صاف ہے۔ فرماتے ہیں عشق میں سب کٹروں مصیبتیں جھپٹنی پڑتی ہیں +

۷۔ شعر صاف ہے۔ کبھی ہم اپنے رنج گراں نشیں کا ذکر کرتے ہیں کبھی بھاگ جانے والے صبر کا۔

۸۔ اگر قاتل جان سے لے لے تو بچائے اس کے کہ قاتل حراں ہوا اور اسے موقوف کو چاہئے کہ قاتل

کو خون بہا دیا کرے اور اگر قاتل اپنے خنجر سے عاشق کی زبیاں کاٹ ڈالے تو خنجر کی تعریف کرنی چاہئے

(مطلب یہ کہ مذہب عشق میں قانون شریعت الٹا ہے)۔ خون بہا دیجے سے خون بہا معاف کر دیجے

بھی مطلب ہو سکتا ہے +

- ۹۔ محشوق کو اگر الفت نہ ہو نہ سہی ہمیں اُس کی خامیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں تو اُس کی خوبیوں مثلاً روانی رفتار اور مستی ادا کا ذکر کرنا چاہئے
- ۱۰۔ اگر بہار کو ثبات نہیں تو نہ ہو۔ ہمیں اُس کی بُرائیوں کو نہیں دیکھنا چاہئے ہمیں تو اس کی خوبیوں طراوتِ حین اور خوبی ہوا کا ذکر کرنا چاہئے +
- ۱۱۔ مطلب شعر یہ ہے کہ سختی کا وقت گزر جانے کے بعد پھر کسی کی شکایت نہ کرنا چاہئے۔ فرماتے ہیں سے غالب تمہاری عمر تمام ہو چکی اب لبِ گور ہو۔ جو مصائب تم پر گزرنے لگے گزر چکے اب خدا سے دنیا والوں کی شکایت کرنے سے کیا فائدہ +

(۲۰۴)

روشنی سے اور عشق میں بیباک ہو گئے ۱ دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے
صرف بہائے ہوئے آلاتِ میکشی ۲ تھے یہی دو حساب سوچوں پاک ہو گئے
سولے دہر کو ہوئے آوارگی سے ہم ۳ بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
کہتا ہے کون نالہ ببل کو بے اثر ۴ پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
بچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا ۵ آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے
کرنے لگے تھے اُس سے تغافل کا ہم گلا ۶ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اٹھائی گل اس نے اتد کی لُش
دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

- ۱۔ دھویا جانا۔ بے شرم و بیباک۔ آزاد یا شہداء مطلب یہ کہ جب تک آنکھ سے آنسو نہیں
نکلتے تھے تو اس بات کا پاس و لحاظ تھا کہ عشق کا راز کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ مگر جب ضبط
نہ ہو سکا اور ہر وقت آنسو جاری رہنے لگے تو اخلائے راز عشق کا خیال جا تا رہا اور ایسے
بے شرم و بے تاب ہو گئے کہ آزادوں اور شہیدوں کی طرح کھیل کھیلے۔ اس مطلب کو ان
لفظوں میں ادا کرنا دینے سے ایسے دھوئے گئے کہ بالکل پاک ہو گئے۔ بلاغت اور

حسن بیان کی انتہا ہے۔ (از یادگار غالب) +

۴۔ میرے ذمہ صرف دو لوگوں کا قرضہ تھا ایک شراب پیچنے والے کا اور ایک آلات میکشی والے کا۔ سو دونوں کا قرضہ میں نے اس طرح ادا کیا کہ شراب والے کو رقم قرضہ کے عوض آلات میکشی دیدیئے اب دو نو حساب پاک ہو گئے شراب والے کا قرضہ نہیں رہا اور برتنوں والے کے برتن نہ رہے۔ آلات میکشی والے کو اگر کچھ دعوئے ہے تو شراب والے سے مانگے میرے پاس تو اس کا کوئی برتن ہی نہیں۔ (اس شعر میں بلاغت اور شوخی مد درجے کو پہنچادی گئی ہے) مرزا صاحب مفلس تھے اُن کے پاس نہ مے خریدنے کو دام تھے نہ آلات میکشی خریدنے کے لئے۔ دو نو چیزیں قرض لیتے تھے +

۵۔ اگرچہ آوارگی سے تم رسوائے زمانہ ہو گئے۔ لیکن (منا فائدہ ضرور ہو) کہ تم طبیعت کے چالاک ہو گئے +

۶۔ شعر صاف ہے۔ پھول کا کھلنا جگر چاک ہونے سے مراد لیا گیا ہے +

۷۔ اہل شوق یعنی عاشقوں کے دم دو جودگی بابت کیا پوچھتا ہے۔ وہ تو اپنی آتش عشق میں خس و خاشاک مانند جل رہے جاتے ہیں +

۸۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کے قافل سے تنگ آکر شکایت کی تھی اور اس کی توجہ کے خواستگار ہوئے تھے جب اس نے توجہ کی۔ تو ایک ہی نگاہ میں ہم کو فنا کر دیا +

(از یادگار غالب) +

۹۔ مقطع صاف ہے +

(۲۰۵)

نشد ہا شاداب رنگ ساز ہا مست طرب ۱ خیشہ سے سرو سبز جو بہار نغمہ ہے

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کرنے بزم عیش دوست

۲ وال تو میز سے نکل کر بھی اعتبار نغمہ ہے

۱۔ موسم بہار کا ذکر فرماتے ہیں کہ نئے شاداب رنگ میں لہنی شے اپنے جون پر میں اور باجے مست طلب ہیں۔ شیشہ جو تبار نغمہ کا سرو سبز بنا ہوا ہے (نغمہ کو جو تبار سے اور شیشہ سے کو اس کی ہلکی سبزی کی وجہ سے سرو سبز سے تشبیہ دیا گیا ہے) نئے شاداب رنگ یعنی نشوں پر رنگ اور جون آیا ہوا ہے اور اس وجہ سے وہ شاداب ہیں *

۲۔ اسے ہم نشیں یہ مت کہہ کہ دوست کی عیش کی صحبت کو براہم نہ کہ۔ میرے نالے سے اُس کی صحبت پر لیشاں نہیں ہوتی بلکہ جہاں اس کی محفل میں اور نشے ہو رہے ہیں وہاں میرا نالہ بھی ایک نغمہ بن جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دوست میرے نالوں سے خوش ہو رہا ہے کیونکہ میری نالہ کشی سے اُس کی شہرت حسن میں افزائی ہوتی ہے *

(۲۰۶)

عرض ناز شوخی دندان برائے خندہ ہے ۱۔ دعویٰ جمعیت احباب بجائے خندہ سے ہے عدم میں غنچہ جو عبرت انجام گل ۲۔ یک جہاں زانو تامل در قفائے خندہ ہے کلفت افسردگی کو عیش ہے تابی حرام ۳۔ ورنہ دندان در دل افشردن بنائے خندہ ہے خویش باطن کے ہیں احباب منکر و نہیاں ۴۔ دل محیط گیرہ و لب آشنائے خندہ ہے ۱۔ دوستوں میں اتفاق اور یکدلی کا دعویٰ ایک ہنسی کا مقام ہے یعنی دنیا کے نام نہاد دوستوں میں درحقیقت کوئی محبت اور رفاقت نہیں ہے اور ان کا دعویٰ جمعیت و اتفاق جھوٹا ہے۔ جیسا کہ دانتوں کا اپنے ناز شوخی کا ظاہر کرنا ہنسی کے لئے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہنسی کے وقت دانت ظاہر ہو جاتے ہیں (پہلا مصرعہ مثال ہے دوسرا ممثل) *

۲۔ فخر معدوم ہونے کے بعد یعنی گل بننے کے بعد دوسرے پھولوں کے انجام سے عبرت حاصل کرنے میں جو ہے یعنی دوسرے پھولوں کے قابو ہوتے ہوئے دیکھ کر عبرت حاصل کرنے میں جو ہو رہا ہے۔ گویا ظاہر ہنسی کے پردے میں بہت زیادہ فکر و تامل کر رہا ہے * یک جہاں۔ بہت زیادہ * زانو تامل اس لئے کہا گیا کہ فکر و تامل کے وقت انسان

سر بزانو ہو جاتا ہے +

۳۔ کلفت افسردگی کے لئے عیش بیتیابی حاصل کرنا حرام ہے۔ ورنہ دانتوں سے دل کو زخمی کر دینے سے بنائے خندہ یعنی عیش بیتیا ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ عشق میں افسردگی کو بربت تکلیف ہے اور بیتیاب مضطرب ہو کر دل کی بھڑاس نکالنا عیش ہے۔ بیتیابی سے عیش کس طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مثال دوسرے مصرع میں دی گئی ہے کہ بیتاب ہو کر دانتوں سے دل کو زخمی کرنا بنائے خندہ ہے کیونکہ زخم کے کھلنے کو ہنسی سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ ۴۔ ہمارے احباب ہماری ظاہر امنسی دیکھ کر ہماری سوزش باطنی کے منکر ہیں لیکن درحقیقت ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ظاہر طور پر تو ہنسی خوشی رہتے ہیں اور ہمارے دل میں جو گریہ کا سمندر ہے اس میں عشق کی آگ لگی ہوئی ہے۔ جو محیط گریہ کو بخارا است بنانا کراہتی رہتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ پھر وہ بخارا است آنسوؤں کی شکل میں ہماری آنکھوں سے بہتے ہیں

(۲۰۷)

حسن بے پردہ خریدار متاع جلوہ ہے ۱ آئینہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے
تا کجا اسے آگہی رنگ تماشا بافتن
چشم و اگر دیدہ آغوشش و دارع جلوہ ہے ۲

۱۔ حسن بے پردہ خریدار یعنی جلوہ گری کا خریدار یعنی جلوہ گری کا خواہشمند ہے۔ ادا آئینہ اختراع جلوہ کا زانوئے فکر ہے۔ یعنی آئینہ دیکھنا جلوہ سے سکے اختراعات کا موجب ہے۔ کیونکہ آئینہ دیکھ کر ہی حسین اپنے حسن میں افزائش کر سکتا ہے۔ زانوئے فکر اس وجہ سے ہے کہ آئینہ جھک کر ہی دیکھا جاتا ہے۔ جو تقریباً سر بزانو ہونے کی حالت ہوتی ہے +

۲۔ اسے آگہی تو کب تک تماشا سے دنیا و مافیہا میں محور ہے گی۔ تیری کھلی ہوئی آنکھ گویا دارع جلوہ کی آغوشش بنی ہوئی ہے۔ یعنی تماشا بنے ثبات ہے اور چشم و اگر دیدہ اس کو رخصت کر رہی ہے +

(۲۰۸)

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی ۱ مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن واکرے کوئی
 عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سرسبز ۲ کب تک خیالِ طرہ لیلہ کرے کوئی
 افسردگی نہیں طربِ افشائے التفات ۳ ہاں دردِ بن کے دل میں گر جا کرے کوئی
 رونے سے اسے ندیمِ ملامت نہ کر مجھے ۴ آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
 چاک جگر سے جب رہِ پریشانی نہ وا ہوئی ۵ کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
 نختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل ۶ تا چند باغبانی صحرا کرے کوئی
 ناکامی نگاہ سے برقِ نظارہ سوز ۷ تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 ہرنگِ خشت ہے صدفِ گوہر شکست ۸ نقصاں نہیں جنوں ہے جو رسوا کرے کوئی
 سربر ہوئی نہ وعدہ صبرِ آرماسے عمر ۹ فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
 ہے وحشتِ طبیعتِ ایجادِ یاس خیر ۱۰ یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی
 بیکاری جنوں کو ہے سرپیٹنے کا شغل ۱۱ جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمع سخنِ دور ہے اسد

پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۱۔ اے معشوقِ حقیقی تجھ سے اس وقت تک بات نہیں کی جاسکتی جب تک کہ کوئی دہان زخم نہ رکھے۔ مطلب یہ کہ معشوقِ حقیقی سے اس دہن سے بات چیت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ دل کے زخم کے مُنہ سے ہی بات چیت ہو سکتی ہے۔ یعنی معشوقِ اٹھتا حقیقی سے راہِ سخن پیدا کرنے کے لئے دل کو عشقِ صادق کی تیغ سے زخمی کرنا ضروری ہے +

۲۔ دنیا سرسبز گردِ خاک کی مانند ہے۔ کب تک اُس کو طرہ لیلے جیسی محبوب چیز سمجھا جائے یعنی دنیا ظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے حقیقتاً بہت بُری شے ہے +

۳۔ افسردہ دلی التفاتِ محبوب سے خوشی حاصل کرنے والی نہیں ہو سکتی۔ ہاں دردِ بنکر

کوئی معشوق کے دل میں جگہ کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق کی افسردگی سے معشوق لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے جب تک عاشق مصائب و تکالیف نہ اٹھائے گا معشوق اُس کی جانب نظر التفات نہیں ڈال سکتا +

۴۔ اے دوست مجھے رونے پر ملامت نہ کر۔ آخر کبھی تو میرے دل کی گرہ بھی کھلنی چاہئے
۵۔ جب چاک جگر یعنی جگر کے چاک کرنے سے ہی معشوق نے پرسش نہ کی۔ تو گریبان چاک کر کے دُوانہ ہونا چاہئے +

۶۔ میرے جگر کے ٹکڑوں سے صحرائے ہرکانٹے کی رگ شاخ کل نظر آتی ہے۔ کب تک کوئی صحرائی باغبانی کرے۔ مطلب یہ کہ صحرائے ہرکانٹے میں میرے جگر کا ایک ٹکڑا لگا ہوا ہے جس سے ہر ایک کا شاخ کل نظر آتا ہے۔ گویا صحرابارغ بن گیا ہے۔ اب کب تک صحرائی باغبانی ہو سکتی ہے

۷۔ ہماری نگاہ کی ناتمامی ہی وہ کلی بن جاتی ہے جس سے ہماری نگاہ جل جاتی ہے اس نے تیرا نظارہ نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ کہ نہ ہماری نگاہ کمال حاصل کر سکے گی نہ تیرا جلوہ دیکھ سکے گی +

۸۔ فراتے ہیں کہ دیوانگی کے سودے میں کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ ہر ایک اینٹ پتھر جو دیوانے کو مارا جاتا ہے گو بزرخیم کی سیپی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر ایک پتھر سے ایک زخم حاصل ہوتا ہے جس کی قیمت گو ہر کے برابر ہے +

۹۔ ساری عمر تو صبر کی آزمائش ہی میں گزر گئی۔ پھر تیرے ملنے کی تمنا کس وقت کی جاسکتی ہے + (از یادگار غالب) +

۱۰۔ ایجاد کی طبیعت کی وحشت یا سخیز ہے یعنی کسی چیز کے ایجاد کرنے میں بہت سی تکالیف اور دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو باس خیر میں لیکن چونکہ طبع انسانی فطرتی طور پر ایجاد کی طرف مائل ہے اس لئے ہر ایک انسان ان تکالیف کو بخوشی برداشت کرتا ہے +

- ۱۱۔ جنوں کو بیماری میں سرپیٹنے کا ہی شغل ہوتا ہے۔ لیکن جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر وہ اپنے کیا کرے مطلب یہ کہ مجنوں کو تو کسی نہ کسی شغل کی ضرورت ہے اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں گئے تو وہ اپنے دانتوں سے اپنے اعضائے جسم کو کاٹنا شروع کر دیکھا +
- ۱۲۔ اسے اسد حسن فروغ شمع سخن حاصل کرنے کے لئے پہلے انسان کو شمع جیسا دل گداختہ حاصل کرنا چاہئے +

(۲۰۹) *Shamsh*

- ابن مریم ہو کر سے کوئی ۱ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی ۲ ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر ۳ دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پر واں زبان کشتی ہے ۴ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک ہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ۵ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سُنو گر بُرا کہے کوئی ۶ نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی ۷ بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند ۸ کس کی حاجت دے کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکند سے ۹ اب اس کے رہنما کوے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گھلا کرے کوئی

- ۱۔ کوئی ابن مریم ہو اور بیماروں کو شفا بخشتا ہو۔ مجھے کیا۔ میں تو جب انوں جب کوئی میرے مرض کو دور کر دیوے + مرض سے مراد مرض عشق ہے +

۲۔ یہ مانا کہ دنیا میں حکم شریعت پر بھی عمل ہے اور قانون حکومت کی بھی پابندی کی جاتی ہے
لیکن ایسے قاتل کو کوئی کیا سزا دے سکتا ہے جو آنکھ کے اشارے سے یا انداز سے ہی انسان کو

قتل کر دیتا ہو ۔

۱۲۔ جو معشوق اپنی نحوست کے سبب اتنی تیزی سے چلتا ہو جیسے کڑی لکمان کا تیر بھلا ایسے معشوق کے دل میں کوئی کس طرح جگہ کر سکتا ہے ۔ مطلب یہ کہ جو معشوق چلتے ہوئے کسی کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے اور تیزی سے گزر جائے وہ کب کسی کی طرف التفات کر سکتا ہے ۔
۱۳۔ خواہ وہ غلط کہیں یا صحیح روا کہیں یا ناروا ۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ میں کہوں سب غور سے سنتے رہیں اور مانتے رہیں ۔ اگر کوئی ان کے سخن پر اعتراض کرے تو وہ زبان کاٹ لیتے ہیں ۔ مجبوراً جو کچھ وہ فرماتے ہیں سنتا اور ماننا پڑتا ہے ۔

۱۵۔ نہ معلوم میں اپنے جنوں میں کیا کیا بک رہا ہوں ممکن ہے معشوق کو بھی اُس کے مظالم پر برا بھلا کہہ رہا ہوں ۔ خدا کرے میری بڑ کو کوئی نہ سمجھے ورنہ اگر معشوق تک جبر پہنچ گئی تو غصہ ہو جائیگا

۱۶۔ اگر کوئی تم کو برا کہے تو تم ایسا ظاہر کرو کہ تم نے سنا ہی نہیں ۔ اور اگر کوئی شخص تمہارے سامنے برا کام کرے تو تم اُس کا ذکر دوسرے لوگوں سے نہ کرو ۔ (بیشل اخلاقی شعر ہے) ۔
۱۷۔ شعر صاف ہے ۔ اگر کوئی شخص غلط راستے پر ہو تو اُسے سیدھا راستہ بتادو ۔ اور اگر کوئی تمہارا قصور وار ہے تو تمہارے لئے یہی زیبا ہے کہ اُس کو معاف کر دو ۔

۱۸۔ اہل استطاعت اور اہل مرتبت لوگوں کے پاس ہزاروں آدمی اپنی حاجتیں لیکر جاتے ہیں وہ کس کس کی حاجت روائی کریں ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ ہر ایک کی حاجت پوری کر دیں اس لئے اگر کوئی بڑا آدمی تمہاری حاجت کو پورا نہ کر سکے تو تم اُس کو مطعون نہ کرو اور اُس سے رنجیدہ نہ ہو ۔

۱۹۔ حضرت خضر باوجود رہنمائی کرنے کے سکندر کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے تو اب کوئی کسی کو اپنا رہنما کس امید پر بنائے ۔ حضرت خضر سکندر کو چشمہ آبِ حیات تک لے گئے لیکن چونکہ سکندر نے وہاں پر ایسے آدمیوں کا ہجوم دیکھا جو زندہ تو تھے مگر اتنے لاغر و نحیف تھے کہ انہیں حرکت

کرنا بھی دشوار تھا اور مردوں کی طرح زمین پر پڑے رہتے تھے۔ مسکندرنے ایسی زندگی کو بیکار اور تلخ زندگی سمجھ کر آبِ حیات نہ پیا اور ناکام واپس چلا آیا ۔

۱۵۔ اسے غالب جب امید ہی جاتی رہی تو اب کسی کا گلہ شکوہ کرنے سے کیا فائدہ مطلب یہ کہ حالتِ یاس میں معشوق کا یا اور کسی کا گلہ کرنا بے سود ہے (عجیب و لگداز مقطع فرمایا ہے)

(۲۱۰)

بہت سی غم گیتی شراب کم کیا ہے ۱ غلامِ ساقی کو ترہوں مجھ کو غم کیا ہے
تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے ۲ رقیب پہ ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
کئے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کھلاوے ۳ کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بہ خم کیا ہے
لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود ۴ کے خبر ہے کہ واں جنبش قلم کیا ہے
نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا ۵ خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے
وہ داد و دید گرا نما یہ شرط ہے ہمدم ۶ و گرنہ مہر سلیمان و جامِ جم کیا ہے
سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی

یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب ان میں تم کیا ہے

۱۔ گیتی، دنیا ساقی کو تر۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہم کو دنیا کے بہت سے غم لگے ہوئے ہیں تو کوئی غم کی بات نہیں اس کے غلط کرنے کے لئے شراب کیا تھوڑی ہے یہ بھی تو بہت ہے۔ اب رہا آخرت کا غم تو اس غم کو غلط کرنے کیلئے ساقی کو تر ملا دیجئے
۲۔ رقیب پر تمہارا لطف و کرم کرنا بھی تو ہمارے لئے ایک ستم ہے ۔

۳۔ معشوق کی زلف کا خیال ایک جدائی کی شبِ دراز ہے جو کالے کٹی نہیں اور کٹنی بھی ہے تو اس طرح کہ جیسے کوئی سانپ کسی کو کاٹ کھائے تو وہ مدِ نزدیک تمام رات تڑپ تڑپ کر کاٹے اس شعر میں شب اور زلف۔ سانپ اور کالے کی رعایتیں خوب ہیں ۔

۴۔ یعنی اگر کوئی نجومی جو تنہی کسی پیدا ہونے والے نپتے کے طالع و نصیب خواہ کیسے دل

خوش کن کیوں نہ لکھ دے لیکن اسے ہرگز ہرگز معلوم نہیں کہ کاتب تقدیر نے اس کی قسمت میں کیا لکھا ہے +

۵۔ جو شخص کسی مذہب ملت کا ہی پیرو نہ ہو اور نہ ہی روز قیامت کا قائل تو پھر ایسا شخص اگر خدا کی قسم کھائے تو اس کا اعتبار ہی کیا ہے ؟

۴۔ داد۔ عدل و انصاف بخشش و عطا + دید۔ دیکھنا + گرا نما یہ۔ بہت بڑی پونجی اور اصل چیز + مطلب یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کے لئے عدل و انصاف اور بخشش و عطا شرط اصلی ہے اور بادشاہ کے لئے اہل دید اور اہل نظر ہونا بہت بڑی دولت اور سرمایہ ہے۔ ورنہ ہر سلیمان اور جام جمشید بادشاہی کا سرمایہ نہیں اور ان کی کوئی ہستی نہیں

۶۔ یعنی شاعری میں غالب کے قلم کی آتش انشائی کا ہمیں یقین ہے۔ مگر اب صدقات زمانہ سے وہ عاجز آگیا ہے اور خاموش پر فارتا ہے +

(۲۱۱)

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے ۱ سایہ شاخ گل افنی نظر آتا ہے مجھے
جو ہر تیغ پہ چرچشمہ دیگر معلوم ۲ ہوں میں وہ سبز کہ زہر آب اگاتا ہے مجھے
نہ عامو تماشا شائے شکست دل ہے ۳ آئینہ خانہ میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کف خاک ۴ آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

۱۔ میں خفقانی مزاج ہونے کی وجہ سے باغ میں بھی چین سے نہیں رہ سکتا۔ اور سایہ شاخ گل کو افنی سمجھ کر خمرزدہ ہو جاتا ہے۔ خفقانی مزاج آدمی بہت جلد ڈر جابا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے باغ میں بھی چین نہیں آتا +

۴۔ جس طرح جو ہر تیغ کا سبزہ زہر آب میں کھجانے سے ظاہر ہوتا ہے اسی طرح میں بھی

وہ سبز ہوں جس کی پردر شس زہر آب یعنی غم و رنج سے ہوئی ہے بے مطلب یہ کہ میری قسمت میں غم و غصہ ہی لکھا ہے ۔

۴۳۔ میرا مدعا میرے ٹوٹے ہوئے دل کے تماشا دیکھنے میں مصروف ہے۔ یعنی مدعا حاصل نہ ہونے کی وجہ سے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آئینہ دل ٹوٹ کر گویا آئینہ خانہ بن گیا اب میرا مدعا اس کا تماشا بنی بنا ہوا ہے۔ اور چونکہ میں نے اب تک دامن مدعا ہاتھ سے نہیں چھوڑا اس لئے میں بھی آئینہ خانہ کی سیر دیکھ رہا ہوں۔ گویا مجھے بھی کوئی آئینہ خانہ میں لئے جاتا ہے ۔

۴۴۔ نالہ سار کے عالم کا سرمایہ ہے اور عالم ایک مشت خاک کے برابر ہے۔ آسمان مجھے بیضہ قمری کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ قمری خاکی رنگ ہوتی ہے اس آسمان کو بیضہ قمری اور عالم کو کف خاک کہا گیا۔ عالم کو قمری مانا گیا ہے۔ اور قمری کا کام نالہ کشی ہوتا ہے اس لئے عالم کا سرمایہ نالہ ہے اور آسمان کو بیضہ قمری اس لئے کہا گیا ہے کہ مصیبتیں نازل کرنے کے باعث وہ نالہ کا موجب ہے (اس شعر میں بھی ایک بہت وسیع مضمون کو سمجھا گیا ہے) ۴۵۔ ہنایت پر لطف شعر فرمایا ہے ۔ دوسرے شعر میں اٹھانا دو نو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اول لکانا اور دوسرے جنازہ اٹھانا ۔ فرما رہا ہے جب میں زندہ تھا تو وہ اکثر مجھے اپنی محفل سے اٹھا دیتے تھے۔ اب یہ محفل نے کس بعد وہ کس طرح مجھے اپنی محفل سے اٹھاتے ہیں یا میرا جنازہ بھی اٹھاتے ہیں یا نہیں ۔

(۲۱۴)

روندی ہوئی ہے کو کبہ شہر بار کی ۱۔ اتنا سے کیوں نہ خاک سبر۔ ہنگزار کی جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ ۲۔ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ زار کی ۳۔ مجھ کو کہ نہیں ہیں سیرگشتاں کے ہم دے کیونکہ نہ کھا سیتے کہ ہوا ہے بہار کی

۱۔ سبر ہنگزار کی خاک کو کبہ شہر بار کی رندی ہوئی ہے اس لئے اتراتی ہے ۔

وہ فوج جو بادشاہ کی سواری کے آگے آگے چلتی ہے +

۲۔ بادشاہ سے یہاں مراد خاص بادشاہ مرزا بہادر شاہ صاحب ظفر مرحوم ہیں +

۳۔ ہم سیر گلستان کے چھوٹے نہیں ہیں۔ ہم تو صرف بہار کی ہوا کھانے کے لئے گلستان میں آئے ہیں۔ یعنی جس طرح بہار کا عرصہ قیام نہایت قلیل ہے اسی طرح ہماری زندگی بھی بہت تھوڑے عرصہ کے لئے ہے + گلستان سے مراد دنیا ہے +

(۲۱۳)

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش دم نکلے ۱ بہت نکلے مرے اراں لیکن پھر بھی کم نکلے
 ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اس کی گردن پر ۲ وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بہم نکلے
 نکلنا خاوند سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن ۳ بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے
 ہم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا ۴ اگر اس طرہ پرینچ و خم کا بیج و خم نکلے
 مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے ۵ ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
 ہوئی اس دور میں مہسوب مجھ سے بارہ آشنائی ۶ پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے
 ہوئی جن سے توقع خشکی کی وادیاں تھیں ۷ وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے
 مجتہد میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا ۸ اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالباً اور کہاں واضع

۹ پر اُتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

۱۔ خواہش پر دم نکلنا۔ اس کے پورے ہونے سے سنبھل جلدی کرنا + چنانچہ کہتے ہیں کیوں دم نکلنا جاتا ہے یا کیوں مرے جاتے ہو یعنی کیوں جلدی کر رہے ہو۔ پہلے مصرعے میں متعصباتے مقام یہ الفاظ کہ دل میں باقی ہیں مقدر مانتے چاہیں۔ باقی شعر کے معنی صاف ہیں (اے یادگار غالب) ۲۔ میرا قاتل مجھے قتل کرتا ہوا کیوں ڈرتا ہے۔ چونکہ اب میرے جسم میں اب قطرہ خون باقی نہیں رہا۔ اس لئے میرے خون کا بار اُس کی گردن پر نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ تو ممکن ہے کہ جو خون میری

آنکھوں سے ہر وقت آنسو بن کر بہتا رہا ہے اس کا بار اُس کی گردن پر رہے پس اُسے میرے قتل کرنے میں تامل نہ کرنا چاہئے +

۳۷۔ حضرت آدم گہیوں کھانے پر بے آبروئی سے نکلے گئے تھے لیکن ہم تیرے کوچہ سے ان سے بھی زیادہ بے آبروئی سے نکالے گئے +

۳۸۔ اے ظالم معشوق تیری قامت کی درازی کا بھرم کھل جائے۔ اگر تیری زلف پر خم کے بیج دھم کھول دئے جائیں۔ مطلب یہ کہ معشوق کی زلف اُس کے قد سے بھی دراز ہے +

۳۹۔ صبح ہوتے ہی ہم کان قلم پر رکھ کر یعنی خط لکھنے کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکل پڑتے ہیں تاکہ اگر کوئی اُس محبوب کو خط لکھوائے تو ہم سے ہی لکھوائے اور اس طرح ہم اغیار کے خطوط کے مضامین معلوم کر سکیں اور حسب دلخواہ مضامین میں تغیر و تبدل بھی کر سکیں +

۴۰۔ مطلب یہ کہ پہلے زمانے میں بادہ آشامی جم سے منسوب تھی۔ لیکن آج کل محمد سے منسوب ہوئی ہے اور میں حبشید زمانہ ہوں۔ لہذا جام جم کو چاہئے کہ حبشید اضافتِ وقت کے پاس پہنچ جائے کہ۔ جن لوگوں سے ہم یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ ہمارے حال زار پر ہمیں تسلی و دلاسا دینگے اور ہماری مقصد براری میں ہماری مدد کریں گے۔ افسوس کہ وہ ہم سے بھی زیادہ غمزدہ اور غم زدہ نکلے +

۴۱۔ دم نکلنا کے دو معنی ہیں۔ فریفتہ ہونا اور مرنا + اس شعر میں دم نکلنے کے محاورے نے نہایت خوبی اور لطافت پیدا کر دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت کی لغت میں جینے اور مرنے کے معانی میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ جن کا فریہ ہمارا دم نکلنا ہے اُسی کو دیکھ کر ہم جیتے ہیں +

۴۲۔ اے غالب کہاں میں خانے کا دروازہ اور کہاں واعظ۔ کل جب ہم میخانے کے دروازے سے نکلے تو وہ دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اُس کا میخانے کے سامنے سے گزرتا ایک نہایت تعجب خیز واقعہ ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ضرور وہ میخانے میں ہی داخل ہونا چاہتا

تھا اور ہمیں دیکھ کر آگے کا راستہ پکڑا لیکن ہمیں شبہ ضرور ہو گیا کہ اگر ہم میخانے سے اُسی وقت نہ نکلے تو ممکن تھا کہ وہ میخانے میں داخل ہی ہو جاتا (اس شعر میں جس خوبصورتی سے حضرت واعظ پر الزام لگانا چاہا ہے وہ نہایت قابلِ داد ہے)

(۲۱۴)

کوہ کے ہول بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے ۱ بے تکلف اسے شرارِ جستہ کیا ہو جائیے
بیضہ آسانگِ بالِ دپر ہے یہ کُنجِ قفس
۲ اندر سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے

۱۔ اسے شرارِ جستہ اگر ہم صدا یعنی آواز بنتے ہیں تو کوہ کے بارِ خاطر ہوتے ہیں یعنی پہاڑ ہمیشہ آواز کو رد کرتا ہے پس ہم کو چاہئے کہ ہم تجھ جیسا شرارِ جستہ بن جائیں تاکہ تیری طرح پہاڑ کے دل میں رہیں۔ شرارِ سنگِ کوہ سے نکلتا ہے۔ یعنی اسے شرارِ جستہ بے تکلف ہمیں بتائیے کہ ہمیں کیا ہونا چاہئے +

۲۔ کُنجِ قفس سے مراد دنیا ہے۔ مطلب یہ کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی کا آغاز ہوگا جس طرح انڈے سے نکل کر بچہ مرغ نئی زندگی شروع کرتا ہے +

(۲۱۵)

مستی بذوقِ غفلت ساقیِ ہلاک ہے ۱ موجِ شرابِ یکِ مژدہِ خوابناک ہے
جز زخمِ تیغِ نازِ نہیں دل میں آرزو ۲ جیبِ خیال بھی تے ہاتھوں سے چاک ہے
جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہمارے آنکھ میں اک مشت خاک ہے

۱۔ مستی ساقی کی تغافل شعاری سے ہلاک ہو رہی ہے اس لئے (ساغر میں) موجِ شرابِ مژدہِ خوابناک کی مانند بنی ہوئی ہے + موجِ شراب کو مژدہِ خوابناک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ہلاک ہونے سے مراد بخود عشق ہونا ہے +

۲۔ میرے دل میں تیری تیغ ناز کے زخم کے سوا اور کوئی آرزو نہیں۔ میرا گریبان خیال بھی تیرے ہاتھوں سے یعنی تیرے ناز سے چاک ہو چکا ہے۔ یعنی دل کے ساتھ خیال دل بھی زخمی ہو چکا ہے + گریبان اور زخم کی لفظی رعایت ملاحظہ ہو +

۳۔ اسے اسد جوش جنوں سے کچھ نظر نہیں آتا۔ گویا صحرایہ آنکھ میں خاک کی طرح پڑ گیا ہے جس طرح خاک پڑ جانے سے کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح جوش جنوں میں کچھ نظر نہیں آتا دوسرے معنی یہ ہیں کہ صحرایہ نظریں یک مشت خاک یعنی بے حقیقت نظر آتا ہے +

(۲۱۶)

لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتہ لعلِ بُتال کا خواب سنگیں سے
لبِ لعلِ بُتال کے گشتوں کی نیند کس قیامت کی گہری نیند ہے کہ حضرت عیسیٰ کے لبوں کی
جنبش یعنی ان کا قلم کہنا بھی ان کی گہوارہ جنبانی کرتا ہے۔ یعنی ان کی نیند کو اور زیادہ گہرا
بنادیتا ہے +

(۲۱۷)

آبد سیلاب طوقاں صدائے آب ہے ، نقش پا جو کان میں کھتا ہے انگلی جادہ سے
بزمِ سنے وحشت کر رہے کس کی چشمِ مست کا
شیشہ میں نبضِ پری نہاں ہے مہرج بادہ سے

۱۔ نقش پا جو کہ اپنے کان میں انگشتِ جادہ دے ہوئے پڑا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سیلاب
آب کی آمد کا شور سن رہا تھا اور اس کو برداشت نہ کر سکا۔ مطلب یہ ہے کہ نقش پا کو بھی ہستی
غریزہ ہے اور وہ آبد سیلاب کا شور برداشت نہیں کر سکتا۔ (نقش پا جو کان سے اور جادہ کو
انگلی سے تشبیہ دی گئی ہے) +

۲۔ بزمِ سنے کس کی یعنی محبوب کی چشمِ مست کا وحشت کر رہا ہے۔ کہ شیشہ میں مہرج بادہ

بھی بنفہ پری بن گئی ہے۔ موج بادہ کو بنفہ پری سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ وحشت پیدا کیجئے

(۲۱۸)

ہول میں بھی تماشا بانی نیزنگ تما
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآئے
میں بھی نیزنگ تما کا تماشا بننا چاہتا ہوں یعنی اس کی نیزنگیوں کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں
مجھے اس سے مطلب نہیں کہ مطلب برآئے یا نہ آئے *

(۲۱۹)

سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غد پر
مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہائے ہجران کی
جس طرح لکھتے ہوئے سیاہی کا غد پر گر جاتی ہے اسی طرح شہائے ہجران کی تصویر
میری قسمت کو چھپائے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ جن طرح سیاہی گر کر تحریر کا غد کو چھپا لیتی ہے
اسی طرح شہائے ہجران نے میری قسمت کو سیاہ کر دیا ہے *

(۲۲۰)

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغان ہے ۱ غموشی ریشہ صد نیستاں سے جس بدنال ہے
تکلف بر طرف ہے جانتاں تر لطف بدخویاں ۲ نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز غریاں ہے
ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی ۳ کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاک گریاں ہے
دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے ۴ کہ اس بازار میں ساغر متاع دست گرداں ہے
غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغ روشن اپنا قلم صرصر کا مرجاں ہے

۱۔ ہجوم نالہ کے باوجود حیرت نے آہ و فغاں کرنے سے عاجز بنا دیا ہے گریا غموشی نے ریشہ
صد نیستاں کو بطور نیلے کے دانتوں میں سے رکھا ہے مطلب یہ کہ باوجودیکہ نیستاں سے لاکھوں

بسنریاں بن سکتی ہیں لیکن خموشی نے خاموش بنا دیا ہے + خس بد مذاں ہونا - دانستوں میں تنکا
یہنا یعنی عاجز ہونا +

۳ - صاف بات یہ ہے کہ بد خو معشوقوں کی بہرانی اُن کے تم سے زیادہ جانتاں ہے۔ کیونکہ
ان کی نگاہ ناز جب بے حجاب ہو جاتی ہے تو تیغ تیز عریاں کی مانند ہو جاتی ہے +

۴ - کثرتِ غم سے میری شادی اس قدر ضائع ہو گئی ہے کہ صبح عید مجھے چاک گریباں سے بھی
بدتر معلوم ہوتی ہے۔ (صبح کی تشبیہ چاک گریباں سے واضح ہے)

۵ - اگر ساقی سے سودا کرنا چاہتا ہے تو دل و دیں نقد ادا کر۔ کیونکہ اس ہزار عشق میں نقد
قیمت لے کر ساغر دیا جاتا ہے۔ یہ شعر حقیقت میں ہے۔ ساقی سے مراد معشوق حقیقی اور ساغر سے
ساغر محبت مراد ہے +

۶ - غم عاشق کو آغوشِ بلا میں پرورش کرتا ہے یعنی عاشق پر لاکھوں بلائیں آتی رہتی ہیں۔
اور عاشقوں کا چراغ بھی صرصر کے قلم کا مرجان ہے اور مرجاں کی طرح روشن رہتا ہے۔ یعنی
جس طرح مرجان قلم کی بلاؤں میں پرورش پاتا ہے اسی طرح عاشق بھی بلاؤں میں پرورش پاتا
ہے اور اس کا چراغ صرصر کے طوفان میں بھی روشن رہتا ہے +

(۲۲۱)

خوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے ۱ نگاہِ دل سے تری سرمہ سنا نکلتی ہے
فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم ۲ صبا جو غنچہ کے پردہ میں جا نکلتی ہے
بہ پوچھ سینہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ

۳ کہ زخمِ روزِ در سے ہوا نکلتی ہے

۱ - اگرچہ تیری نگاہ تیرے دل سے سرمہ یا یعنی خاموش نکلتی ہے لیکن خوشیوں میں بھی
تماشا ادا یعنی اظہار کرنے والی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ باوجود خموش ہونے کے بہت سے مطالب
ادا کرنے والی ہوتی ہے + سرمہ - چونکہ سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے اس لئے سرمہ سا

سے مراد خاموشی لی گئی ہے + تماشا ادا کے معنی اظہار کرنے والی +

۲۔ اگر صبا اتفاق سے غنچے سکے پردے میں جا نکلتی ہے تو غنچہ ہم آغوشی خلوت میں اس کو ایسا بھینچتا ہے کہ وہ عرق ریز ہو جاتی ہے اور اس کا عرق شبنم کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔
۳۔ سینہ عاشق سے اس کی تیغ نگاہ کی آب کا حال نہ پوچھو۔ سینہ عاشق کی کیا حقیقت ہے وہ تو گوشت کا ہی ہے۔ اُس کی تیغ نگاہ تو دروازے میں بھی جو اینٹ پتھر کا بنا ہوا ہوتا ہے ایسا زخم ڈالتی ہے کہ اُس سے ہوا نکلتی ہے (دروازے کے زخم سے مراد روزن در ہے۔ اور جس زخم سے ہوا نکلتی ہے یعنی جو زخم عضو جسم میں ایک طرف سے دوسری طرف تک کھل جاتا ہے نہایت ہلکے ہو جاتا ہے) +

(۲۲۲)

جس جا نیم شانہ کش زلف یار ہے ۱ نافہ دماغ آہوئے دستِ تار ہے
کس کا سرخ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا ۲ آئینہ فریش شمش جہتِ انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق ۳ گردِ دام یہ سے وسعتِ صحرِ آشکار ہے
دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ ۴ نظارہ کا مقدمہ پھر رو بکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب ۵ اے عندلیب وقتِ وداع بہار ہے
نچ آہڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے ۶ وہ آئے یا نہ آئے چہ یاں انتظار ہے
بے پردہ سوئے وادیِ مجنوں گزر نہ کر ۷ ہر ذرہ کے نقاب میں دل بیقرار ہے
اے عندلیب یک کعبہ خس بہر آشیاں ۸ طوفانِ آمد آمد فصلِ بہار ہے
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی ۹ اے بے دماغ آئینہ تماشا دار ہے
غفلت کفیلِ عمر و اسد ضامنِ نشاط

اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۱۔ جس مقام پر ہوا زلف یار کی شانہ کش ہے۔ یعنی زلف یار کی خوشبو پھیلاتی ہے وہاں

آہوٹے دست تار کا دماغ بھی نافہ مشک بن جاتا ہے +

۳۔ اے خدا جبریت کس کے جلوہ کا سراغ لگانا چاہتی ہے کہ اس نے اقلیم انتظار کے ہر طرف آئینہ کا فرش کر دیا ہے تاکہ معشوق کا جلوہ کہیں نہ کہیں تو عکس فکں ہو جائے +
۴۔ غبار شوق تنگی جا کی وجہ سے ذرہ ہو گیا۔ اور ذروں نے دام کی صورت اختیار کر لی ہے جبکہ دام اتنا وسیع ہو گیا ہے تو وسعت صحرابی اُس کا شکار ہو جائیگی یعنی دام تمام صحرا کو گھیر لے گا۔ (ذرہ کو دام کی گرہ سے بوجہ گولائی تشبیہ دی گئی ہے) +

۴۔ دل مدعی اور آنکھیں مدعا علیہ بنی ہیں۔ دل نے دعویٰ کیا ہے کہ آنکھوں کے شوقی نظارہ نے اس پر ہزاروں ستم ڈھائے ہیں اور یہ مقدمہ پیش ہو رہا ہے + روبرو ہونا عمل میں آنا پیش ہونا + روبرو اُس جھپٹی کو بھی کہتے ہیں جو ایک افسردہ سر سے ہمسریا بالاترہ۔ افسر کو بھیجا کرتا ہے +

۵۔ اے بیل شبنم آئینہ برگ گل پر آب چھڑک رہی ہے گویا بہار کے رخصت ہونے کا وقت آگیا + رسم اہل ایران ہے کہ جب کوئی عزیز سفر پر جاتا ہے تو آئینہ پر پانی چھڑکتے ہیں مراد یہ ہوتی ہے کہ مسافر بعافیت سفر سے واپس آئے + برگ گل کو آئینہ سے تشبیہ دی گئی ہے + یہ تو ہم جانتے ہیں کہ دلدار ہرگز وعدہ پورا نہ کرے گا اور ہمارے گھر نہ آئیگا۔ لیکن ہمیں بھی بچ بچ بچ گئی ہے ہم انتظار کرنا نہ چھوڑیں گے وہ آئے یا نہ آئے۔ مطلب یہ کہ وہ کبھی وعدہ پورا نہ کرے گا اور ہم کبھی انتظار کرنا نہ چھوڑیں گے +

۶۔ وادی مجنوں سے بے پردہ یعنی نامحرم ہو کر گزر نہ کرے۔ کیونکہ وہاں کا ہر ایک ذرہ دل بقرار بنا ہوا ہے۔ (مجنوں کی بقراری کا اثر اب تک باقی ہے) +

۷۔ اے بیل موسم بہار آنے سے پہلے اپنے آئینوں کے واسطے ایک مٹھی تنکے اکٹھے کر لے کیونکہ بہار کی آمد کا شور مچا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ بہار میں سوکھے ہوئے تنکوں کا دستیاب ہونا ناممکن ہو جائیگا +

۹۔ مطلب یہ ہے کہ مصائبِ عشق سے دل نہ ہارنا چاہئے۔ اگر معرفتِ الہی حاصل نہ ہوگی تو مجازی تہوں کی سیر ہی ہو جائے گی۔ اسے بے دماغ آئینہ دل میں تہوں کی تصاویر تو نظر آتی ہے۔ اہل تصوف عشق مجازی سے عشق حقیقی کو پہنچتے ہیں مطلب یہ کہ اگر تو منزلِ عشق حقیقی کو نہ پہنچ سکے گا تو منزلِ عشق مجازی میں تو قائم رہ۔ اگر معرفتِ الہی حاصل نہ ہوگی تو آئینہ دل میں حسنِ معشوقان مجازی تو نظر آتا رہے گا۔

۱۰۔ غفلت عمر کی کفیل اور اسدِ عیش و عشرت کا فنا من۔ اسے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسدِ تو غفلت سے یہ سمجھ رہا ہے کہ موت آئے گی ہی نہیں عیش و عشرت میں بسر کئے جا اور گلچھ سے اڑائے جا۔ اُس کو تو ہرگز موت کا خیال نہیں آئے گا اور اعمال نیک نہ کریگا لیکن اسے مرگِ ناگہاں تجھے کس بات کا انتظار ہے تو کیوں غفلت کر رہی ہے اسد کا کام تمام کیوں نہیں کر دیتی تو تو ناگہاں یعنی بے موقع بھی آسکتی ہے اور اب تو بہت اچھا موقع ہے +

(۲۲۳)

سائینہ کیوں نہ دول کہ تماشا کہیں جسے ۱ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
کہ حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں ۲ گلہ ستہ نگاہ سویدا کہیں جسے
کہ پھونکے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا ۳ افسوں انتظار تماشا کہیں جسے
سر پر ہجوم دردِ غریبی سے ڈالے ۴ وہ ایک مشت خاک کہ صبرا کہیں جسے
سہمِ چشمِ تریں حسرت دیدار سے نہاں ۵ شوقِ عنایاں گسیختہ دریا کہیں جسے
درکار ہے شگفتنِ گلہاں اے عیش کو ۶ صبح بہار پتہ مینا کہیں جسے
غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

۱۔ میں تمہاری مثال دینے کے لئے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ تمہارے روبرو

آئینہ رکھ دوں اور تم اپنا مثل آئینے میں دیکھ لو۔ کیونکہ کوئی اور معشوق تو ایسا نظر نہیں آتا جس سے تمہاری مثال دے سکوں۔

۳۲۔ میری حسرت نے تیری بزم خیالی یعنی میرے دل میں لگا ہوں کا ایک گلدستہ رکھ دیا جیسے لوگ سویدائے دل کہتے ہیں۔ سویدا اس سیاہی کو کہتے ہیں جو دل پر داغ کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ میری حسرت بھری نگاہیں جو تیرے دیدار سے محروم رہیں سیسے دل میں جمع ہو گئی ہیں۔

۳۳۔ اے خدا محبت کے کان میں کس نے افسوں انتظار بچھڑکا ہے جس کو تمنا کہتے ہیں مطلب یہ کہ محبت ہونے ہی عاشق معشوق کے انتظار میں مصروف ہوتا ہے۔

۳۴۔ مطلب یہ کہ مسافرت کی تکلیفوں کی زیادتی سے تنگ آگیا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہے کہ صحرا کو مشت خاک سمجھ کر اپنے سر پر ڈال لوں تاکہ تکلیف کا خاتمہ ہو جائے کیونکہ پھر نہ بھرا رہے گا نہ مسافرت رہی۔

۳۵۔ حسرت دیدار کی وجہ سے میری چشم تر میں آنسوؤں کا ایسا بے قابو جوش بھرا ہوا ہے جسے دیر پا کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ میری آنکھوں میں آنسوؤں کا دریا بھرا ہوا ہے۔

عنانِ گیسختہ - بے لگام - بے قابو۔

۳۶۔ گلہائے عیش کے کھلنے کے لئے ایسی صبح بہار کی ضرورت ہے جسے پنہ مینا کہتے ہیں مطلب یہ کہ صبح بہار سے تو پودوں میں پھول آتے ہیں اور بہار سے عیش کے پھول شیشہ شراب کی سپیدی دیکھ کر کھلتے ہیں۔ پنہ کو بوجہ سپیدی صبح سے تشبیہ کیا گیا ہے۔

۳۷۔ غضب کا مقطع رکھا ہے شہرخی کوٹ کوٹ کر بھردی ہے۔ اپنے عیبوں کو چھپانے میں اور واعظ کو برا بنانے میں کمال کر دکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ اسے غالب اگر واعظ تجھے برا کہتا ہے تو برا نہ مان کیونکہ دنیا میں خواہ کوئی کتنا ہی اچھا آدمی کیوں نہ ہو سب اُسے اچھا نہیں کہتے۔ مطلب پرست لوگ اچھے سے اچھے آدمی کو بھی برا بتلاتے ہیں محض اسلئے کہ

وہ ان کے ناجائز مطلب کو پورا نہیں کرتا ہے

(۲۲۴)

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے ۱ داغ دل بیدرد نظر گاہ حیا ہے
 دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار ۲ آئینہ بدست بُت بہ مست حنا ہے
 شعلہ سے نہ ہوتی ہو بس شعلہ نے جو کی ۳ جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
 تماشال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بھدوق ۴ آئینہ باندازِ گل آغوش کشا ہے
 قمری کعبہ خالستر و بلبل قفس رنگ ۵ لے نالہ نشان جگر سوختہ کیا ہے
 خوں نے تیری افسردہ کیا وحشت دل کو ۶ معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
 مجبوری و دعویٰ گرفتاری الفت ۷ دست تہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے
 معلوم ہوا حال شہیدانِ گزشتہ ۸ بتغ ستم آئینہ تصویر نما ہے
 اسے پر تو خورشید جہان تاب ادھر بھی ۹ سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
 ناگردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے داو ۱۰ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب

" کوئی نہیں تیرا تو مری جاں خدا ہے "

۱۔ گل لالہ شبنم کے قطر سے ادا سے خالی نہیں یعنی بغیر مقصد نہیں۔ وہ اس ام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دل لالہ میں داغ تو ہے مگر درد نہیں اور اس لئے نظر گاہ حیا بنا ہوا ہے یعنی درد نہ ہونے کی حیا کی وجہ سے گل لالہ صورتِ شبنم میں عرق ریزی کر رہا ہے ۔

۲۔ اس شعر میں دو خوبصورت اور دلکش معنی نظر آتے ہیں۔ اول معنی یہ کہ ایک تو میرا کم بخت دل ہے جو حسرت دیدار کی کشمکشوں سے خوں ہو گیا اور ایک آئینہ کی تصویر کہ بت بدست حنا کے ہاتھ میں ہے اور دیدارِ یار کے مزے ٹوٹ رہا ہے ۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرے خوں شدہ دل کو معشوق نے جہندی کی بجائے اپنے ہاتھوں پر مل لیا اور اب

وہاں کے ناجائز مطالب کو پورا نہیں کرتا ہے۔

(۲۲۴)

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی ز ادا ہے ۱ داغ دل بیدرد نظر گاہ حیا ہے
 دل خوں شدہ کشمکش حسرت دیدار ۲ آئینہ بدست بہت بدست حنا ہے
 شعلہ سے نہ ہوتی ہو کس شعلہ نے جو کی ۳ جی کس قدر افسردگی دل پہ جلا ہے
 تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بعد ذوق ۴ آئینہ باندازِ گل آغوش کشا ہے
 قمری کعبہ خاستر و بلبل قفس رنگ ۵ اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے
 خوسن تیری افسردہ کیا وحشت دل کو ۶ معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
 مجبوری و دعویٰ گرفتاری الفت ۷ دست تہ سنگ آئندہ پیمان وفا ہے
 معلوم ہوا حال شہیدان گزشتہ ۸ تیغ ستم آئینہ تصویر نما ہے
 اسے پر تو خورشید جہاں تاب ادھر بھی ۹ سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے
 نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی طے داو ۱۰ یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے
 بیگانگی خلق سے بیدل نہ ہو غالب

" کوئی نہیں تیرا تو مری جاں خدا ہے "

۱۔ گل لالہ شبنم کے قطرے اسے خالی نہیں یعنی بغیر مقصد نہیں۔ وہ اس ام کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دل لالہ میں داغ تو ہے مگر درد نہیں اور اس لئے نظر گاہ حیا بنا ہوا ہے یعنی درد نہ ہونے کی حیا کی وجہ سے گل لالہ صورتِ شبنم میں عرق ریزی کر رہا ہے ۔

۲۔ اس شعر میں دو خوبصورت اور دلکش معنی نظر آتے ہیں۔ اول معنی یہ کہ ایک تو میرا کم بخت دل ہے جو حسرت دیدار کی کشمکشوں سے خون ہو گیا اور ایک آئینہ کی تصویر کہ بت بدست حنا کے ہاتھ میں ہے اور دیدارِ یار کے مزے ٹوٹ رہا ہے ۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ میرے خون شدہ دل کو معشوق نے ہندی کی بجائے اپنے ہاتھوں پر مل لیا اور اب

اُسے آئینہ کی طرح دیکھ رہا ہے۔ اور چونکہ خونِ دل نے حنا سے بہتر رنگ دیا ہے اس لئے
افراطِ مسترت سے بدستِ حنا سے خونِ دل ہو رہا ہے +

۳۳۔ شعلہٴ عشق بھی وہ کام نہ کر سکتا تھا جو شعلہٴ عشق کے نہ ہونے نے اور اس کی ہوس
نے کیا ہے۔ یعنی افسردگیِ دل نے بہت جلد میرے دل کو جلا دیا۔ مطلب یہ کہ شعلہٴ عشق بھی
اتنی جلد ہی میرے دل کو نہ جلا سکتا تھا جتنی جلدی کہ ہوس شعلہ نے دل کو جلا دیا +

۳۴۔ تیری تصویر میں بھی ایسی شوخی ہے کہ آئینہ بھی پھول کی طرح ہمدردِ اُسے آغوش
میں لینے کے لئے آغوش کھولے ہوئے ہے + پھول کے کھلنے سے شعرا اُس کا آغوش کُشا ہونا
مراد لیتے ہیں +

۳۵۔ قمری عشقِ سرِ دہلیز کفِ خاکستر اور بلبِ عشقِ گل میں نفسِ رنگِ تو رہ جاتی ہے مگر ہمارے
جگر سوختہ کا نشانِ سوائے نالہ کے اور کچھ بھی نہیں۔ مطلب یہ کہ قمری اور بلب کا انجام ہم سے بہتر
ہے۔ قمری کو کفِ خاکستر اس کے خاکی رنگ کی بنا پر اور بلب کو قفسِ رنگ اس کے رنگِ گلہا کو
دل میں بسانے کی وجہ سے کہا گیا ہے + اسے یعنی جزا استعمال ہوا ہے +

۳۶۔ ہماری وحشتِ عشقِ دل کو تیری بُری عادت نے کم کیا۔ یعنی تو نے ہمارا جو عشقِ عشق
گھٹا دیا۔ معشوق میں بے حوصلگی دکھانا یعنی عاشقوں کی وحشتِ دل سے گھبراتا بُری بلا ہے عشق
کا دل تو نہ نامعشوق کے لئے ریبا نہیں +

۳۷۔ مجبوراً عشق میں بچنے جانے کے بعد عشقِ بازی کا دعبسے کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی کا
ہاتھ سنگِ گراں کے نیچے دب جائے اور وہ ہاتھ نکالنے سے مجبور ہو مگر دعویٰ یہ کرے کہ میں نے
اس پتھر سے پیمانِ وفا ماندا ہوا ہے + مطلب یہ کہ عشقِ خود اختیاری شے نہیں ہے +

۳۸۔ تیری تیغِ ستم سے جو کہ آئینہ تصویر بنا ہے۔ شہیدانِ گذشتہ کا حال معلوم ہو گیا۔ مطلب یہ
کہ جس طرح تو نے اپنی تیغِ ستم سے ہمیں شہید کیا ہے اسی طرح گزشتہ زمانے کے معشوقوں نے
اپنے عاشقوں کو شہید کیا ہوگا + آئینہ اور تیغ میں چمک وجہ تشبیہ ہے +

۹۔ یہ خطاب ہے آفتاب حقیقت کی طرف۔ کہتا ہے کہ جیسا سایہ ہنتم بوجہ ہے اور فی الواقع اس کی کچھ ہستی نہیں ہے۔ اسی طرح ہم بھی اس دھوکے میں پڑے ہیں۔ اگر آفتاب حقیقت کی کوئی تجلی ہم پر لمحہ افکن ہو جائے تو یہ دھوکا جاتا رہے اور ہم فنا فی الشمس ہو جائیں۔ اس لئے کہ آفتاب چمکا اور سایہ کا فور ہوا (از حضرت مولانا حالی) +

۱۰۔ جو گناہ ہم نے کئے ہیں اگر ان کی منراہتی ضروری ہے تو جو گناہ بسبب عدم قدرت کئے ہم نہیں کر سکے اور ان کی حسرت دل میں رہ گئی۔ ان کی داد بھی ملنی چاہئے۔ (از یادگار غالب) +

۱۱۔ اسے غالب لوگوں کی بیگانگی سے نوازدہ خاطر نہ ہو۔ اسے میری جان غالب اگر تیرا وہ کوئی نہیں تو خدا تو ہے +

(۲۲۵)

منظور تھی یہ شکل تجلے کو نور کی ۱ قسمت کھلی تیرے قد و رخ کے ظہور کی
 اک خوشچکاکن میں کروڑوں بناؤ ہیں ۲ پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ خور کی
 واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو ۳ کیا بات ہے تمہارے شرابِ ظہور کی
 روتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل، کہ کیوں اٹھا ۴ گویا ابھی سُنی نہیں آوازِ صُور کی
 آمد بہار کی ہے جو بیل ہے نغمہ سنج ۵ اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طہور کی
 گواہ نہیں یہ دامن کے نکالے ہوئے تو ہیں ۶ کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۷ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
 گرمی ہی کلام میں لیکن نہ اس قدر ۸ کی جس سے بات اُس نے شکایتِ ضرور کی

غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 حج کا ثواب نذر کروں مجھ کا حضور کی

۱۔ نعتیہ شعر ہے۔ نور کی تجلے کو تیری شکل میں ظاہر ہونا منظور تھا۔ اور تیرے قد و رخ سے ظہور نور کی قسمت کھل گئی +

۴۔ یہ شعر حقیقت اور مجاز دونوں پہلو رکھتا ہے مگر نسبت مجاز کے حقیقت پر زیادہ چسپاں ہے۔ (از یادگار غالب) *

۵۔ اس شعر میں پھر مرزا صاحب کی شوخی رنگ دکھا رہی ہے۔ شعر صاف ہے * کیا بات ہے طنز یہ جملہ ہے *

۶۔ مجھ سے میرا قاتل روزِ حشر اس بات پر لڑتا ہے کہ میں اس کے اٹھائے بغیر کیوں اٹھا گیا اس نے صور اسرافیل کی آواز سنی ہی نہیں اور اس کو معلوم ہی نہیں کہ قیامت آگئی اور آج سب مردے اٹھیں گے مطلب یہ کہ اس کو اس بات کا یقین ہی نہ تھا کہ قیامت بھی آئیگی اور مظلوموں کی داد دی جائے گی *

۷۔ بیل کی نغمہ سنجی سے معلوم ہوتا ہے کہ بہار آنے والی ہے۔ گویا طیبور کی زبانی یہ اڑتی سی خبر ہے * اڑتی سی خبر یعنی ایک انواہ ہے *

۸۔ شعر صاف ہے۔ کعبہ میں پہلے بت تھے جو وہاں سے نکال دئے گئے تھے *

۹۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ہم کو بھی ایسا ہی جواب ملے جیسا کہ حضرت موسیٰ کو (نُنْ تَرَانِی) ملا تھا۔ اس لئے ہم بھی کوہِ طور کی سیر کریں۔ ممکن ہے ہمیں جلوہ حقیقت نظر آجائے *

۱۰۔ گرمی کلام بڑی چیز نہیں لیکن جتنی اُس شوخ میں ہے اس قدر نہ ہونی چاہئے۔ اُن کا تو یہ حال ہے کہ جس سے وہ بات کرتے ہیں وہ ان کی بدکلامی کا شاکی ہو جاتا ہے *

۱۱۔ اس شعر سے میرزا کی کمال شوخی طبع ظاہر ہوتی ہے۔ یہ غزل اس زمانہ میں لکھی گئی جبکہ بہادر شاہ مرحوم کا ارادہ حج کو جانے کا تھا۔ میرزا اس شعر میں بادشاہ کے ساتھ جانے کا کمال اشتیاق ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کے لئے منت مانتے ہیں مگر منت یہ مانتے ہیں کہ حج کا ثواب حضور کی نذر کروں گا۔ ادھر سفر حج کا وہ اشتیاق اور ادھر حج کے ثواب کی یہ بیقدری (از یادگار غالب) *

غم کھانے میں بودا دل ناکام بہت ہے ۱ یہ رنج کہ کم ہے مئے کلفام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساتی سے حیا آتی ہے ورنہ ۲ ہے یوں کہ مجھے دُردنہ جام بہت ہے
 نے تیرکمان میں ہے نہ صیاد کہیں میں ۳ گوشہ میں نفس کے مجھے آرام بہت ہے
 کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ربانی ۴ پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے
 ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں ۵ پابستگیِ رسم و رہ عام بہت ہے
 زہم ہی پہ چھوڑ دے مجھے کیا طوفِ حرم سے ۶ آلودہ بہ مئے جامہٴ احرام بہت ہے
 ہے فہرِ گراب بھی نہ بنے بات کہ اُن کو ۷ انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں ہے مرگ ۸ رہنے سے مجھے پاں کہ ابھی کام بہت ہے
 ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

۹ شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے

۱۔ میرا دل ناکام غم پہننے میں بہت کمزور ہے۔ اس کے لئے ایسی معمولی بات کا رنج بھی بہت زیادہ ہوتا ہے کہ مئے کلفام تھوڑی رہ گئی ہے۔

۲۔ یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تلچٹ بھی میرے لئے کافی ہے مگر اس خیال سے کہ ساتی مجھے ذیل اور کم ہمت اور قانع نہ سمجھے اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔
 (از یادگار غالب) *

۳۔ یعنی جو شخص گنہگار اور کس میرسی کی حالت میں ہوتا ہے اُس کا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا۔ ساری خرابیاں شہوت اور اقتدار اور نام و نمود کے ساتھ وابستہ ہیں (از یادگار غالب)
 ۴۔ زہد خواہ ربانی نہ ہو اور حقیقی ہی ہو۔ لیکن میں تو زہد کا قائل نہیں۔ کیونکہ اس میں عمل کا نیک بدلہ ملنے کی بہت طمع عام ہوتی ہے۔ یہی خیال رہتا ہے کہ جنت میں شراب اور حویں ملیں گی۔ میں تو ایسے زہد کا قائل نہیں جو غرض پر ہو۔

۵۔ عظیمند لوگ کس روشِ خاص پہ ناز کرتے ہیں۔ اُن میں بھی عام رسوم کی پابندی بہت

زیادہ پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اہل خرد بھی پابندی رسوم میں مبتلا ہیں۔ پس وہ کس بات پر ناز کر سکتے ہیں ؟

۴۔ اے ہمسفر و مجھے تو چاہ زمزم پر ہی چھوڑ دو کیونکہ میرا لباس احرام شراب سے بہت آلودہ ہو رہا ہے۔ مجھے طوف حرم سے کیا فائدہ ہوگا ؟

۵۔ اب بھی اگر میرا کام نہ بنا تو غضب ہو جائیگا کیونکہ انہیں وصل سے انکار نہیں اور مجھے امر بہت زیادہ ہے ۔

۸۔ اے مرگ مجھے بھی دنیا میں رہنے دے کیونکہ ابھی تو میں میدانِ عشق میں داخل ہی ہوا ہوں ابھی بہت کچھ کام کرنا ہے۔ بڑے بڑے مصائب اٹھانے ہیں۔ اور یادِ یار میں جگر کا خون آنسو بنا کر بہانا ہے ۔

۹۔ مقطع صاف ہے + بدنامی شراب پینے کی وجہ سے یا بہت مشکل اشعار لکھنے کی وجہ سے مراد ہو سکتی ہے +

۲۲۷

۱۔ مدت ہوئی ہے یار کو مہاں کئے ہوئے ۱ جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کئے ہوئے
۲۔ کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو ۲ عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے
۳۔ پھر وضعِ احتیاط سے رُکنے لگا ہے دم ۳ برسوں ہوئے ہیں چاکِ گریباں کئے ہوئے
۴۔ پھر گرمِ نالہ ہائے شمر بار ہے نفس ۴ مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے
۵۔ پھر پرکششِ جراتِ دل کو چلا ہے عشق ۵ سامانِ حدِ ہزار نمکداں کئے ہوئے
۶۔ پھر بھر رہا ہوں خامہ مژگاں بخونِ دل ۶ سازِ چمن طرازِ ہی داماں کئے ہوئے
۷۔ باہمہ گری ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب ۷ نظارہ و خیال کا سماں کئے ہوئے
۸۔ دل پھر طوافِ کوئےِ ملامت کو جاسے ہے ۸ پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے
۹۔ پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب ۹ عرضِ تبارِ عقلِ دل و جاں کئے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال ۱۰ صد گلستاں نگاہ کا سماں کئے ہوئے
 — پھر جانتا ہوں نامہ دلدار کھولنا ۱۱ جاں نذر دلفریبی عنوان کئے ہوئے
 — مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بامِ ہر ہوس ۱۲ زلفِ سیاہ سُرخ پہ پریشاں کئے ہوئے
 — چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو ۱۳ سرمہ سے تیروشنہ مژگاں کئے ہوئے
 — اک نو بہار ناز کوتا کے ہے پھر نگاہ ۱۴ چہرہ فروغِ نئے سے گلستاں کئے ہوئے
 بھرنجی میں ہے کہ درپہ کسی کے پڑے ہیں ۱۵ سرِ زیر بارِ منتِ دریاں کئے ہوئے
 جی ڈھونڈتا ہے پھر ہی فرصت کہ رات دن ۱۶ بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے
 غالب ہیں نہ چھپیر کہ پھر جو شس اشک سے
 ۱۷ بیٹھے ہیں ہم تہیتہ طوفاں کئے ہوئے

۱ - شعر صاف ہے - قدحِ شراب کو چارغ سے تشبیہ دی گئی ہے اس لئے بہت سے پیالوں
 سے چراغاں ہونی ضروری ہے *

۲ - میرا جگر پہلے ہی نادکھائے مژگاں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے - اب بھر دعوتِ
 مژگاں یا کرنا مقصود ہے - اس لئے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو جمع کر رہا ہوں - تاکہ پھر لذتِ
 زخمِ نادکھائے مژگاں حاصل کروں *

۳ - پھر احتیاط جنوں کرتے کرتے دم گھٹنے لگا یعنی اب ضبط نہیں ہو سکتا کیونکہ گریباں
 چاک کئے بہت عرصہ گزر چکا - جنوں کا تقاضا ہے گریباں چاک کر ڈالے

۴ - پھر میرا جی چاہتا ہے کہ نالہ داسے شرر بار کچھنچوں کیونکہ سیرِ چراغاں کئے ہوئے عرصہ
 گزر گیا - لہٰذا نالہ داسے شرر بار میں اس لئے ان کی چنگاریوں سے چراغاں کی سیر تصور کی گئی ہے

۵ - پھر عشقِ زخمِ ہائے دل کی مزاجِ پُرسی کے لئے لاکھوں نمکدان سے کرپلا ہے مطلب
 یہ کہ سو زخمِ عشق نے پھر دل کے زخموں میں آگ لگا دی *

۶ - پھر میری پلکوں کے قلمِ دل کے نوحان سے بھرے ہوئے ہیں یعنی میری پلکیں پر آنسو آئے

ہیں تاکہ دامن پر گناہاں کریں + خزا کو خامہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک نہایت لطیف تشبیہ ہے۔ خونِ دل کو روشنائی اور دامن کو کاقد تصور کیا گیا ہے +

۷۔ پھر دل خیال یار میں محو ہوا ہے اور آنکھیں نظارہ یار کی تما کر رہی ہیں اس لئے پھر دونو رقیب ہو گئے ہیں (اس مضمون کو مرزا صاحب نے پہلے بھی دوسرے طریقوں سے باندھا تھا) ۸۔ میر دل پھر غرور و خود داری کے بنگدہ کو دیران کر کے کوئے طامت یعنی کوئے یار کے طوفان کو چارہا ہے۔ مطلب یہ کہ کشش کوئے یار کے مقابلے میں ہم اپنے غرور و خود داری کو قائم نہ رکھ سکے +

۹۔ پھر عشق نے عقل و دل و جان کی متاع بیچنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور خریدار یعنی حُسن کی طالب ہے + مطلب یہ کہ عشق میں پہلے عقل و دل و جان کی دولتیں حُسن پر نثار کرنی ہوتی ہیں +

۱۰۔ پھر خیال نگاہِ صد گلستاں کا سامان لئے ہوئے ہر ایک گل و لالہ یعنی ہر ایک معشوق کی طرف دوڑ رہا ہے + صد گلستاں نگاہ۔ یعنی نگاہ جمال یار سے شوباغوں کی سیر کا لطف اٹھالیتی ہے ۱۱۔ پھر میں جان کو عنوانِ خط کی دلفریبی پر نذر کرنے کے لئے دلدار کا خط کھولنا چاہتا ہوں۔ یعنی اپنی جان تو میں عنوانِ خط پر ہی نذر کر دوں گا +

۱۲۔ پھر مجھے خواہش ہوئی ہے کہ معشوق اپنے روشن چہرے پر زلفِ سیاہ پریشان کئے ہوئے اپنے بام پر نظر آجائے +

۱۳۔ پھر میری آرزو ہے کہ معشوق پلکوں کی چھریوں کو سرمہ سے تیز کر کے میرے سامنے آجائے۔ گویا سرمہ پلکوں کی چھریوں کے لئے اُس پتھر کا کام کرتا ہے جسے فساں کہتے ہیں اور جس پر چھریاں تیز کی جاتی ہیں (پتھر اور سرمہ کی مناسبت واضح ہے)

۱۴۔ میری نگاہ پھر اک تو بہارِ ناز کو جس کا چہرہ فروغ نے سے گلستاں جیسا ہوتا ہے وہی ہے یعنی تلاش کر رہی ہے +

۱۵۔ پھر دل میں خواہش ہے کہ دربان کے احسان کا بوجھ اٹھائے ہوئے معشوق کے دروازے پر پڑے رہیں +

۱۶۔ اس شعر میں بھی مرزا صاحب کی شوخ طبعی واضح ہے۔ فرماتے ہیں میر دل پھر دیہی صفت کے دن رات ڈھونڈ رہا ہے جبکہ تصور جاناں کے ہوئے بیٹھا رہتا تھا (گویا عشق بازی بیکار آدمیوں کا کام ہے)

۱۷۔ اسے غالب ہیں نہ چھتر ہم پھر جو جس گریہ کی وجہ سے طوفان برپا کرنے کا ارادہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں +

(۲۲۸)

نوبید امن ہے بیدار دوست جاں کے لئے ۱ رہے نہ طرزِ رستم کوئی آسماں کے لئے
بلا ہے گر مژدہ یار تشنہ خوں ہے ۲ رکھوں کچھ اپنی بھی مڑگان خونفشاں کیلئے
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلقِ انجمن ۳ نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے
سہا بلا میں بھی میں مبتلائے آفتِ رشک ۴ بلائے جاں ہے ادائیری اک جہاں کے لئے
فلکِ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں ۵ دراز دوستی قاتل کے امتحاں کے لئے
شمال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر ۶ کرے قفس میں فراہمِ خُشائیاں کے لئے
گداسیہ کے وہ چھپا مری جو شامتِ آبی ۷ اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسبان کے لئے
بقدر شوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل ۸ کچھ اور چاہئے وسعت کے بیاں کے لئے
دیہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ لگے ۹ بنا ہے عیشِ تخیلِ حسینِ خاں کے لئے
زباں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا ۱۰ کہ میرِ لفظ نے بوسے مری بیاں کے لئے
نصیرِ دولت و دیں اور معینِ ملت و ملک ۱۱ بنا ہے چرخِ بریں جس کے استاں کے لئے
زمانہ عہد میں اُس کے ہے محورِ اُتس - ۱۲ جنس گئے اور ستائے اب سماں کے لئے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے ۱۳ سفینہ چائے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالب ہوئے اسے نکتہ سرا

۱۴۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

۱۔ دوست کے ظلم جان کے لئے امن کی مبارکباد ہو گئے۔ کیونکہ دوست ہر ایک قسم کا ظلم ہم پر کر چکا ہے اور آسمان کے لئے ہم پر ظلم کرنے کا کوئی طرز باقی ہی نہ چھوڑا۔ لہذا اب ہماری جان آسمان کے ظلموں سے محفوظ ہو گئی۔

۲۔ میں اپنا بہت سا خون یعنی بہت سے آنسو مرزہ یار کے لئے بہا چکا اگر اب بھی وہ یہی ہی ہے تو ہو۔ آخر مجھے اپنی ہلکوں کے لئے بھی کچھ آنسو رکھنے ہیں۔

۳۔ اس شعر سے شوخی طبع کے علاوہ مرزا صاحب کی ظرافت بھی واضح ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں اسے حضرت خضر ہم ایسے زندہ ہیں کہ دنیا ہم کو جانتی اور پہچانتی ہے۔ اور اپنے عمر جاوداں کے لئے چوروں جیسی زندگی کو ترجیح دی ہے۔ یعنی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔

۴۔ تیری ادا صرف میرے لئے نہیں بلکہ اک جہاں کے لئے بلائے جان ہو گئی۔ مگر میرے لئے دو آفتیں ہو گئیں ایک تو تیری ادا اور دوسرے آفتِ رشک۔ رشک اسلئے کہ دوسرے بھی کیوں اس بلا میں مبتلا ہوئے جس میں میں مبتلا تھا۔ (ایسے شوخ اور لطیف اشعار کہنا مرزا صاحب کا ہی حصہ تھا)۔

۵۔ اسے آسمان (مقتل میں تو) مجھے اس سے دُور نہ رکھ۔ یہ کیا ضرور ہے کہ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ کو قتل کر ڈالے۔ قاتل کی دراز دستی کے امتحان کے لئے صرف میں ہی تو نہیں ہوں اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ قتل ہونے سے پہلے کچھ دیر تو حلالِ یار کے دیدار سے مسرور ہوں گا۔

۶۔ اس سے زیادہ کوشش کی سختی کس پیرایہ میں بیان ہو سکتی ہے (از یادگار غالب)

۷۔ اس شعر میں بھی ایک وسیع مضمون کو نہایت دلکش پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ شکر

مطلب یہ ہے کہ یار کے حکم کے بموجب پاسبان مجھے محفل یار میں جانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ میں چپکے سے پاسبان کے پاس جا بیٹھا۔ پاسبان نے مجھے گداسمجھ کر کچھ نہ کہا۔ میری جو شامت آئی میں اٹھا اور اٹھ کر پاسبان کے قدم پکڑ لئے تاکہ خوشامد سے پاسبان کو اپنے اوپر ہر بان لڑیوں۔ لیکن معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ پاسبان فوراً تار گیا کہ یہ تو حضرت غالب ہیں اور اُس نے فوراً ہی مجھے دھکے دے کر دیوار سے دُور مٹا دیا۔

۸۔ غزل کا تنگ ظرف میرے وسیع شوقِ سخن کے لئے کافی نہیں ہے۔ میرے بیان کیلئے شاعری کی کوئی اور صنعت بھی درکار ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے غزل کے علاوہ قصیدہ بھی کہنا چاہئے (اس شعر کے بعد مرزا صاحب کو مدح سرائی کرنی منظور تھی۔ لہذا اس کو اس پہرے میں بیان کیا۔ مدح سرائی کرنے کے لئے کیا اچھا گریز ہے)۔

۹۔ عیش در حقیقت تجمل حسین خاں کے لئے بنا ہے۔ اگرچہ خدا نے اس غرض سے کہ تجمل حسین خاں کو نظر نہ لگے تھوڑا تھوڑا عیش دینا کہ اور لوگوں کو بھی دیدیا ہے۔

۱۰۔ یا خدا میری زبان پر یہ کس کا نام آیا کہ میری گویائی میری زبان کے بوسے لینے لگی۔

۱۱۔ دین اور دولت کا مددگار اور ملک و ملت کا معین یعنی تجمل حسین خاں چرخ بریں محض اس لئے بنایا گیا کہ اُس کا آستان بنایا جائے۔

۱۲۔ اس کے عہد میں زمانہ آرائش میں محو ہے۔ آسمان کے لئے بھی اور ستارے بنائے جائیں گے کیونکہ ان ستاروں سے آسمان کی پوری آرائش نہیں۔

۱۳۔ ورق ختم ہوا اور ممدوح کی مدح ابھی باقی ہے۔ اس بجز بیکریاں کے لئے سفینہ درکار ہے۔

۱۴۔ غالب نے ادائے خاص سے نکتہ سرائی یعنی سخن سرائی کی ہے۔ اسی لئے یار نے نکتہ داں کے لئے عام دعوت ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

قصائد

قصیدہ اول در منقبت

ساز یک ذرہ نہیں فیض چمن سے بیکار ۱ سائیہ لالہ بے داغ سویدائے بہار
 مستی باد صبا سے ہے بعرض سبزہ ۲ ریزہ شیشہ نئے جوہر تیغ کہار
 سبز ہے غام ز مردم کی طرح داغ پلنگ ۳ تازہ ہے ریشہ تاریخ صفت نئے شرار
 مستی ابر سے گلچین طرب ہے حسرت ۴ کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار
 کوہ و صحرا ہمہ معموری شوق بلبیل ۵ راہ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
 سوپنے ہے فیض ہوا صورت مرگان یتیم ۶ سر نوشت دو جہاں ابریک سطر غبار
 کاٹ کر پھینکنے ناخن تو باندازہ ہلال ۷ قوت نامید اس کو بھی نہ پھوڑے بیکار
 کف ہر خاک بگردوں شدہ قمری پرواز ۸ دام ہر کاغذ آتش زدہ طاؤس شکار
 میگردہ میں ہوا اگر آرزوئے گل عینی ۹ بھول جا یک قدر بادہ بطق گلزار
 موج گل ڈھونڈ رہے خلوت کدہ غنچہ باغ ۱۰ گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار
 کھینچے گرمانی اندیشہ چمن کی تصویر ۱۱ سبز مثل خط نوخیز ہو خط پر کار
 حل سے کی ہے پئے زمرہ رحمت شاہ ۱۲ طوطی سبزہ کہسار نے پیدا مقام
 و فلک شاہ کہ جس کی پئے تعمیر سرائے ۱۳ چشم جبریل ہوئی قالب خشت دیوار
 فلک العرش ہجوم خم دوش مزدور ۱۴ رشتہ فیض ازل ساز طناب معمار
 سبزہ نہ چمن یک خط پشت لب بام ۱۵ رفعت بہت صد عارف و یک مہج حصار
 وال کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرکار ۱۶ وہ رہے مرقع بال پری سے بزار
 خاک صحرائے نجف جو ہر سیر عرفا ۱۷ چشم نقش قدم آئینہ بخت بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینہ ناز ۱۸ گرد اس دشت کی امتیہ کو احرام بہار
آفریش کو ہے واں سے طلب مستی ناز ۱۹ عرض خمیازہ ایجاد ہے ہر مروج غبار
مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اے شمع شبستان بہار ۲۰ دل پر دانہ چراغاں پر مبلبل گلزار
شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز ۲۱ ذوق میں جلوہ کے تیرے ہوائے دیدار
تیری اولاد کے غم سے ہے بڑے گردوں ۲۲ سلک اختر میں نہ فوثرہ گوہر بار
ہم عبادت کو ترا نقش قدم ہر نماز ۲۳ ہم ریاضت کو ترے حوصلہ سے استظہار
مدح میں تیری نہاں زمزمہ نعت نبی ۲۴ جام سے تیرے عیاں بادہ جوش اسرار
جوہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر ۲۵ یکطرف نازش مژگاں دگر سو غم خار
مردمک سے ہو عزا خانہ اقبال نگہ ۲۶ خاک در کی ترے جو چشم نہ ہوا آئینہ دار
دشمن آل بنی کو یہ طرب خانہ دہر ۲۷ عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیدار
دیدہ تادل است آئینہ یک پر تو شوق

۲۸ فیض معنی سے خط سا غر را تم سرشار

۱۔ فیض چین سے چین کی خاک کا ایک ذرہ بھی بیکار نہیں ہے۔ لالہ بے داغ کا پسایہ بھی
بہار کا سویاے دل ہے یعنی اسے بہت عزیز ہے۔ بیکار ہونا تو کجی (فیض چین سے مراد بہار
چین ہے) +

۲۔ باد صہا کی مستی سے جوہر تیغ کہسار یعنی سبزہ قلہ کوہ ریزہ شیشہ سے بن گیا ہے۔ سبزہ
کوہ ریزہ شیشہ سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ ریزہ شیشہ میں سبزی جھلکتی ہے۔ تیغ
کوہ قلہ کوہ کو کہتے ہیں۔ اور اس کے جوہر سے مراد سبزہ ہے +

۳۔ فیض بہار سے داغ پتنگ جام زمرہ کی طرح سبز رنگ ہو گیا ہے۔ اور روئے شرار
ریشہ نارنگ کی طرح تر و تازہ ہو گیا ہے +

۴۔ مستی ابر کے اثر سے حسرت بھی خوشی کے پھول توڑنے والی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں دو عالم کے غموں کا خاتمہ ہو جانے کا امکان ہے +

۵۔ سب کو وہ وصی ابلبلوں کے شوق کی وجہ سے معور ہو گئے ہیں۔ گویا خندہ گل سے راہ خواہیدہ بھی بیدار ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اُن راستوں پر بھی جہاں کسی کا گزرنہ ہوتا تھا۔ اور راہ خواہیدہ کہلاتے تھے اب خندہ گل کی وجہ سے ہجوم عنادل نظر آ رہا ہے +

۶۔ آجکل فیض ہوائے بہار سے ہادل کی ایک نکیر میں بھی ٹرکانِ عظیم کی طرح تمام دنیا کے بادلوں کی بارش بھری ہوئی ہے۔ ٹرکانِ عظیم ہمیشہ رد فی رہتی ہیں اس لئے بیک سطر غبار سے تشبیہ دی گئی ہے +

۷۔ آجکل اگر ناخن بھی کاٹئے تو بیکار نہیں جاتا۔ قوتِ نامیہ ہلال کی طرح اُس کو بڑھانے بڑھانے پورا چاند بنا دیتی ہے +

۸۔ فیض ہوائے بچان چیزوں میں بھی روح پھونک دی ہے۔ چنانچہ یک مشت خاک میں یہ تاثیر ہو گئی ہے کہ وہ گرمی خاکستر رنگ کی طرح گردوں پر پرواز کر سکتی ہے اور ہر کاغذ آتش زدہ دام طاؤس کا شکار کرتا ہے یعنی صورتِ طاؤس بن جاتا ہے + کاغذ آتش زدہ میں جو چمکدار نقطے ظاہر ہوتے ہیں وہ گول شکل کے ہوتے ہیں اس لئے اُن سے دام طاؤس مراد لیا گیا +

۹۔ اگر تجھے میکہ سے میں گلِ چینی کی خواہش ہو یعنی اگر تو میکہ سے میں گلزار چاہتا ہے تو اُس کا آجکل بڑا آسان طریقہ یہ ہے کہ تو یک قدم بادِ طاقِ گلزار میں رکھ کر بھول جا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد قوتِ نامیہ اُس یک قدم باد سے لاکھوں قدم باد بنا دے گی گویا میکہ بن جائیگا اور پھر میکہ سے میں تیری آرزوئے گلِ چینی پوری ہو جائے گی کیونکہ میکہ اور باغ دونوں ایک ہی جگہ ہو جائیں گے (مرزا صاحب کے تخیل کے سرا اور کس کا تخیل یہ رنگ دکھا سکتا ہے +

۱۰۔ آجکل اگر تو گوشہ میخانہ میں اپنی دستار بھول جائے تو اسے پھر گوشہ میخانہ میں نہ ڈھونڈ سکے کیونکہ قوتِ تپ نامیہ کے اثر سے اس تھوڑے سے وقفہ میں ہی جتنے وقفے میں کہ تجھے اپنی گم شدہ دستار یاد آئی گوشہ میخانہ گوشہ باغ بن چکا اور پہنچ دستار موج گل ہو گئی۔ غلو بندہ فہم باغ سے گوشہ باغ مراد ہے +

۱۱۔ آجکل اگر مانی فکرِ چین کی تصویر کھینچنا چاہے تو خطِ پرکار خطِ نوخیز کی مانند سبز رنگ مجھ جائے ۱۲ طوطی سبز کہسار نے آنحضرت کی مدحِ تسمائی کے لئے لعل کی منقار حاصل کی ہے کہسار کے سبز سے کو طوطی اور لعل کو منقار تصور کیا گیا۔ شاہ سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں ۱۳۔ وہ شہنشاہ کہ جس کے روضہ مقدس کی تعمیر کے لئے حضرت جبریل کی آکھ کو اینٹوں کا سا پتہ بنایا گیا +

۱۴۔ اُس کی تعمیر میں فلک العرش غم دوش مزدور بن گیا۔ اور فیض ازلی کا رشتہ اُس کے معمار کی سی ہے جس سے معمار دیوار کی راستی و کجی معلوم کرتا ہے +

۱۵۔ سبزہ نہ چمن سے مراد نو آسمان ہیں۔ مطلب یہ کہ نو آسمانوں کی بلندی اور اُس کے محلِ سر کی چھت کی بلندی برابر ہے۔ اور دیواروں کی رفعت ہمت اور اُس کی دیوارِ حصار برابر ہیں۔ دیوارِ حصار بمعنی فصیل چار دیواری +

۱۶۔ جس کو وہاں کی گھانٹیں پھونس سے ایک ترکہ بھی حاصل ہو جائے۔ وہ تمام عمر باری کے پر کے پتے سے بیزار رہے یعنی اُس تنکے کو بہتر سمجھے +

۱۷۔ عارف لوگ خاکِ صحرائے نجف پر سفر کرنا اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ اور نقشِ قدم کو اپنے بختِ میدار کا آئینہ جانتے ہیں +

۱۸۔ اُس گرد کا ذرہ خورشید کے لئے موجبِ فخر آئینہ ہے اور اس گرد کی دشتِ اسید کا جامہ احرام ہے۔ نقشِ قدم کو جبرانی کے لحاظ سے آئینہ قرار دیا اور گرد کو ڈھانپنے کی صفت کی وجہ سے جامہ +

۱۹۔ سرزمین نجف اشرف سے آفرینش بھی مستیٰ غر طلب کرتی ہے۔ اور ہر موج غبار گویا اس کی ایک انگڑائی ہے۔ نئے کے آثار پر انگڑائیاں آتی ہیں اس لئے موج غبار اٹھنے سے انگڑائیاں آنی قرار دے کر طلب ہستی ناز تصور کرتے ہیں۔ گویا آفرینش کو بھی سرزمین نجف اشرف کی پیدائش پر فخر و ناز ہے + دوسرے مصرع میں آفرینش کی بجائے لفظ ایجاد استعمال کیا گیا ہے

۲۰۔ اسے شمع شبستان بہار تیرے فیض سے پروانہ کا دل مانند چراغاں روشن اور پربل مانند گلزار ہو گیا ہے۔ یعنی تیرے فیض سے پروانہ و بلبل کی امیدیں پوری ہو گئی ہیں + مطلع ثانی

۲۱۔ یا علی علیہ السلام آئینہ خانہ شبل طاؤس تیرے ذوق جلوہ احد تیری ہوائے دیدار میں پرواز کرتا ہے +

۲۲۔ حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام کے غم میں آسمان پر گویا مرفوڑہ اور ستارے آنسوؤں کی لڑیاں ہیں +

۲۳۔ تیرا نقش قدم عبادت کے لئے سجدہ گاہ ہے اور تیرا حوصلہ ریاضت کے لئے سہارا (لفظ ہم فارسی ہے جو بھی کے معنی دیتا ہے مطلب یہ کہ تیرا نقش قدم سجدہ گاہ عبادت بھی اور تیرا حوصلہ ریاضت کے لئے سہارا بھی ہے)

۲۴۔ تیری مدح میں نعت زمرہ نبی ہماں ہے اور تیرے جام سے بادۂ جوش اسرار عیاں ہے۔ مطلب یہ کہ تیری مدح کرنا گویا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرنا ہے۔ اور جس نے تیری محبت کا جام پی لیا یعنی تجھ سے محبت کی وہ اسرار الہی سے واقف ہو گیا +

۲۵۔ تیرا دست دعا آئینہ کی مانند ہے اور تاثیر اس کا جوہر ہے۔ ایک طرف مرگاہ کا فخر اور دوسری طرف خارنا کامی کا غم۔ مطلب یہ ہے کہ تیری دعا فوراً قبول ہوتی ہے اس وقت مرگاہاں کہ جو کہ بوقت دعا آنسو برساتی ہیں خوشی اور عزت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف

فارنا کامی کو طال و غم ہوتا ہے +

۲۶۔ جو آنکھ تیرے در کی فرمانبرداری نہ ہو وہ مرد یک چشم کی سیاہی کی وجہ سے نگاہ کے اقبال کا عزا خانہ بن جائے یعنی اُس آنکھ کو کامیابی نصیب نہ ہو۔ (مرد یک - آنکھ کی پتلی) +

۲۷۔ (خمیازہ بمعنی اگڑائی - خمیازہ سیلاب سے مراد موج سیلاب ہے) مطلب یہ ہے کہ دشمن آل بنی کے واسطے اس طرب خانہ دہر کی ہر ایک محراب موج سیلاب نہ جائے اور اس کو غرق کر دے +

۲۸۔ اسد آنکھ سے لے کر دل تک پر تو شوق کا آئینہ ہے اور راقم کا ساغر فیض معنی سے لبریز ہے۔ مطلب یہ کہ اسد سرتاپا شوق محبت علی علیہ السلام بن گیا ہے اور اس لئے اس کا کلام فیض معنی سے سرشار ہے +

قصیدہ دوم

در منقبت

دہر جز جلوہ یکتائی مشوق نہیں ۱ ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود ہیں
بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت نہ ذوق ۲ بیکی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں
ہرزہ ہے نعمت زیر و بم ہستی و عدم ۳ خوب ہے آئینہ فسہر ق جنوں و تمکیں
نقش معنی ہمہ خمیازہ عرض صورت ۴ سخن حق ہمہ پیمانہ ذوق تحسین
لافت دانش غلط و نفع عبادت معلوم ۵ در دیکساں غفلت ہے چہ دنیا و چہ دیں
مثل مضمون وفا باد بدست تسلیم ۶ صورت نقش قدم خاک بفرق تمکیں
عشق بے ربطی شیرازہ اجزائے حواس ۷ وصل زنگارِ رُخ آئینہ حسن یقین
کوہ کن گرسنہ مزدورِ طرب گاہ ز قیاب ۸ بے ستوں آئینہ خوابِ گراں شیریں
کس نے دیکھا نفسِ ابل و فالتش خیز ۹ کس نے پایا اثرِ نالہ دلہائے حزیں

سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن ۱۰ نہ سرو برگہ ستائش نہ دماغ نفیریں
 کس قدر ہرزہ سزا ہوں کہ عیاذاً باللہ ۱۱ یک قلم خارج آداب وقار و تمکین
 نقش لا حول لکھ لے غائبہ بیاں تحریر ۱۲ یا علی عرض کر اسے فطرت و بواس قریں
 مظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل ۱۳ قبلہ آل نبی کعبہ ایجا و یقیں
 ہودہ سرمایہ ایجا و جہاں کرم خرام ۱۴ ہر کعبہ خاک ہر دواں گردہ تصویر زمیں
 جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا ۱۵ وہ کعبہ خاک ہے ناموس در عالم کی امیں
 نسبت نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ ہے ۱۶ ابد الپشت فلک خم شدہ ناز زمیں
 فیض خلق اس کا ہی شامی ہے کہ ہوتا ہے سدا ۱۷ بوئے گل سے نفس باو صبا عطر آگین
 بر تن تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا ۱۸ قطع ہو جائے نہ سرشتہ ایجا و کہیں
 کفر موز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹپٹے ۱۹ رنگ عاشق کی طرح رونق بخانا چیں
 جاں پناہ دل و جاں فیض رسا نا شام ۲۰ وصی ختم رسل تو ہے بہ فتوائے یقیں
 جسم اطہر کو ترسے دو شش بہیر منہبر ۲۱ نام نامی کو ترسے ناصیہ عرش نگین
 کس سے ممکن ہے تری طرح بغیر از واجب ۲۲ شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 آستان پر ہے ترسے جو ہر آئینہ سنگ ۲۳ رقم بندگی حضرت جبریل امیں
 تیرے در کے لئے اسباب شمار آادہ ۲۴ خاکبوں کو جو خدا نے دے جان دل و دیں
 تیری محبت کیلئے ہیں وہ دل جاں کام و بیاں ۲۵ تیری تسلیم کو میں لوح و قلم دست و جبین
 کس سے ہو سکتی ہے مداخلی حمد و برح خدا ۲۶ کس سے ہو سکتی ہے آرائش فردوس بریں
 جنس بازار معاصی اسد اللہ اتد ۲۷ کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں
 شوخی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب ۲۸ ہے ترے حوصلہ فضل پر از لبکہ یقیں
 دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول ۲۹ کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سوا بار آئیں
 غم شبیر سے ہو سینہ بہاں تک لبہ بریز ۳۰ کہ یہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں

بلع کو الفت لہل میں یہ سرگرمی شوق ۳۱ کہ جہان تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے جہیں
دل الفت بسبب و سینہ توحید فضا ۳۲ نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزیر

صرف اعداد اثر شعلہ دود و وزخ

۳۳ وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

۱۔ دنیا جلوہ معشوق یکتا کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر حسن اپنے آپ کو دیکھنے والا نہ ہوتا تو ہم کہاں
ہوتے۔ مطلب یہ کہ دنیا آئینہ معشوق حقیقی ہے۔ اگر معشوق حقیقی اپنا عکس نہ دیکھنا چاہتا
تو نہ دنیا ہوتی نہ ہم ہوتے۔ یعنی دنیا کی ہر ایک شے میں اُسی کے نور کا جلوہ ہے۔

۲۔ ہم نے سیر دنیا ایسی بیدلی سے کی کہ ہمیں نہ عبرت حاصل ہوئی نہ لذت۔ اس لئے تمنا کی
بیکسی پرافسوس ہے کہ نہ دنیا حاصل ہوئی نہ دیں۔ یعنی اگر عبرت حاصل کرتے تو دین مسرور
جاتا اور اگر لذت ہی حاصل کرتے تو دنیا کے مزے کو مٹتے۔

۳۔ ہستی و عدم کے زیر و بم یعنی نشیب و فراز کا نفع و فصول ہے۔ اور جنوں و تمکیں کو مختلف
چیزیں سمجھنا لغو ہے۔ مطلب یہ کہ نہ ہستی و عدم میں فرق ہے اور نہ جنوں و تمکیں میں کوئی
اختلاف۔ ذات باری تعالیٰ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔

۴۔ نقش معنی عرض صورت کا خمیازہ ہے اور سخن حق گویا ذوق تحسین کا پیمانہ۔ مطلب
یہ کہ جو لوگ حقیقت شناس ہوئے گا دعویٰ کرتے ہیں وہ دراصل ظاہر پرست ہیں، اور جو لوگ
اپنے آپ کو حق گو کہتے ہیں وہ گویا تحسین و آفرین حاصل کرنے کے شوقین ہیں۔

۵۔ دانشمندی کی شیخی فصول ہے اور عبادت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا
اور دین دو تو غفلت کے ایک ہی ساغر کی تلچھٹ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم غفلت میں
پڑے ہوئے ہیں اور ہمارا ہر ایک عمل خواہ دنیا کے لئے ہو یا دین کے لئے نفع یا لالچ پر
مبنی ہے۔ دنیا و دین ساغر غفلت کا درو ہے جس نے ہمیں محبت معشوق حقیقی سے غافل
کر دیا ہے۔

۴۔ دنیا میں تسلیم و رضا سے بھی وفا کی طرح کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ اور نقش قدم کی طرح تمکین کے سر پر بھی خاک پڑتی ہے۔ یعنی ذلیل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وفادار تسلیم و تمکین سے وقعت میں +

۵۔ عشق اجڑائے حواس کے منتشر ہونے کا نام ہے اور وصل خوبی یقین کے آئینہ کا رنگار ہے۔ یعنی اگر آئینہ یقین پر رنگار نہ ہوتا تو معشوق کے جلوہ کا عکس سے لیتا اور پھر خواہش وصل باقی نہ رہتی +

۶۔ فریاد کو کہن اپنے رقیب خسرو کی عشرت گاہ کا ایک مزدور تھا اور کوہ بیتوں شیریں کی گہری نیند کا آئینہ + مطلب کہ عشق کو کہن نے بھی شیریں پر کوئی اثر نہ کیا پس معلوم ہوا کہ اثر عشق فرضی شے ہے +

۷۔ کس نے اہل وفا کی آہ کو آتش خیز دیکھا ہے۔ اور کس نے دہلے حزیں کے نالوں میں اثر دیکھا ہے۔ مطلب یہ کہ نہ آہ اہل وفا میں اثر ہے نہ نالہائے دل حزیں میں +
۸۔ میں اہل جہاں کے زمرے سے متاثر ہوں لیکن نہ مجھے اُن کی تعریف سے مقصد ہے نہ نفرین سے + زمرہ طنزاً کہا گیا مطلب یہودہ نالوں سے ہے +

۹۔ خدا کی پناہ میں کس قدر یہودہ گوہوں آداب وقار و تمکین سے بالکل خارج ہو گیا یعنی اوپر جو کچھ بیان کیا اُس میں آداب تمکین کو بالکل بھلا دیا یہ شعر گریز ہے۔ قصیدہ میں جب تمہید سے اصل مضمون یعنی مدح ممدوح کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ایک یا دو شعر ایسے لکھنے پڑتے ہیں جو تمہید اور مدح ممدوح کے درمیان واسطہ ہو جائے اُن اشعار کو گریز کہتے ہیں (شعر نمبر ۱۲ بھی گریز ہے +

۱۰۔ اسے یہودہ باتیں تحریر کر لے والے قلم لاجول کا تعویذ لکھ ادراسے دوسرا میں پھنسی ہوئی طبیعت یا علی کہہ +

۱۱۔ کون علی؟ جو کہ فیض خدا کا ظاہر کرنے والا اور حضرت محمد صلوات اللہ علیہ خاتم رسل

کی جان و دل ہے ۔ وہ آل نبی کا قبلہ یعنی بزرگ ہے اور ایسا جو یقین کا کعبہ ہے +
 ۱۴۔ وہ جہاں کے ایسا دکان سوا یہ یعنی علی جس زمین پر گرم خرام ہو وہاں کی ہر کف خاک میں
 یہ قابلیت ہو جاتی ہے کہ وہ کرۂ زمین بن سکتی ہے +
 ۱۵۔ جس جگہ پر اُس کا نقش قدم پڑ جائے تو وہ خاک زیر قدم دو عالم کی عزت کی مانند
 ہو جاتی ہے +

۱۶۔ زمین کو اُس کے (علی) کے نام سے یہ رتبہ حاصل ہوا ہے کہ ہمیشہ زمین کے فخر سے
 یکتا فلک ٹھکی رہے گی (حضرت علی علیہ السلام کی کیفیت ابتراب ہے) +
 ۱۷۔ یہ اُس کے ہی فیض خلق کا اثر ہے کہ بادِ صبا بوسے گل سے ہمیشہ معطر رہتی ہے
 مطلب یہ کہ پھول نے خوشبو اُسی کے فیض خلق سے حاصل کی ہے +
 ۱۸۔ اُس کی تیغ کی برش کا ساری دنیا میں چرچا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا دو آفرینش کا
 سلسلہ ہی قطع ہو جائے +

۱۹۔ اس کا جلوہ ایسا کفر سوز ہے کہ جس سے عاشق کے رنگ کی طرح بُتخانہ چین کی رونق
 بھی جاتی رہتی ہے + (عاشق کے چہرے سے رنگ رونق جاتی رہتی ہے) چین اپنے
 بُت خانوں اور فنِ نقاشی کے لئے مشہور ہے +

۲۰۔ اُسے جان کو پناہ دینے والے اور اسے جان و دل کو فیض پہنچانے والے اور اسے
 شاہِ یقین کے فتوے کے بموجب ختمِ رسل کا جانشین ٹوہی ہے ۔ یعنی مجھے اس بات کا
 پورا یقین ہے اور میرا ایمان ہے کہ ختمِ رسل کا جانشین ٹوہی ہے +

۲۱۔ تیرے جسمِ اطہر کے لئے دوش پیغمبر منبر ہے اور تیرا نام نامی ناصیہ عرش کے نگین پر
 کندہ ہے (حضرت علی نے دوش پیغمبر پر سوار ہو کر کھسے کے بتوں کو ٹوڑا تھا) +

۲۲۔ تیری روح جیسی کہ ہونی چاہئے ذات واجب یعنی خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی
 نہیں کر سکتا کیونکہ شمع کی کوئی شعلہ شمع ہی سے ہوتی ہے ۔ حضرت علی کو شمع اور ذات واجب

کو شعلہ شمع قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ شعلہ سے زیادہ شمع کو اور کون جان سکتا ہے جس کے لئے شمع اپنی جان قربان کر دیتی ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ نے معشوق حقیقی کی محبت کے لئے اپنی جان کو وقف کر دیا تھا پھر معشوق حقیقی کے سوا اور کون ان کی پوری تعریف کر سکتا ہے +

۲۳۳۔ تیرے آستان کے آئینہ سنگ پر حضرت جبریل کے سجدوں کے نشان جوہر آئینہ کا کام دیتے ہیں مطلب یہ کہ حضرت جبریل نے بارہا تیرے سنگ آستان پر ناصیہ سائی کی ہے (جوہر آئینہ کی تشبیہ طوطی سے دی جاتی ہے۔ یہاں پر حضرت جبریل کے سجدوں کے نشانات کو جوہر آئینہ قرار دیا گیا ہے +

۲۳۴۔ خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو جو جان و دل و دیں بخشے ہیں وہ تیرے دروازے پر نثار ہونے کے لئے اسباب ہیں۔ یعنی تیرے در پر نثار کرنے کے لئے ہی دئے گئے ہیں +

۲۳۵۔ تیری رحمت کے لئے کام و زبان کا کام دل و جان دیتے ہیں اور لوح و قلم تیرے سلام کرنے کے لئے دست و جبین کا کام دیتے ہیں + کام کو دل سے زبان کو جان سے دست کو قلم سے اوچیں کو لوح سے تشبیہ دی گئی ہے +

۲۳۶۔ ممدوح خدا کی مداحی کون کر سکتا ہے۔ فردوس بریں کی آرائش کس سے ہو سکتی ہے یعنی سوائے خدا کے نہ کوئی فردوس بریں کی آرائش کر سکتا ہے۔ کوئی حضرت علیؑ کی مداحی کر سکتا ہے +

۲۳۷۔ اسد اللہ خاں اسد جنس بازار معاصی ہے تیرے سوا اس کا اور کوئی خریدار نہیں مطلب یہ کہ تو ہی اس کی بخشش کرائیگا + (حضرت علیؑ کا لقب اسد بھی تھا) +

۲۳۸۔ مجھے تیرے حوصلہ فضل پر اتنا یقین ہو گیا ہے کہ میں عرض مطالب میں گزار ہو گیا ہوں +

۲۹۔ شہ صاف ہے +

۳۰۔ غم حسین علیہ السلام سے میرے سینہ کو اتنا لبریز کر دے کہ میری آنکھیں آنسوؤں سے ریلیں رہیں +

۳۱۔ میری طبع کو دلدل (رہوار) کی الفت میں ایسا شوق عطا کر کہ جہان تک وہ چلے میری جبین اُس کے قدموں کے پیچھے رہے +

۳۲۔ میرا دل الفت سے نسبت رکھنے والا اور سینہ توحید سے بھرا ہوا۔ میری نگاہ جلوہ پرست اور نفس صدق گزین یعنی صداقت پسند ہو +

۳۳۔ تیرے دشمنوں کے لئے آگ کی حدت اور دوزخ کا دھواں ہو اور تیرے دوستوں کے لئے فردوس بریں کے گل و سنبل ہوں +

قصیدہ سوم

ہاں مہ نو سنیں ہم اُس کا نام ۱ جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دم صبح ۲ یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب ۳ بندہ عاجز ہے گردشِ پیام
اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا ۴ آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرورِ خاص خواہیں ۵ جبذا اے نشاطِ عام عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے ۶ لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اُس کو بھولا نہ چاہئے کہنا ۷ صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا ۸ تیرا آغاز اور ترا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے ۹ مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
جانتا ہوں کہ آج دُنیا میں ۱۰ ایک ہی امید گاہِ اتمام

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش ۱۱ غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو ۱۲ تب کہا ہے بطرزِ استفہام
 ہر تاباں کو ہو تو ہو اسے ماہ ۱۳ قریب ہر روزہ برسبیلِ دوام
 تجھ کو کیا پایہ رُوشناسی کا ۱۴ جز بہ تقریب عیدِ ماہِ صیام
 جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو ۱۵ پھر بنا چاہتا ہے ماہِ تمام
 ماہِ بن، ماہِ تاب بن! میں کون ۱۶ مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
 میرا اپنا جُدا معاملہ ہے ۱۷ اور کے لین دیں سے کیا کام
 ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص ۱۸ مگر تجھے ہے امیرِ رحمتِ عام
 جو کہ بخشے گا تجھ کو فترِ فروغ ۱۹ کیا نہ دے گا مجھے نئے کفِ عام
 جب کہ چودہ منازلِ فلکی ۲۰ کر چکے قطع تیری تیزیِ گام
 تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر ۲۱ کوئے و مشکوے و صحن و منظر و بام
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز ۲۲ اپنی صورت کو اک بلوریں جام
 پھر غزل کی روشں پہ چل نکلا ۲۳ تو سن طبع چاہتا تھا لگام
 غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام ۲۴ تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام
 نے ہی پھر کیوں نہیں پئے جاؤں ۲۵ غم سے جب ہو گئی بوزلیتِ حرام
 بوسہ کیسا یہی غنیمت ہے ۲۶ کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام
 کعبہ میں جا بجائیں گئے ناقوس ۲۷ اب تو باندھا ہے دیر میں احرام
 اُس قدح کا ہے دور مجھ کو نقد ۲۸ چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ دام
 بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار ۲۹ دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام
 پھیرنا ہوں کہ اُن کو غمِ آئے ۳۰ کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ ۳۱ اسے پری چہرہ پیک تیز خرام
 کون ہے جس کے در پہ تاصیہ ۳۲ ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے کس ۳۳ نام شاہنشاہ بلند مقام
 قبلہ چشم و دل بہادر شاہ ۳۴ مظہر و الجلال والا کرام
 شہسوار طریقہ انصاف ۳۵ نو بہارِ حدیقہ اسلام
 جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز ۳۶ جس کا ہر قول معنی الہام
 بزم میں میسزبانِ قیصر و جم ۳۷ رزم میں اوستادِ رستم و سام
 اسے ترا لطفِ زندگی افشا ۳۸ اسے ترا عہدِ فسخی فرجام
 چشم بد دورِ خسروانہ شکوہ ۳۹ لوحش اللہ عارفانہ کلام
 جان نثاروں میں تیرے قیصرِ روم ۴۰ جوئے خواروں میں تیرے مُرشدِ جام
 وارثِ ملک جانتے ہیں تجھے ۴۱ امیرِ ج و تور و خسرو و بہرام
 زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے ۴۲ گیو و گودرز و بسین و بھام
 مرجہا مُوشگافیِ نازک ۴۳ آفریں آبدارِ می صمصام
 تیرے تیرے تیر غیر بد ف ۴۴ تیغ کو تیرے تیغِ خصمِ نیام
 رعد کا کرہی ہے کیا دم بند ۴۵ برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا ۴۶ تیرے خوش سبکِ عنال کا حرام
 فنِ صورتِ گرمی میں تیرا گزر ۴۷ گر نہ رکھتا ہو دستِ گاہِ تمام
 اُس کے مضروب کے سرو تن سے ۴۸ کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام
 جب ازل میں رقم پذیر ہوئے ۴۹ صفحہ ہائے لبالی و ایام
 اقدانِ اوراق میں بکلیکِ قضا ۵۰ مجملہ مندرج ہوئے احکام
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشقِ کُش ۵۱ لکھ دیا عاشقوں کو دشمنِ کام

آسماں کو کہا گیا کہ کہیں ۵۲ گنبد تیز گرد نیلی فام
محکم ناطق نکھا گیا کہ لکھیں ۵۳ خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب باد و خاک نے ل ۵۴ وضع سوز و غم ورم و آرام
ہر رختاں کا نام خسرو روز ۵۵ ماہ تاباں کا اسم شمع شام
تیری توجہ سلطنت کو بھی ۵۶ دی بدستور صورت ارقام
کاتب حکم نے بموجب حکم ۵۷ اس رقم کو دیا طراز دوام
ہے ازل سے روانی آغاز

۵۸ ہو ابد تک رسائی انجام

۱۔ ہاں اے ہلال ہمیں اُس کا نام سُنا دے جس کو تو جھک کر سلام کر رہا ہے۔ مہرِ نو خمیدہ ہوتا
ہے اس لئے اُس کے جھکنے سے سلام کرنا مطلب لیا گیا (ہلالِ عید سے خطاب ہے جیسا کہ آئے
ذکر کیا گیا ہے)

۲۔ (دو دن غائب رہنے سے پیشتر) دو دن تو ہمیں بوقتِ صبح اسی طریق سے اور ایسا
ہی نازک نظر آیا ہے +

۳۔ آخر یہ تو بتاؤ کہ دو دن تک تو کہاں غائب رہا (اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ) بندہ عاجز
ہے یہ سردش اِیام کی بدولت ہے۔ (اس تمثیل نے بیانِ عجیب پر لطف دکھایا ہے کیونکہ اگر
اسی چاند کے غائب رہنے کا سبب ہے) +

۴۔ اگر تو اُڑ کر بھی آسمان سے بھاگنا چاہتا تو نہ بھاگ سکتا تھا۔ کیونکہ آسمان نے تیرے
لئے تاروں کا جال پھیلا رکھا تھا +

۵۔ اے خاص لوگوں میں سے منتخب لوگوں کے سرورِ مرجبا اور اے تمام لوگوں کے نشاطِ جزا
کا تین دن غیر حاضر رہنے کے عذر میں تو عید کا پیغام لے کر آیا ہے +

۶۔ اُس کو بھولا ہوا نہ کہنا چاہئے جو صبح جا کر شام کو واپس آجائے (صبح کا بھولا شام کو آجائے)

تو بھولانے جانے۔ یہ ایک ضرب المثل ہے) +

۸۔ ایک مجھ کو ہی نہیں بلکہ سب کو معلوم ہو گیا کہ کس طرح تو ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال ہو جاتا ہے +

۹۔ کیا تو مجھے چغلیور سمجھتا ہے کہ مجھ سے اپنا راز دل چھپاتا ہے +

۱۰۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آج کل دنیا میں عوام الناس کی امید گاہ ایک ہی ہے (یعنی بارگاہ حضرت بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی)

۱۱۔ یہ میں نے مانا کہ تو اس کا غلام ہے۔ لیکن کیا غالب اس کا غلام نہیں ہے؟ ضرور ہے (ہلال کو حلقہ سے مشابہ ہونے کی وجہ سے حلقہ بگوش کہا گیا ہے) حلقہ بگوش بمعنی غلام۔ دستور تھا کہ غلام کے کان میں بالی ڈال دیتے تھے +

۱۲۔ یہ میں جانتا ہوں کہ تو بھی اس امر سے واقف ہے کہ میں بھی بادشاہ کا غلام ہوں اور اس لئے بطور استفہام تجھ سے دریافت کیا ہے +

۱۳-۱۴۔ ہیرا باں کو تو بارگاہ ممدوح کا تقرب روزانہ حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن تجھے سوائے عیدِ باہ رمضان کے اور کس دن یہ تقرب ممدوح حاصل ہونا ممکن ہے +

۱۵۔ اُس کے یعنی ممدوح کے فیض سے تو پھر ماہ تمام بنتا چاہتا ہے +

۱۶۔ میں تجھ پر رشک نہیں کرتا۔ میرا تجھ سے کیا تعلق۔ تو ماہ بن یا ماہتاب بن۔ تو کیا مجھ کو اپنے انعام میں سے مجھے کچھ حصہ دیدیگا +

۱۷۔ مجھے دوسرے کے لین دین سے کیا کام۔ میرا معاملہ علیحدہ ہے۔ یعنی تو بھی ممدوح سے فائدہ اٹھا تا رہا اور میں بھی۔ لیکن آپس میں رشک نہ ہونا چاہئے + (اس قصیدے میں روزِ قرہ اور زبان کی صفائی خاص طور پر دلکش ہے۔ معاملہ نے کیا معاملہ بندی کی ہے) +

۱۸۔ مجھے خاص بخشش کی آندو ہے اور تجھے محض رحمتِ عام کی اُمید +

۱۹۔ جو تجھے کمال روشنی بخشے گا کیا مجھے سنے مغلطام عطا نہ کرے گا۔ مطلب یہ کہ ہم دونوں اپنا

اپنا انعام حاصل کریں گے +

۲۰-۲۱- جیکہ تیری تیز رفتاری آسمان کی چودہ منزلیں طے کرے گی تو تو ماہِ تمام بن جائیگا
اور تیرے پر تو سے کوچہ و قصر و صحن و منظر و بام روشن ہو جائیں گے +
۲۲- اُس وقت میرے ہاتھ میں بھی اک بلورین جامِ شراب دیکھنا جو تیرے ہی جیسا روشن
اور صوفی بنوگا +

۲۳- تو سن طبعِ لکام کا اشارہ چاہتا تھا۔ پھر روشِ غزل پر چلنے لگا۔ یعنی میری طبع
سارہ پاتے ہی غزل کی طرف رجوع ہو گئی +

غزل

۲۴- زہرِ غمِ عشق سے میرا کام تمام ہونے والا ہی تھا۔ تو مجھے قتل کر کے خواہ مخواہ بدنام
کیوں ہوا (معشوق سے خطاب ہے) +

۲۵- اگر شراب پیتا ہوں تو شرابِ حرام ہے۔ اگر میں شراب نہیں پیتا تو غم کی وجہ سے زینت
حرام ہو جاتی ہے۔ اس سے ہی بہتر ہے کہ میں شراب ہی پئے جاؤں تاکہ تمام زندگی تو حرام نہ
ہو (اس شعر میں بھی بے انتہا شوخی برتی ہے) +

۲۶- بوسہ ملنا تو کیا۔ یہی نعمت سمجھو کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ مجھے اُن کی دشمنان میں بھی بڑی لذت
حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ سمجھ گئے تو گالیاں دینی بھی بند کر دیں گے +

۲۷- ہم نے جس طرح بجائے کعبہ مندر میں احرام باندھا ہے۔ اسی طرح کسی دن کعبے میں
ناقوس بجائیں گے۔ (احرام کعبہ میں باندھا جاتا ہے اور ناقوس مندر میں بجایا جاتا ہے)
مطلب یہ کہ ہمارے لئے کعبہ اور دیر یکساں ہے۔ خدا کی عبادت ہر جگہ ہو سکتی ہے نہ وہ ہر
جگہ موجود ہے +

۲۸- مجھے اس قدر کا ذکر حاصل ہے یعنی میں اُس کی محبت کی شراب پیتا ہوں جس سے
آسمان نے گردشِ قرض لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان بھی خدا کی محبت میں گردش کرتا ہے

(نقد اور دام میں تضاد ملاحظہ ہو) *

۲۹۔ جن کو میر دل لینے کی ضد تھی افسوس ہے کہ وہ بوسہ دینے سے بھی انکار کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اور چند الفاظ کی طرح لفظ بوسہ سے بھی خاص نفرت رکھتے تھے *

۳۰۔ میں انہیں اس لئے پھیرتا ہوں کہ انہیں مجھ پر غصہ آئے اور مجھے کالیاں دینے لگیں۔ اس پر جب مجھے غصہ آئے تو میں اپنے غصے کو مغلوب کر لوں اور اس پر غالب آ جاؤں۔ اس لئے میں نے اپنا نام غالب رکھا ہے *

۳۱۔ (اب پھر ماہ نو سے خطاب ہے) کہ اسے ماہ نو۔ اسے پری چہرہ اور اسے پیک تیز خرام میں تو سب کچھ کہہ چکا اب تو مجھ کو یہ بتا *

۳۲۔ کہ وہ کون شخص ہے جس کے در پر چاند سورج۔ زہرہ اور مرتخ اپنی پیشانی رگڑتے ہیں ۳۳۔ اگر تو نہیں جانتا تو اس شہنشاہ بند مقام کا نام مجھ سے سُن لے *

۳۴۔ اُس کا نام بہادر شاہ ہے جو دل اور چشم کا قید ہے یعنی جس سے دل اور چشم کی امیدیں برآتی ہیں اور جو مظہر ذوالجلال والا کرام ہے یعنی خدا کا سایہ ہے *

۳۵۔ انصاف کے راستے کا شہسوار یعنی بڑا منصف ہے اور اسلام کے باغ کی نو بہار ہے یعنی اسلام کی زیبائش اُسی کے دم سے ہے *

۳۶۔ جس کا ہر فعل معجزہ ہے اور جس کا ہر قول حقیقت الہام رکھتا ہے *

۳۷۔ بزم میں قیصر و جم جیسے بادشاہ اُس کا میہان بننا فخر سمجھتے ہیں اور بزم میں وہ رستم و سام کا استاد ہے *

۳۸۔ (اسے بادشاہ) تیری جبرانی زندگی افزا اور تیرا عہد فرخی فرجام (مبارک خصلت والا)

۳۹۔

۳۹۔ تیرے شکوہ خسروانہ سے چشم بددور رہے اور سبحان اللہ! تیرے عارفانہ کلام کی

کیا تعریف ہو سکتی ہے +

۴۰۔ قیصر روم بھی تیرے جاں نثاؤں میں سے ہے اور حبشید بھی تجھ سے فیض پانے والوں

میں سے ایک ہے + (مرشد جام سے مراد حبشید ہے) جرء یعنی گھونٹ +

۴۱۔ ایرج وغیرہ بادشاہان ایران تجھ کو ملک کا مالک جانتے ہیں +

۴۲۔ گیو وغیرہ پہلوانان ایران تیرے زور بازو کو مانتے ہیں +

۴۳۔ ۴۴۔ (ق) تیرے تیر کو مرجا کہ دشمن کے تیر کو نشانہ بنانا ہے اور تیری صمصام آبدار

کو آفرین کہ دشمن کی تیغ کو اپنا نیام بنالیتی ہے یعنی اُس کے اندر اتر جاتی ہے۔ اس قطعہ

میں صنعت تقسیم دکھائی گئی ہے +

۴۵۔ ۴۶۔ (ق) تیرے فیل گراں جسد کی صدا رعد کا دم بند کرتی ہے اور تیرے رخس

سُبک عناں کا خرام برق کو الزام دیتا ہے +

۴۷۔ ۴۸۔ (ق) اگر تیرا گرز مصدوی میں پوری دستگاہ نہ رکھتا ہو تو جس کے سر پر وہ مارا

جلٹے اُس کے سروتن سے صورتِ ادغام کیوں نمایاں ہو۔ یعنی اُس کے سروتن آپس میں

ایک دوسرے سے کیوں مل جائیں +

۴۹۔ جب روزِ ازل راتوں اور دنوں کے صفحے بنائے گئے +

۵۰۔ اور ان اوراقِ لیلیٰ و آیام میں مختصر طور پر احکام درج ہوئے +

۵۱۔ تو شاہدوں کو عاشق کُش لکھ دیا گیا اور عاشقوں کو نام لکھا گیا +

۵۲۔ آسمان کی نسبت کہا گیا کہ اس کو تیر پھرنے والا نیلی نام گنبد کہیں +

۵۳۔ اور یہ حکم بھی لکھا گیا کہ خال کو دانہ اور زلف کو دام لکھیں +

۵۴۔ اور آگ کو سوز۔ آب کو نم۔ باد کو روم اور خال کو آرام دیا گیا (صنعت لف و نشر

مرتب) +

۵۵۔ ہر رخشاں کا نام دن کا بادشاہ اور ماؤتہاں کا نام رات کا کوتوال رکھا گیا +

۵۶۔ تو اسے بادشاہ تیرے فرمان سلطنت کو بھی حسب دستور تحریر میں لایا گیا ۔

۵۷۔ تو کاتبِ حکم نے حکم کے بموجب اس تحریر کی ہمیشگی سے زیبائش دی یعنی ہمیشہ کے لئے لکھ دیا ۔

۵۸۔ تیری سلطنت کے آغاز کی روانی ازل سے ہے۔ خدا کرے اس کے انجام کی سائی ابد تک رہے۔ یعنی روزِ ازل تیرے نام سلطنتِ دوام لکھی گئی تھی۔ خدا کرے تیری سلطنت ابد تک قائم رہے ۔

قصیدہ چہارم

صبحدم دروازہ خاور کھلا ۱ ہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں ۲ شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود ۳ صبح کو رازِ مر و اختر کھلا
میں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ ۴ دیتے ہیں دھوکا یہ بازِ بیکہ کھلا
سطح گردوں پر بڑا تھا رات کو ۵ موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر ۶ اک نگارِ آتشیں رخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب ردِ سحر ۷ بادِ گل رنگ کا ساغر کھلا
لاکے ساتی نے صبحی کے لئے ۸ رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ ۹ کعبہ امن و اماں کا در کھلا
تاجِ زر میں ہر تاباں سے سوا ۱۰ خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
شاہِ روشن دل بہادرشہ کہ ہے ۱۱ رازِ ہستی اُس پہ ستراسر کھلا
وہ کہ جس کی صورتِ تکوین میں ۱۲ مقصدِ نہ چرخ و ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے ۱۳ عقدہ احکام پیغمبر کھلا

پہلے دارا کا بگل آیا ہے نام ۱۲ اس کے سر منگول کا جب دفتر کھلا
 روشناسوں کی جہاں فہرست ہے ۱۵ واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا
 تو دشمن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب ۱۶ تھان سے وہ غیرت صرصر کھلا
 نقش پا کی صورتیں وہ دلفریب ۱۷ تو کہے بُت خانہ آذر کھلا
 مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کی ۱۸ منصب بہرہ و مہ و محور کھلا
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک ۱۹ میری حد و سح سے باہر کھلا
 تھا دل وابستہ قفل بے کلید ۲۰ کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا
 باغ معنی کی دکھاؤں گا بہار ۲۱ مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا
 ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس ۲۲ لوگ جانیں طبلہ غنیمت کھلا
 کنج میں بیٹھا رہوں یوں پہ کھلا ۲۳ کاشکے ہوتا نفس کا در کھلا
 ہم نکالیں اور کھلے یوں کوں جائے ۲۴ یار کا دروازہ پاویں گر کھلا
 ہم کو ہے اس رازداری پر کھنڈ ۲۵ دوست کا ہے راز دشمن پر کھلا
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ ۲۶ زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
 ہاتھ سے رکھ ہی کب آبرو نے کہاں ۲۷ کب کمر سے غمزہ کی خنجر کھلا
 مُفت کا کس کو بُرا ہے بدرقہ ۲۸ رہ روی میں پردہ رہبر کھلا
 سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ ہنس ۲۹ آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھلا
 نامہ کے ساتھ آگیا پیغامِ مرگ ۳۰ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا
 دیکھو غالب سے گر الجھا کوئی ۳۱ ہے ولی پوشیدہ اور کا فر کھلا
 پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال ۳۲ پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
 خامہ نے پائی طبیعت سے مدد ۳۳ بادباں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا
 مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ ۳۴ یاں عرض سے رتبہ جوہر کھلا

ہر کانپا، چرخ چکر کھا گیا ۲۵ بادشاہ کا رایت لشکر کھلا
 بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب ۲۶ اب علوئے پایہ منبر کھلا
 بسکہ شہ کا ہوا ہے روشناس ۲۷ اب عیارِ آبروئے زر کھلا
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئہ ۲۸ اب مالِ سعی اسکندر کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے ۲۹ اب فریبِ طفل و سحر کھلا
 ہو سکے کیا مدح ہاں اک نام ہے ۳۰ دفتر مدح جہاں داور کھلا
 فکرِ اچھی پرستائش ناتمام ۳۱ عجزِ اعجازِ ستائش مگر کھلا
 جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل ۳۲ تم پہ اسے خاقانِ نام آور کھلا
 تم کرو صا جبقرانی جب تلک
 ۳۳ ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

- ۱۔ صبح کے وقت مشرق کا دروازہ کھلا۔ ہر عالم تاب منظر نظر آنے لگا +
 (خاور۔ مغرب و مشرق و آفتاب تینوں معنوں میں مستعمل ہے)
- ۲۔ رات کے وقت جو موتیوں کا خزانہ کھلا ہوا تھا۔ وہ صبح ہی خسرو انجم یعنی آفتاب نے
 خارج کر ڈالا۔ مطلب یہ کہ سورج نکلنے ہی ستارے غائب ہو گئے +
- ۳۔ مردِ اختر کے وجود کا صبح کو راز کھل گیا۔ صبح ہوتے ہی غائب ہو گئے گویا ان کی ہستی سیمیا
 کی سی ہستی تھی + سیمیا اُس طلسم کا نام ہے جس سے اپنی روح دوسرے جسم میں لے جا
 سکیں اور اشیائے مہیوم کا وجود لوگوں کو دکھلا سکیں +
- ۴۔ ستارے حقیقت میں کچھ اور ہیں اور نظر کچھ اور آتے ہیں۔ یہ بازیگردوں کی طرح کھلا
 دھوکہ دیتے ہیں +
- ۵۔ گردوں پر رات کے وقت بکھرے ہوئے ستارے مونیوں کے زیورات معلوم ہوتے
 تھے جو کھلے ہوئے پڑے تھے +

- ۶۔ صبح کو مشرق کی طرف اک آتشیں رخ معشوق سر برہنہ نظر آیا +
- ۷۔ وہ محض نظر بندی تھی کہ ایک معشوق نظر آتا تھا۔ جب جادو کا آثار کیا۔ یعنی جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ توبادہ گل رنگ کا سا غرتھا (سبحان اللہ کیا زبان روزمرہ اور محاورہ بندی ہے۔ مرزا کا کلام بھی سحر ہے۔ بلاغت میں خاقانی معلوم ہوتے ہیں اور فصاحت میں نائی نظر آتے ہیں)
- ۸۔ اور ساتی نے صبح کی شراب پینے کے لئے ایک جام زر کھلا ہوا رکھ دیا ہے +
- ۹۔ (یہ شعر گریز ہے) صبح کو بزم سلطانی آراستہ ہوئی اور امن و امان کے کعبہ کا در کھل گیا +
- ۱۰۔ جہناباں سے زیادہ تاج زرین خسرو آفاق یعنی بہادر شاہ بادشاہ کے منہ پر کھلا۔
- ۱۱۔ میرا بادشاہ بہادر شاہ روشن دل ہے اور اس پر راز ہستی پور سے طور پر کھلا ہوا ہے +
- ۱۲۔ وہ ایسا ہے کہ جس کی پیدائش میں نو آسمانوں اور سات سیاروں کی پیدائش کا مقصد ظاہر ہوا یعنی اُس نے اُن کی پیدائش کا مقصد واضح کر دیا +
- ۱۳۔ اس کے ناخن تاویل سے احکام پیغمبر کی گرہ کھل گئی یعنی اُسی نے احکام پیغمبر کو فصاحت کے ساتھ بیان فرمایا +
- ۱۴۔ اُس کے سرنگوں کی فہرست میں دارا کا نام سب سے اوپر لکھا ہوا ہے مطلب یہ کہ دارا اُس کی فوج کا سردار تھا (سرنگ بمعنی سردار اور سپاہی دونوں طور پر مستعمل ہے)
- ۱۵۔ قیصر اُس کے رُوشناسوں میں سے ایک ہے۔ (قیصر۔ روم کا بادشاہ + روم کے لوگ خوبصورت ہوتے ہیں اس لئے قیصر کو رُوشناسوں میں رکھا گیا۔ اور دارا فوج بہت زیادہ رکھتا تھا اس لئے اس کو سردار قرار دیا +
- ۱۶۔ ۱۷۔ (ق) بادشاہ کے نوں میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ رشکِ مصر صر قہان سے

کھلا تو اُس کے پاؤں کے نقشوں سے ایسی دلفریب صورتیں بن گئیں گویا بتی نہ آذر کھل گیا
(تو سن اُس بچھیرے کو کہتے ہیں جس پر سواری نہ ڈالی گئی ہو) *

۱۸۔ بادشاہ کی تربیت کے فیض سے مجھ پر ہر دماہ و محور کی حقیقت کھل گئی۔ محور۔ علم
ریاضی میں وہ وہی خط ہے جس کا ایک سر قطب شمالی سے اور دوسرا سر قطب جنوبی سے
پیوستہ ہے۔ (مرزا صاحب کی کسب نفسی یا خوشامد ملاحظہ ہو۔ بادشاہ کے استاد ہیں اور
شاگردی کا دعویٰ کرتے ہیں) *

۱۹۔ میرے لاکھوں عقدے جن میں سے ہر ایک میری قابلیت سے باہر تھا آسانی سے
کھل گئے *

۲۰۔ میرادل وابستہ یعنی میری غبی طبیعت اُس قفل کی مانند تھی جس کی کنجی بنائی ہی نہ گئی ہو نہیں
نہیں سمجھتا کہ میرا قفل دل کس نے کھولا کب کھولا اور کیونکر کھولا۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کے فیوض
کے طفیل سے میری طبیعت کھلی

۲۱۔ اگر شاہ سخن گستر نے مجھ پر نظر ہر فرمائی تو میں اپنے گلشن معانی کی بہار دکھلاؤں گا *
۲۲ (میرزا صاحب پھر غزل کہنا چاہتے ہیں) جہاں نفس سرگرم غزل خوانی ہو لوگ سمجھتے ہیں کہ
عنبر کا طبلہ (ڈبہ) کھل گیا۔ مطلب یہ میری غزل سے ہوا خوشبودار ہو جاتی ہے (غزل اور
طبلہ میں لفظی رعایت بھی ہے)

غزل

۲۳۔ افسوس کہ میں قفس میں اس طرح پڑکھوے ہوئے بیٹھا ہوں کاش قفس کا دروازہ کھلا پڑا
ہوتا تو میں اڑ جاتا *

۲۴۔ ہمارے آواز دینے پر یار کا دروازہ کھلے تو جب ہمارے جانے کا لطف ہے اور اس
طرح ہم جانا نہیں چاہتے کہ یار کا دروازہ کھلا ہو اور چلے جائیں۔ مطلب یہ کہ ہمارے جانے
کا لطف جب ہی ہے کہ یار ہمارا پابند ہو اور سوائے ہمارے اور کسی کو اُس کے گھر میں داخل

ہونے کی اجازت نہ ہو۔ جب ہم جائیں تب ہی اُس کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ اس طرح جانا ہمارے لئے باعثِ توہین ہے کہ یار اپنے مکان میں اغیار کے پہلو میں بیٹھا ہوا ہو۔ ہر کس ناکس کو اندر جانے کی اجازت ہو اور وہاں ہم بھی جا کر ایک کونہ میں بیٹھ جائیں +

۲۵۔ افسوس کہ دوست کا راز دشمن پر کھل چکا ہے اور ہم ابھی تک اسی گھنڈ میں ہیں کہ ہم ہی اُس کے راز دار ہیں +

۲۶۔ واقعی دل پر داغ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن زخمِ داغ سے بھی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ زخم کھلنے سے مراد زخم کا بڑھنا بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن کھلنا بہتر معلوم ہونے کے معنی میں یہاں زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے +

۲۷۔ مطلب یہ کہ میری شوخی قسمت سے صفِ مقتولین میں جب تیرے قتل کا نمبر آیا تو یار کے ابرو نے کمان رکھ دی اور غزہ نے کمر سے خنجر کھول دیا۔ یعنی یار نے مجھے قتل کرنے سے احتراز کیا +

۲۸۔ مُنت کارِ ہر کس کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ربروی میں روبرو کا بھید کھل گیا مطلب یہ کہ وہ بھی ہماری طرح سے اوقف نکلا۔ لیکن چونکہ مُنت کا ہے اس لئے روبرو بھی ساتھی ہی رہی +

۲۹۔ بارانِ تنگ دل کی آگ بجھا نہیں سکتا۔ آگ سے کھلا جاتی ہے کیونکہ اگر بارانِ اشک تھوڑی دیر کے لئے بجی ختم جاتا ہے تو آتشِ دل پھر بھڑک اٹھتی ہے +

۳۰۔ اُن کا خط کیا آیا گویا میرا پیغام مرگ آ گیا۔ مطلب یہ کہ مجھے شادی مرگ ہو گیا اور خط میرے سینے پر کھلا پڑا رہا +

۳۱۔ خبردار غالب سے نہ الجھنا اگرچہ ظاہر طور پر وہ رند اور کافر ہے۔ مگر باطناً وہ ولی ہے۔ اگر بددعا کر دی تو سستی ناس ہو جائے گا۔ دوسرا مصرعہ دوسرے معنی بھی دے سکتا ہے کہ اگرچہ وہ باطناً ولی ہے مگر بد معاش کے ساتھ کھلا بد معاش بھی ہے۔ وہ

ہاتھ پائی سے بھی گریز نہ کرے گا +

۳۳۳۔ پھر مدح بادشاہ کا خیال جو شزن ہوا اور پھر میں نے چاند سورج جیسے مدحیہ اشعار لکھتے شروع کئے (مطلب یہ کہ پھر قصیدہ کی طرف رجوع کرتا ہوں) +

۳۳۴۔ خامہ نے طبیعت سے مدد پائی۔ یعنی بادبان کے اٹھتے ہی لنگر کھلا۔ خامہ کو بادبان سے اور طبیعت کو لنگر سے تشبیہ دی گئی ہے +

۳۳۵۔ یہاں مدح سے مدد و مدح کی شان ظاہر ہوئی۔ یعنی بیان سے جو ہر کا رتبہ معلوم ہوا +

۳۳۶۔ جب بادشاہ کے لشکر کا جھنڈا کھلا تو خوفزدہ آسمان ہو کر کانپنے لگا اور آسمان کو چکر آنے لگے (آسمان کے ساتھ چکر کھانا اور پھر کے ساتھ اس کا پینا فطرتی چیزیں ہیں) +

۳۳۷۔ جب خطیب نے بادشاہ کا نام منبر پر لیا تب منبر کے پایہ کی بزرگی ظاہر ہوئی +

۳۳۸۔ آبروئے زر کا سبب اب معلوم ہوا جبکہ اس پر بادشاہ کی تصویر کندہ ہوئی + (عیار۔ کسوٹی۔ تولنے کا لاشا۔ ثبوت۔ علامت) +

۳۳۹۔ شاہ کے سامنے آئینہ رکھا ہوا ہے۔ یعنی شاہ آئینہ دیکھ رہے ہیں۔ سکندر کی کوشش کا نتیجہ اب معلوم ہوا یعنی اس نے کوشش کر کے آئینہ اسی لئے ایجاد کیا تھا کہ شاہ بہادر کی آئینہ داری کا فخر حاصل کرے +

۳۴۰۔ دنیا کے حقیقی مالک کو یعنی بہادر شاہ بادشاہ کو اہل دنیا نے اب دیکھا اور اب نہیں معلوم ہوا کہ طغرل اور سبخر در حقیقت بادشاہ نہیں تھے بلکہ دھوکہ دے رہے تھے (طغرل اور سبخر خاندان سلجوق سے ایران کے زبردست بادشاہ گزرے ہیں) +

۳۴۱۔ میں بادشاہ کی مدح کا حقہ نہیں کر سکتا۔ صرف یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ بادشاہ کی تعریف کا دفتر کھلا۔ یعنی میں نے بادشاہ کی تعریف لکھی +

۳۴۲۔ مدح کی فکر تو اچھی ہے لیکن مدح جیسی کہ چاہئے تھی نہ کر سکا۔ اس لئے مدح کا اعجاز (خوبی فکر سے) اور عجز (ستائش ناتمام سے) واضح ہو گیا +

۴۶۔ اے خاقان نام آوریں یہ جانتا ہوں کہ تحریر لوح ازل تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اسلئے مجھے اپنی آرزو عرض کرنے کی ضرورت نہیں +

۴۷۔ (یہ شعر دعائیہ ہے) خدا کرے تم اُس وقت تک بادشاہی کو جب تک طلسم روز و شب کھلا ہوا ہے۔ یعنی جب تک دنیا میں رات دن آتے جاتے رہتے ہیں + (صاحبقران - وہ شخص جو رطل اور مشتری کے ایک ہی برج میں ہونے کے وقت پیدا ہو۔ ایسا شخص ضرور بادشاہ ہوتا ہے اور اُس کی بادشاہی دیر تک رہتی ہے) +

وصفِ اسبہ

ہاں دل دردمند ز مزمہ ساز ۱ کیوں نہ کھولے درِ خزینہ راز
خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا ۲ شاخ گل کا ہے گلِ فشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھئے ۳ نکتہ ہائے خرد فزا لکھئے
بائے آمول کا کچھ بیاں ہو جائے ۴ خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
آم کا کون مرد میدان ہے ۵ ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے
تاک کے جی میں کیوں ہے ارماں ۶ آئے یہ گوے اور یہ میدان
آم کے لگے پیش جاوے خاک ۷ پھوڑتا ہے جلے پھپھوے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور ۸ باڈہ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے ۹ شرم سے پانی پانی ہوتا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے ۱۰ آم کے آگے نیشکر کیا ہے
نہ گل اس میں شاخ و برگ نہ بار ۱۱ جب خزاں آئے تب ہوا سکی بہار
اور دوڑا نیے قیاس کہاں ۱۲ جان شیریں میں یہ میٹھاس کہاں
جال میں ہوتی اگر یہ شیرینی ۱۳ کوہ کن باوجود غمگینی

جان دینے میں اس کو یکتا جان ۱۴ پروہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ نثر ۱۵ کہ دواخانہ ازل میں مگر
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام ۱۶ شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام
 پایہ ہوگا کہ فرط رافت سے ۱۷ باغبانوں نے باغ جنت سے
 انجیں کے بہ حکم رب الناس ۱۸ بھر کے بھیجے ہیں سر بھر گلاس
 یا لگا کر حضور نے شاخ نہات ۱۹ تدنوں تک دیا ہے آب حیات
 تب ہوا ہے شرف شاں یہ نخل ۲۰ ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس ۲۱ رنگ کا زرد پر کہاں بو ہاس
 آم کو دیکھتا اگر یک بار ۲۲ پھینک دیتا طلائے دست افشل
 رونق کار گاہ برگ و نوا ۲۳ تازہ نشیں دودمان آب و ہوا
 رہرو راہِ خلد کا توشہ ۲۴ طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
 صاحب شاخ و برگ بار ہے آم ۲۵ ناز پروردہ بہار ہے آم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو ۲۶ نو بر نخل باغ سلطان ہو
 وہ کہ ہے واسلے ولایت عہد ۲۷ عدل سے اُس کے ہے حمایت عہد
 فخر دیں عز و شال جاہ و جلال ۲۸ زینت طینت و جمال کمال
 کار فرمائے دین و دولت و نجات ۲۹ چہرہ آرائے تاج و مسند و تخت
 سیایہ اُس کا ہما کا سایہ ہے ۳۰ خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
 اسے مفیض و جو سایہ و نور ۳۱ جب تک ہے نمود سایہ و نور
 اس خداوند بندہ پرور کو ۳۲ وارث گنج و تخت و افسر کو
 شاد دل شاد و شاد ماں رکھو
 اور غالب پہ مہرباں رکھو

۱۔ اسے دل درد مند و زمرہ ساز تو خربہ راز کیوں نہ کھوے۔ یعنی تجھے راز کی باتیں بیان کرنی چاہئیں +

۲۔ قلم کا غنچہ پر چلنا ایسا ہی ہے جیسا کہ شاخ گل کا پھول برسانا +

۳۔ اسے دل تو مجھ سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا لاکھوں عقل کی بڑھانے والی باتیں لکھ +

۴۔ اچھا آمول ہی کی کچھ تعریف لکھ تاکہ قلم نخل رطب فشاں کی مانند ہو جائے +

۵۔ آم کے مقابلے پر کون میدان میں آسکتا ہے۔ وہ نوشاخ کا بتلا اور ٹمر کی گیند لئے مقابلہ کو تیار ہے +

۶۔ انگور کی بیل اپنے دل میں ارمان نہ رکھے۔ آئے اور میدان میں مقابلہ کرے + یہ میدان ہے اور یہ گیند۔ دیکھیں کون بازی جیتتا ہے +

۷۔ انگور آم کے سامنے کیا جیت سکتا ہے۔ اپنے جلے پھپھو لے پھوڑ رہا ہے۔ انگور اور پھپھو لے کی مشابہت ملد خطہ ہو +

۸۔ شعر صاف ہے +

۹۔ اُس کا شراب بنا شرم سے پانی پانی ہوتا ہے یعنی وہ ناچار اپنی جان کھو دیتا ہے +

۱۰۔ نہیں آم کی صفات معلوم نہیں مجھ سے پوچھو اس کے سامنے نیشکر بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا +

۱۱۔ نیشکر میں نہ پھول نہ پتے نہ پھل۔ اور موسم خزاں میں اس کی بہار ہوتی ہے +

۱۲۔ اور کوئی چیز قیاس میں نہیں آتی۔ اگر جان شیریں سے آم کا مقابلہ کریں تو وہ بھی اس

کے برعکس نہیں۔ اس میں آم جیسی مٹھاس کہاں

۱۳۔ ۱۴۔ (ق)۔ کیونکہ اگر جان میں یہ مٹھاس ہوتی تو کوئین جو جان دینے میں یکتا تھا باوجود

غزہ ہونے کے اتنی آسانی سے جان نہ دے سکتا تھا +

۱۵۔ ۱۶۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آم کا رس وداخانہ ازل میں آتش گل پر قند کا لکایا

- پکایا ہوا قوام ہے۔ اور شیرے کے تار کا نام آم کا ریشہ ہو گیا ہے +
- ۱۶-۱۸۔ یا یہ ہو گا کہ باغبانوں نے جوش الفت کے سبب خدا کے حکم کے بموجب جنت کے باغ سے شہد کے سر پر گلاس بھیج دئے ہیں +
- ۱۹-۲۰۔ یا حضرت خضر نے شاخ نبات لگا کر اس میں مدتوں تک آب حیات سے آبیاری کی ہوگی۔ تب یہ درخت ثمر فشاں ہوا۔ ورنہ ہم کہاں اور پھل کہاں +
- ۲۱-۲۲۔ (ق) خسرو کے پاس ایک ترخ زر تھا۔ اگرچہ وہ زر درنگ تھا مگر اُس میں آم جیسی خوشبو کہاں تھی۔ اگر خسرو ایک مرتبہ بھی آم کو دیکھ لیتا تو اس ہاتھ کو تکلیف دینے والے سونے کو پھینک دیتا + دشت افشار۔ اسم اور امر کی ترکیب سے اسم فاعل ہے۔ ہاتھ کو سونچو شے والا یعنی ہاتھ کو تکلیف دینے والا (افشردن۔ پتھر ٹٹانا) +
- ۲۳۔ آب و ہوا کے خاندان کا فخر اور برگ و نوا کی کارگاہ کی رونق ہے (نوا بمعنی سامان و آواں) برگ و نوا۔ ساز و سامان +
- ۲۴۔ آم رہبر و راہ خلد کا توشہ ہے۔ اور طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ (طوبی و سدرہ۔ جنت کے دو درخت ہیں) +
- ۲۵۔ شعر صاف ہے +
- ۲۶۔ بارغ سلطان۔ ابو ظفر بہادر شاہ شاہ دہلی کا باغ +
- ۲۷۔ وہ بادشاہ جو کہ والی ولایت عہد ہے اور جس کے محل سے زمانے کی حمایت ہو رہی ہے والی ولایت عہد۔ ولایت عہد حاضرہ کا والی + ولایت سے مطلب ولی ہونا بھی ہو سکتا ہے +
- ۲۸۔ بادشاہ ممدوح دین کے واسطے فخر اور جاہ و جلال کی شان کو حرقی دیتے والا۔ طینت کے لئے زمین اور کمال کا جمال ہے +
- ۲۹۔ شعر صاف ہے +
- ۳۰۔ اُس کا سایہ ہمارے سایہ جیسا مبارک ہے۔ اور وہ مخلوق کے لئے خدا کا سایہ ہے

(بادشاہ کو قتل خدا کہتے ہیں)

۳۱-۳۲-۳۳- اے فیض و جود سایہ و نور یعنی اے سایہ و نور کے وجود کو فیض پہنچانے والے جب تک سایہ و نور ظاہر ہوتے ہیں اس خداوند بندہ پرور یعنی بادشاہ کو جو کہ تخت و تاج و خزانہ کا وارث ہے شاد و خرم رکھیو اور غالب کے اوپر ہر بان رکھیو +

قطعات

۱۔ اے جہاندار کرم شیوہ و بے شبہ عدیل
۲۔ فرق تیرے کسے کسب سعادت اکیل
۳۔ تیری رفتار قلم جنبش بال جب عدیل
۴۔ تجھ سے دنیا میں پچھانائے بدل خلیل
۵۔ بکرم داغ نہ ناصیہ قلم و نیل
۶۔ تاتے عہد میں ہو رنج و الم کی تعلیل
۷۔ زمرہ نے ترک کیا حوت سے گرنے کو
۸۔ تیری بخشش مرے انجام مقاصد کی کفیل
۹۔ تیرا انداز تغافل مرے مرنے کی دلیل
۱۰۔ چرخ کج باز نے تاکا کہ کرے مجھ کو دلیل
۱۱۔ پہلے ٹھونکے ہے بن ناخن تدبیر میں کیل
۱۲۔ کشش دم نہیں ہے ضابطہ جرّٰی بغیل
۱۳۔ غم گیتی سے میرا سینہ عمر و کی زبیل
۱۴۔ کلک میری رقم آموز عہد ایت قلیل
۱۵۔ میرے اجمال سے کتنی ہے تراوش تفصیل
۱۔ اے شہنشاہ فلک منظر بے مثل و نظیر
۲۔ پاؤں سے تیرے لئے فرق اوت اور رنگ
۳۔ تیرا انداز سخن شانہ زلف الہام
۴۔ تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہ قرب کلیم
۵۔ یہ سخن اوج وہ مرتبہ معنی و لفظ
۶۔ تاتے وقت میں ہو عیش و طرب کی توقیر
۷۔ ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
۸۔ تیری دانش مری اصلاح مفسد کی پرین
۹۔ تیرا قبالی ترجم مرے بچنے کی نوید
۱۰۔ سخت ناساز نے چاہا کہ نہ سے مجھ کو امان
۱۱۔ پیچھے والے ہے سرشت اوقات میں گناٹھ
۱۲۔ تپش دل نہیں ہے رابطہ خوف عظیم
۱۳۔ درمغنی سے مرا صنف لقا کی ڈاڑھی
۱۴۔ فکر میری گہرا انداز اشارت کثیر
۱۵۔ میرے بہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح

نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف ۱۶ جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل

قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں یہ دیر

۱۷ کعبہ امن و امان عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

۱ - اسے شہنشاہ فلک نظر اور بے مثل وہے نظیر۔ اسے جہاندار کرم شیوہ اور بے شبہ عدیل برادر

فلک نظر۔ آسمان جیسا مرتبہ والا + کرم شیوہ۔ کرم کا شیوہ رکھنے والا +

۲ - اور رنگ۔ تخت + اکیلے۔ تاج (شعر صاف ہے) +

۳ - تیرا انداز سخن الہام کی زلفوں کا شانہ یعنی الہامی باتوں کا سلجھانے والا ہے۔ اور تیری رفتار

قلم جبریل کے بازو کی جنبش جیسی تیز ہے +

۴ - تجھ سے دنیا پر کلیم اللہ یعنی حضرت موسیٰ کا خدا سے رابطہ قرب ظاہر ہو گیا اور تیری وجہ

سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بخشش کا دسترخوان بچھا۔ مطاب یہ کہ تجھ کو خدا کی مدد گاہ میں

حضرت موسیٰ جیسا قرب حاصل ہے اور تیرا دسترخوان حضرت ابراہیم کے دسترخوان جیسا وسیع

ہے۔ (معاذ اللہ) +

۵ - کلام میں معنی و لفظ کے مرتبے کو اوج دینے والا۔ اور کرم میں دیا سے قلم و قلم کی

پیشانی پر داغ لگانے والا یعنی ان دریاؤں کو شرمندہ کرنے والا ہے +

۶ - ۷ - ماہ نے برج ثور سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ میرے وقت میں پیش و طرب

قائم رہے اور ذہرہ نے برج حوت سے باہر جانا چھوڑ دیا ہے تاکہ تیرے عہد میں رنج و الم میں

کی واقع ہو جائے۔ ماہ ذہرہ کا برج ثور میں اور برج حوت میں رہنا مبارک ہے +

۸ - تیری دانش میرے نقائص کی اصلاح کرنے والی اور تیری بخشش میرے مقصودوں

کو پورا کرنے کی کفیل + اسحاق۔ مقصد پورا کرنا +

۹ - یہاں اقبال بمعنی قبولیت ہے + باقی شعر صاف ہے +

۱۰ - شعر صاف ہے +

- ۱۱۔ پہلے میرے ناخن تدبیر کو بیکار بنادیا گیا ہے اور پھر سررشتہ اوقات میں گرہ لگا دی گئی ہے
- ۱۲۔ تپش دل میرے لئے موجب خوف ہے اور سانس لینا بھی میرے لئے بھاری بوجھ کیونچے سے کم نہیں +
- ۱۳۔ میرا صفحہ کاغذ دُرہائے معافی سے قفا کی ڈاڑھی معلوم ہوتا ہے اور میرا سینہ غم گیتی سے عمر عیار کی زنبیل بن گیا ہے + مشہور ہے کہ قفا کی ڈاڑھی کے ہر ایک بال میں موتی پرے ہوئے تھے اور کہتے ہیں کہ عمر عیار کی زنبیل میں دنیا کی بہت سی چیزیں سما جاتی تھیں اور غائب ہو جاتی تھیں
- ۱۴۔ اگرچہ میری قلم بہت تھوڑی عبارت لکھتی ہے۔ لیکن میری فکر کثیر اشارت کے موتی اٹھی کرنے والی ہے۔ یعنی اس میں اشارت کثیر ہیں +
- ۱۵۔ میرے ابہام پر توضیح بھی تصدق ہوتی ہے۔ میرے اجمال سے تفصیل نکلتی ہے +
(ابہام۔ چٹیدہ ہواضہ توضیح کی) +
- ۱۶۔ اگر میری حالت اچھی ہوتی تو میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ اور اگر میری خاطر جمی ہوتی تو میں طلب کرنے میں تعجیل نہ کرتا +
- ۱۷۔ شعر کے معنی صاف ہیں +

چکنی ڈلی کی تعریف میں

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی ۱ زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے
خامہ اُٹشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ۲ ناطقہ سر بگرہ بل کہ اسے کیا کہئے
پہر مکتوب عزیران گرامی لکھیے ۳ حرز بازوئے شکر فانی خود آرا کہئے
مسی آلودہ سر اُٹشت حسیناں لکھیے ۴ داغ طرف جگر عاشق شیدا کہئے
خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھیے ۵ سر پستان پر یزاد سے مانا کہئے
اختر سوختہ قیس سے نسبت دیکھے ۶ خالی مشکیں رخ واکش لیلہ کہئے

حجر الاسود دیوار حرم کیجئے فرض ، نافہ آہوئے بیابانِ خلق کا کیئے
 وضع میں اس کو اگر سمجھئے قافِ تریاق ، رنگ میں سبزہ فوخیز مسیحا کیئے
 صومعہ میں اسے ٹھہرائیئے گر ہر نماز ، میکہ میں اسے خشتِ نجم صہبا کیئے
 کیوں اسے قفلِ در گنجِ محبت کیئے ، کیوں اسے نقطہ پر کارِ تنہا کیئے
 کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیئے ، کیوں اسے مردکِ دیدہ عنقا کیئے
 کیوں اسے نگہ پیرا ہن لیلہ کیئے ، کیوں اسے نقشِ پئے نافہ سلما کیئے
 بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجئے فرض

اور اس چکنی سپاری کو سویدا کیئے

- ۱۔ آپ کے کفِ دست پر جو یہ چکنی ڈلی ہے ، اسے جس قدر اچھا کہا جائے زیبا ہے ۔
- ۲۔ خامہ جیران ہے کہ اسے کیا لکھوں اور قوتِ ناطقہ فکر مند ہے کہ اسے کیا کہا جائے ۔
- ۳۔ اسے عزیزانِ گرامی کے خط کی ہر لکھٹے یا معشوقانِ خود آرا کے بازو کا تعویذ کیئے ۔
- ۴۔ اسے حسینوں کی مٹی آلود انگلی کی پوری بھی لکھ سکتے ہیں اور گوشہ جگر عاشق شیدا کا داغ بھی کہہ سکتے ہیں ۔

۵۔ مانا۔ مشابہ ۔ شعراء ہے ۔

۶۔ شعراء ہے ۔

۷۔ شعراء ہے ۔

۸۔ وضع میں اس کو قافِ تریاق سمجھئے اور رنگ میں سبزہ فوخیز مسیحا کی مانند ہے ۔

۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ اشعار قابلِ تشریح نہیں ، سویدا سے مراد سویدائے دل ہے

سہرا

یہ مرزا صاحب وہ مشہور مہر ہے جس کے مقلح کے مضمون سے بادشاہ مرحوم اور استاد

ذوق مرحوم نے خیال فرمایا تھا کہ میرزا صاحب نے استاد ذوق پر چوٹ کی ہے اور جس کا جواب
بایمانے بادشاہ مرحوم استاد ذوق نے بھی لکھا تھا (صرف ان اشعار کی تشریح کی گئی ہے جو قابل
تشریح سمجھے گئے) +

خوش ہوائے بخت کہ ہے آج تیرے سر پہرا ۱ باندھ شہزادہ جواں بخت کے سر پہرہ
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے ۲ ہے تیرے حسین دل افروز کا زیور پہرا
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پرانے طرف کھ ۳ مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر پہرا
ناؤ بھر کر ہی پر وے گئے ہونگے موتی ۴ ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر پہرا
سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی ۵ تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر پہرا
رُخ پہ دُولھا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا ۶ ہے رگ ابر گہر بار سر پہرا
یہی ایک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے ۷ رہ گیا آن کے دامن کے برابر پہرا
جی میں اترا میں موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز ۸ چاہئے پھولوں کا بھی ایک مکھڑ پہرا
جبکہ اپنے میں سادیں نہ خوشی کے مے ۹ گوند سے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر پہرا
رُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک ۱۰ کیوں نہ دکھلائے فروغ مہ و اختر پہرا
تارِ ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار ۱۱ لائے گا تاب گراں باری گوہر پہرا

ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
دیکھیں اس بہرے سے کہہ سے کوئی بڑھکر پہرا

۱-۲-۳-۱۔ اے گوشہ کلاہ تیرے لئے نوشاہ کے سر پہ چڑھنا بھلا تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھے
ڈر ہے کہ سہرا تجھ سے مرتبے میں نہ بڑھ جائے +

۴-۵-۶۔ نوشاہ کے رُخ پر پسینے کے قطروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر اسر موتی بڑا
رہا ہے۔ گویا سہرا ابر گہر بار یعنی ابر نیساں کی طرح موتی برسائے والا ہے +

۷-۸-۹۔ غیخوں کا کھلنا گویا اُن کا خوشی سے اپنے جامے میں نہ سمانا ہے +

۱۰۔ اگر ہر غلطی، نر بھگنے واسے موتی اور بد روشن نر شاہ کی دیک اور گو ہر غلطی کی چٹک سے سہرا مہ و اختر کی روشنی دکھلا رہا ہے ۔

۱۱۔ موتی جو کہ تیار ریشم میں پروئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں در حقیقت تیار ریشم نہیں بلکہ رگب ابر بہار ہے کیونکہ سہرے کے ریشم کے تار اسنے موتیوں کا بار برداشت نہیں کر سکتا ۔

۱۲۔ اس مقطع کے دوسرے مصرعہ سے سمجھا گیا تھا کہ مرزا صاحب نے استاد ذوق پر چٹک کی ہے قطعہ معذرت ۔ یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا صاحب نے بطور معذرت تحریر فرما کر بادشاہ مرزا کے پاس بھیجا تھا مگر ان کی یہ بدگمانی دور ہو جائے کہ سہرے کے مقطع میں استاد ذوق پر چٹک لکھی ہے منظور ہے گزشتہ احوال واقعی ۱ اپنا بیان حسین طبیعت نہیں بکھے سوچتے سے ہے پیشہ آبا سید گری ۲ کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں بکھے آزادہ روبروں اور مرامسکت صانع گل ۳ سہرے کبھی کسی سے عداوت نہیں بکھے کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں ۴ مانا کہ جاہ منصب ثروت نہیں بکھے استاد شہرستہ ہو مجھے پر خاش کا خیال ۵ یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں بکھے جام جہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر ۶ سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں بکھے میں کون اور ریختہ ہال اس سے مدعا ۷ جز انبساط خاطر حضرت نہیں بکھے سہرا لکھا گیا زرہ اتشال ۸ امر ۹ دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں بکھے مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات ۹ مقصود اس سے قطع محبت نہیں بکھے روستے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیہ ۱۰ سودا نہیں ہوں نہیں وحشت نہیں بکھے قیمت بڑی سی طبیعت بڑی نہیں ۱۱ ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں بکھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں بکھے

۱۔ مجھے واقعی حالات گزشتہ کرنا منظور ہے میں اپنی طبیعت کی خوبی کا اظہار نہیں کرتا ۔

۲۔ اس شعر میں مرزا صاحب نے اپنے آبا و اجداد کے پیشہ سپاہ گری پر فخر فرمایا ہے *

۳۔ شعر صاف ہے +

۴۔ مجھے تو یہی شرف کافی ہے کہ میں بادشاہ کا غلام ہوں۔ اگرچہ میرے پاس جاہ و منصب و ثروت نہیں۔ (یہ شعرا ظہار حقیقت بھی کرتا ہے اور اظہار شکوہ بھی) +

۵۔ شعر صاف ہے + ۶۔ شعر صاف ہے +

۷۔ مرزا صاحب پہلے صرف فارسی شاعر تھے۔ فرماتے ہیں میرا اردو شاعری سے کیا واسطہ تھا۔ صرف حضور کا دل خوش کرنے کے لئے اردو میں چند اشعار لکھ لیتا ہوں +

۸۔ سہرا تعمیل حکم میں لکھا گیا۔ حضور کی اطاعت میرا فرض ہے +

۹۔ مقطع میں میں نے کسی پرچٹ نہیں کی۔ بلکہ یہ ایک شاعرانہ انداز ہے۔ اس سے میرا مقصد قطع محبت یا دشمنی نہیں +

۱۰۔ اگر میں نے کسی پرچٹ کی ہو تو میرا دوسیا ہو۔ کچھ میں دیوانہ تو نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں سے الجھتا پھروں +

۱۱۔ میری قسمت بیشک بُری ہے لیکن طبیعت بُری نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے کسی سے

شکایت یا کینہ نہیں + ۱۲۔ مقطع صاف ہے +

قصیدہ درج بہادر شاہ مرحوم دہلی

۱۔ اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش و جہاں دار ۱ ہے غیب سے ہر دم تجھے صد گو نہ بشارت جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ داپو ۲ تو داکر سے اس عقدہ کو سو بھی بہ اشارت ممکن ہے کرے خضر سکند سے ترا ذکر ۳ گر لب کو نہ ہے چشمہ جیواں سے طہارت آصف کو سیماں کی وزارت شرف تھا ۴ ہے فخر سیماں جو کرے تیری وزارت ہے نقشِ مریدی ترا فداں الہی ۵ ہے دارغ غلامی ترا تو قیاس امت

تو آب سے گرسلب کرے طاقتِ سلان + تو آگ سے گردِ فتح کرے تابِ شہادت
 ڈھونڈے نہ ملے موجِ دریا میں روانی ، باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت
 بے گرچہ مجھے نکتہ سرائی میں توغل + بے گرچہ مجھے سحر طرازی میں جہارت
 کیونکہ نہ کروں مدح کو میں ختمِ دعا پر + قاصر ہے ستائش سے تیری میری عبارت
 نورِ نہ ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوئے ہیں ۱۰ نظارگیِ صنعتِ حق اہل بصارت
 تجھ کو شرفِ ہر جہاں تابِ مبارک
 غالب کو ترے عتبہِ عالی کی زیارت

۱۔ اے جہاں کے فتح کرنے والے۔ جہاں بخشنے والے اور جہاں پر حکومت کرنے والے
 غیب سے تجھے ہر لمحہ سینکڑوں کی بشارتیں ہوتی رہتی ہیں +
 ۲۔ جو مشکل کو شمش سے بھی حل نہیں ہو سکتی تو اسے ایک اشارے سے حل کر سکتا ہے +
 ۳۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت خضر تیرا ذکر سکندر بادشاہ سے کرنے سے پہلے آبِ حیات
 سے اپنے لبِ پاک نہ کر لیں +

۴۔ شعر صاف ہے +

۵۔ تیری ارادت کا نقش گویا خدا کا فرمان ہے اور تیری غلامی کا داغِ امامت کی سند ہے مطلب
 یہ ہے کہ جس کے دل میں تیری عقیدت ہے اُسے گویا خدا کی طرف سے شمش کا فرمان مل گیا
 پہلے مصرعہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تیرا رب بتا خدا کے حکم کے بموجب ہے +

۶۔ ۱۔ (ق) اگر تو آب سے روانی کی طاقت سلب کرنا چاہے اور آتش سے آتش کی گرمی
 دفع کرنا چاہے تو موجِ دریا میں قوتِ روانی نام کو بھی باقی نہ رہے اور آتشِ سوزاں میں حرارت
 کا نشان نہ رہے (صنعتِ تقسیم دکھائی گئی ہے کیونکہ مناسبات کا ذکر یقین سے کیا گیا ہے) +
 ۸۔ ۱۔ (ق) اگرچہ مجھے شاعری اور جادو بیانی میں بہت جہارت ہے لیکن چونکہ میں بھی تیری
 مدح سرٹنی کرنے سے قاصر ہوں اس لئے مدح کو دعا پر ختم کرتا ہوں +

۱۰۔ آج روز نوروز ہے اور آج اہل نظر دیدار صنعت حق یعنی تیرے دیدار کے تماشائی ہیں۔

۱۱۔ تجھ کو ہر جہاں تاب کا شرف مبارک ہو اور غالب کو تیرے عتبہ عالی کی زیارت + (نوروز کے دن آفتاب برج حمل میں شرف حاصل کرتا ہے) +

گزارش مصنف بحضرت شاہ

یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا صاحب نے بادشاہ کے حضور میں اس درخواست سے گزارنا تھا کہ ان کی تنخواہ جو ششماہی لڑنے پر لکھی تھی چھ مہینے ملا کرتی تھی وہ ماہ بماء ملے۔ چنانچہ اس درخواست کے موافق تنخواہ ماہ بماء ملنے لگی تھی۔ (زیادگار غالب) +

۱۔ اے شہنشاہ آسمان اور نگ ۲۔ اے جہاں دار آفتاب آثار
تھا میں اک بیوا اے گوشہ نشین ۳۔ تھا میں اک دردمند سید فگار
تم نے مجھ کو جو آبر و بخشی ۴۔ ہوئی میری وہ گرمی بازار
کہ ہوا مجھ سا ذرّہ نا چیز ۵۔ روشناس ثوابت و سیار
گرچہ آزر دئے نگ بے ہنری ۶۔ ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
کہ گرا اپنے کو میں کہوں خاکی ۷۔ جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں ۸۔ بادشہ کا غلام کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح ۹۔ تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
بار سے نوکر بھی ہو گیا صد شکر ۱۰۔ نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے نوکس سے کہوں ۱۱۔ مدعا ئے ضروری الاظہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں ۱۲۔ ذوق آرائش سر و دستار
کچھ تو جاڑے ہیں چاہئے آخر ۱۳۔ تانہ دے باد زہریر آزار
کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش ۱۴۔ جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال ۱۷ کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 رات کو آگ اور دن کو دُھوپ ۱۵ بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار
 آگ تاپے کہاں تک انسان ۱۶ دُھوپ کھائے کہاں تک جاندار
 دُھوپ کی تابش آگ کی گرمی ۱۷ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ
 میری تنخواہ جو مقرر ہے ۱۸ اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنخار
 رسم ہے مُردہ کی چھ ماہی ایک ۱۹ خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات ۲۰ اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار
 بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض ۲۱ اور رہتی ہے سود کی تکرار
 میری تنخواہ میں تہائی کا ۲۲ ہو گیا ہے شریک سا ہونکار
 آج مجھ سا نہیں زمانہ میں ۲۳ شاعر نغز گوئے خوش گفتار
 رزم کی داستان گر سُنئے ۲۴ ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 بزم کا التزام گر کیجے ۲۵ ہے قلم میرا ابرِ گوہر بار
 ظلم ہے گرنہ دو سخن کی داد ۲۶ قہر ہے گر کرو نہ مجھ کو پیار
 آپ کا بندہ اور پھروں ننگا ۲۷ آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار
 میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ ۲۸ تانہ ہو مجھ کو زندگی دُشوار
 ختم کرتا ہوں اب دُعا پہ کلام ۲۹ شاعری سے نہیں مجھے سرکار

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن سچاس ہزار

۱۔ آسمان اور نگ۔ جس کا تخت آسمان جیسا بلند اور مرتبہ والا ہو۔

۲۔ صاف ہے۔ ۳۔ گرمی بازار۔ رونق بازار۔ قدر و منزلت کا سبب۔

۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ مطلب صاف ہے۔ ۹۔ نسبت۔ تعلق۔ ۱۰۔ مطلب صاف ہے۔

- ۱۱- بادِ زہریر - ٹھنڈی ہوا + ۱۲- ۱۳- ۱۴- ۱۵- مطلب صاف ہے +
 ۱۶- وَقِنَا رَجَا غَذَابَ النَّارِ - ہمارے خدا ہم کو آگ کی تکلیف سے بچا +
 ۱۷- ہنجار - طریقہ + ۱۸- مطلب صاف ہے + ۱۹- ہوں بقید حیات - اگرچہ زندہ
 ہوں + ۲۰- ۲۱- مطلب صاف ہے + ۲۲- نغزگو - خوش گفتار +
 ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ + مطلب صاف ہے + ۲۸- سروکار - مطلب
 ۲۹- مطلب صاف ہے +

ملح

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے ۱ تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
 گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے ۲ رونق بزم نہ دہر تری ذات سے ہے
 اد میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں ۳ غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے
 خستگی کا ہو بھلا جس کے ہدیے سے دست ۴ نسبت اک گونہ سے دل کو ترے پاس سے ہے
 ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عنایاں ۵ یہ دُعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
 تو سکندر ہے مرا فخر ہے ملنا تیرا ۶ گو شرفِ خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
 اُس پہ گزرتے نہ گماں ریاکاریاں بہار
 غالب خاک نشیں اہلِ خرابات سے ہے

- ۱- اے نصرت الملک مجھے بتلا کہ مجھے جو شجہ سے اتنی عقیدت ہے کس وجہ سے ہے
 ظاہر طور پر مجھے کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ لازماً یہ تیری اعلیٰ روحانیت کی کشش ہے کہ مجھے
 تیری طرف کھینچتی ہے +
 ۲- اگرچہ تو ایسا ہے کہ اگر بزم منعقد کرے۔ تو بزم نہ دہر کی رونق بھی تیری رونق بزم
 پر رشک کرے +

۳۳۔ اور میں ایسا بدلعیب ہوں کہ غیر تو غیر اگر میں خود بھی اپنی حالت پر غور کرتا ہوں تو مجھے خود اپنی ذات سے نفرت ہے

۳۴۔ میری خستہ دلی کا بھلا ہو جس کے سبب سے اس وقت میرے دل کو تیرے ہاتھ سے اک قسم کا تعلق ہے۔ مطلب یہ کہ میں خستہ دل ہوں اور تیرا ہاتھ خستہ لوگوں کی مدد کرتا ہے۔
۵۔ شعراء ہے +

۳۵۔ اگرچہ مجھے حضرت خضر کی ملاقات سے بھی شرف حاصل ہوتا ہے لیکن تو میرا سکندر اور مجھے تیری ملاقات سے بہت فخر حاصل ہے +

۳۶۔ غالب خاک نشین رند لوگوں میں سے ہے۔ ہرگز اُس پر مکاری اور دغا بازی کا گمان نہ کرنا یعنی رند لوگ مکار نہیں ہوتے +

قطعہ

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو ۱ رکھیں چمن میں بھر کے نئے مشکبُو کی مانند
جو آئے جام بھر کے پئے اور بھوکے مست ۲ سبزہ کو روندنا پھسے پھولوں کو جائے پھاند
غالب یہ کیا بیال ہے بجز مدح بادشہ ۳ بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند
بنتے ہیں سونے روپے کے پھلے حضور میں ۴ ہے جن کے آگے سیم وزر ہر دو ماہ مانند
یوں سمجھئے کہ بیج سے خالی کئے ہوئے

۵ لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بیشمار چاند

۱۔ آج آخر ماہ صفر کا ہر ہے۔ ہم بھی چمن سے نئے مشکبُو کی مانند بھر کر رکھ دیں +

۲۔ شعراء ہے +

۳۔ غالب یہ کیا بیان کر رہے ہو۔ بجز مدح بادشاہ اب مجھے اور کوئی نوشت و خواند نہیں بھاتی +

۴۔ بادشاہ کے دربار میں سونے چاندی کے چھلے تقسیم ہو رہے ہیں جن کے آگے ہر وہ ماہ کا زور و سیم بھی ماند ہے +

۵۔ ہوں بکھے درمیانی حقے کے بغیر لاکھوں آفتاب اور بیشمار چاند ہیں +

قطعہ

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیر کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑی یہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ

قسم لو ہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

۱۔ وہ دن گئے جب تم لا علمی کی وجہ سے غیروں کی وفاداری کا ذکر کیا کرتے تھے اور ہم خاموش بیٹھے ہوئے سنتے رہتے تھے +

۲۔ اب غیروں سے آپ کی بگڑ گئی ہے تو شرمندہ کیوں ہوتے ہو۔ ہم سے مل جاؤ۔ ہم سے قسم لے لو ہم یہ بھی نہ کہیں گے کہ کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ غیر تم سے وفاء کریں گے +

قطعہ

نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے مبین کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر

جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

اس کی حقیقت نہ پوچھ۔ حضور والا نے یعنی بادشاہ نے جو مبین کی روغنی روٹی مجھے بھیجی

ہے یہ بڑی نعمت ہے۔ اگر حضرت آدم یہ بیسنی روٹی کھاتے تو وہ گیہوں کیوں کھاتے اور کیوں خلد سے نکالے جاتے۔ مطلب یہ کہ نہ وہ گیہوں کھاتے اور نہ خلد سے نکالے جانے کی ذلت اٹھاتے +

قطعہ

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستِ نگاہ ہو ۱ اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھول کے کھائے کو کچھ نہ ہو ۲ روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

اس قطعہ میں بھی بے انتہا شوخی برتی گئی ہے۔ فرماتے ہیں جس شخص کے پاس روزہ افطار کرنے کے لئے غذا میسر آ سکے اُس شخص کو ضرور روزہ رکھنا چاہئے۔ لیکن جس کے پاس روزہ کھولنے کے لئے کھانے کو کچھ میسر نہ آ سکے وہ بیچارہ اگر روزہ نہ کھائے (روزہ نہ رکھے) تو کیا کرے +

قطعہ

سیہ کلیم ہوں لازم سے میرا نام نہ لے جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو نہ غلبہ میدتر کسی پہ مجھے کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
شریک غالب اُس شخص کو کہتے ہیں جس کا حصہ دوسرے شریکوں سے غالب ہو۔
شریک غالب کے لفظ میں جو لطف ہے وہ ظاہر ہے (از یادگار غالب) +

قطعہ

سہل تھا مسہل دے یہ سخت مشکل آ پری مجھ پہ کیا گزیرگی اتنے روز حاضر بن ہوئے
تین دن سہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد تین سہل تین تہ میرے یہ سب کے دن ہوئے
ایک شعر میں سہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل جن میں حکیم چلنے پھرنے کو منع کرتے
ہیں کس عمدگی سے بیان کی ہے۔ یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے۔
(از یادگار غالب) +

خستہ انجمن طوئے میرزا جعفر کہ جس کو یکے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ
ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال ہیں غالب نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ
اسے غالب میرزا جعفر کی شادی کی خستہ انجمن جس کے دیکھنے سے سب کا جی محفوظ
ہوا ہے فرخندہ سال میں ہوئی ہے اس لئے مادہ سن عیسوی محفوظ ہوا +

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہو یا بزم طرب میں رقص ناہید
کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے تو بولا "الشراح جشن جمشید"

(قابل تشریح نہیں)

قطعہ

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں درباردار لوگ بہم آشنا نہیں
 کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہتے ہوئے سلام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں
 بادشاہ کے دربار کا یہ ادب تھا کہ آپس میں جو وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے
 تھے تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اُردو
 محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لئے میرزا نے اس
 کو اس پیرایہ میں بیان کیا ہے (از یادگار غالب) +

قطعہ

بسکہ فعال ماہرید ہے آج ۱ ہر سلسلہ شور انگشتاں کا
 گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے ۲ زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
 چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے ۳ گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
 شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک ۴ تشنہ خوں ہے ہر مسلمان کا
 کوئی داں سے نہ آسکے یاں تک ۵ آدمی وال نہ جاسکے یاں کا
 میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا ۶ وہی روناتن و دل و جاں کا
 گاہ جل کر کیا کئے شکوہ ۷ سوزشیں داغباٹے پنہاں کا
 گاہ رو کر کہا کئے باہم ۸ ماجرہ دیدہ ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب

کیا مٹے دل سے داغ بھراں کا

(نوٹ) مندرجہ بالا قطعہ حالات غم کے متعلق لکھا گیا ہے +

۱۔ آج انگلستان کا ہر ایک ہتھیار بند (سپاہی) جو چاہتا ہے کرتا ہے + فعال ماہرید

خدا کی تعریف میں ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فعل کے معنی تبرکاً دستہ بھی ہے جو سلحشور کے لئے دلچسپ رعایت ہے +

۲۔ زہرہ آب ہونا۔ پتہ پانی ہونا۔ نیایت خوفزدہ ہونا +

۳ تا ۹۔ قابل تشریح نہیں +

قصیدہ دربارہ تہذیب سالگرہ راجہ راؤ بہادر

- ۱ گنی ہیں سال کے رستہ میں ہیں بارگرہ
- ۲ ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ
- ۳ گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تا ہر روز شمار
- ۴ ہو آئندہ سے کی ہر اک سال پیشہ بارگرہ
- ۵ یقین جان برس گانٹھ کا جو ہے تاگا
- ۶ یہ کہکشاں ہے کہ ہیں اس میں شیارگرہ
- ۷ گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے
- ۸ کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ
- ۹ دکھا کے رشتہ کسی جوشی سے پوچھا تھا ق
- ۱۰ کہ دیکھ کتنی اٹھالائے گا یہ تارگرہ
- ۱۱ کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنی ہیں نو گرہیں
- ۱۲ خود آسمان ہے ہمارا راجہ پر صدقے
- ۱۳ وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جن کے
- ۱۴ انہی کی سالگرہ کے لئے ہے سال بسال
- ۱۵ انہی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے
- ۱۶ انہی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے
- ۱۷ انہی کی سالگرہ کے لئے ہے یہ توقیر
- ۱۸ سن اے ندیم برس گانٹھ کے یہ تاگے نے
- ۱۹ پئے دعائے بقائے جناب فیض مآب
- ۲۰ ہزار دانہ کی تسبیح چاہتا ہے یہی
- ۲۱ ہوا میں بوند کو ابرنگ بارگرہ
- ۲۲ کہ ہو گئے ہیں گہر پاسے شاہوارگرہ
- ۲۳ کہ بن گئے ہیں شرمائے شاخسارگرہ
- ۲۴ تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیارگرہ
- ۲۵ لگے گی اس میں ثوابت کی استوارگرہ
- ۲۶ بلا مبالغہ درکار ہے ہزارگرہ

عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذبہ اُس کو ۱۷ کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ زمیندار گرو
 کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں جب اس نے نہیں ۱۸ بچے نہ از پٹے بند نقاب یار گرو
 متاع عیش کا ہے قافلہ چلا آتا ۱۹ کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے بہتر قطار گرو
 خدا نے دی ہے وہ غالب کو دستگاہ سخن ۲۰ کروڑ ڈھونڈ کے لاتا یہ خاکسار گرو
 کہاں مجال سخن سانس لے نہیں سکتا ۲۱ پڑی ہے دل میں مرے غم کی پیچدا ر گرو
 گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھ بات ۲۲ زبان تک آ کے ہوئی اور استوار گرو
 کھلے یہ گانٹھ تو البتہ دم نکل جائے ۲۳ بُری طرح سے ہوئی ہے گلے کا ہار گرو
 ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک ۲۴ کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہار گرو
 دُعا ہے یہ کہ مخالف کے دل میں ترہ بغض ق پڑی ہے یہ جو بہت سخت ناگوار گرو
 دل اُس کو پھوڑ کے نکلے شکل پھوڑے کے
 ۲۵ خدا کرے کہ کرے اس طرح ابھار گرو

- ۱۔ ابھی بیویں سالگرہ ہے اور ابھی سو بزار گریں اور باقی میں یعنی ایک لاکھ سال کی عمر ہو گئی +
- ۲۔ تا بروز شمار۔ قیامت کے دن تک + ۳۔ کہکشاں میں بیشمار ستارے ہوتے ہیں +
- ۴۔ ۵۔ مطلب صاف ہے + ۶۔ آسمان پر صرف نو گریں ہیں اور سالگرہ کے باغے میں نو ہزار
- ۷۔ ۸۔ مطلب صاف ہے + ۹۔ غنچے ہر سال اُسی کی سالگرہ کے لئے گریں بنتے ہیں +
- ۱۰۔ ابرادے اپنی کی سالگرہ کے لئے بناتا ہے + ۱۱۔ موتی بھی اپنی کی سالگرہ کی شادمانی
- سے گرہ کی شکل اختیار کرتے ہیں + ۱۲۔ ۱۳۔ مطلب صاف ہے + ۱۴۔ ثوابت جمع ثوابت
- مراد ستارے + ۱۵۔ سالگرہ کے تاگے میں ثوابت کی گریں اسوجہ سے لگیں گی کہ ناگہ ہزار
- وانہ کی تسبیح پڑھ کر جناب فیض تاب کی بقا کے لئے دُعا مانگے + ۱۶۔ ناگہ دنیا میں کوئی گرہ ہوتی
- ہی نہیں چھوڑتا۔ مطلب یہ کہ اس میں لاکھوں گریں لگیں گی اور ہمدوح کی عمر لاکھوں سال کی ہوگی +
- ۱۷۔ رشتہ سالگرہ نے پند نقاب یار کے لئے بھی گرہ نہیں چھوڑی + ۱۸۔ تاگے کو جادہ سے

اور گرھوں کو اونٹوں کی قطار سے تشبیہ دے کر متابع عیش کا قافلہ ثابت کیا ہے +
 ۱۹۔ خدا نے غالب کو سخن سراپی میں اتنی دستگاہ عطا کی ہے کہ وہ ہزاروں قسم کی گریں اور
 تلاش کر سکتا ہے + ۲۰۔ غم کی گرہ محاورہ ہے۔ مطلب یہ کہ غالب افراط غم کی وجہ سے
 سانس تک نہیں لے سکتا + ۲۱۔ گرہ کا نام لیتے ہی زبان پر بھی گرہ پڑ گئی اور بات نہیں
 کر سکتا + ۲۲۔ گرہ کی وجہ سے دم بھی باہر نہیں نکل سکتا + ۲۳۔ جب تک حضور میری
 مدد نہ کریں گے میری مشکل کسی سے حل نہیں ہو سکتی + ۲۴۔ ۲۵۔ مخالف کے دل میں
 جو بغض کی وجہ سے بہت سخت گرہ پڑ گئی ہے خدا کرے وہ گرہ اس طرح ابھرے کہ مخالف
 کے دل میں پھوڑا بن جائے +

قصیدہ

مرحبا سال فرضی آئیں ۱ عید شوال ماہ فروری میں
 شب و روز افتخار لیل و نہار ۲ مہ و سال اشرف شہور و سنین
 گرچہ ہے بعد عید کے نوروز ۳ لیک بیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
 سو اس اکیس دن میں ہولی کے ۴ مجلسیں جا بجا ہوئیں رنگیں
 شہر گویا نمونہ گلزار ۵ باغ گویا نگار خانہ چہیں
 تین تہوار اور ایسے خوب ۶ جمع ہرگز ہوئے نہ ہوئے کبھی
 پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں ۷ منعقد محفل نشاط قریں
 محفل غسل صحت نواب ۸ رولق افزائے مسند و تمکین
 بزمکے میں امیر شاہ نشاں ۹ رزمکے میں حریت شیر ملیں
 پیشکار حضرات شوکت و شاہ ۱۰ خیر خواہ جناب دولت و دیں
 جن کی مسند کا آسمان گوشہ ۱۱ جن کے خاتم کا آفتاب نگین
 جن کی دیوار قصر کے نیچے ۱۲ آسمان ہے گدائے سایہ نشین

مدح گستر نہیں، دعا گو ہے ۲۷ غالب عاجز نیاز گزین
 ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں ۲۵ تم رہو زندہ جاوہاں، آہیں
 ۱-۲۔ کیا مبارک سال ہے کہ عید شوال بھی ماہ فروردیس میں آئی ہے۔ آجکل شب و روز
 یس و نہار کے افتخار میں اور مہ و سال ہینوں اور سالوں کے فخر ۳۳۔ مطلب صاف ہے +
 ۴۔ رنگین صفت ہے مجلسوں کی ۵۔ مطلب صاف ہے + ۶۔ تین تہوار عید۔
 نوروز۔ ہولی) + ۷ تا ۱۱۔ مطلب صاف ہے + ۱۲۔ آسمان جن کی دیوار قصر کے
 نیچے گڑے سایہ نشیں کی مانند ہے + ۱۳۔ مطلب صاف ہے + ۱۴۔ اس بزم کا فرش
 ستاروں والے آسمان کی طرح گوہر آگین ہے اور شرب کا نور چاند کی چاندنی جیسا ہے +
 ۱۵-۱۶۔ وہ یعنی آسمانی راجہ اندر کا اکھاڑہ نظر کاہ اہل وہم و خیال سے۔ اور یہ محفل تو
 اب چشم اہل نقیب کو روشنی بخشنے والی ہے + ۱۷۔ آسمان پر یہ عطا و بخشش کہاں کہاں دادگر
 ہی نہیں۔ یعنی آسمان تو بیدار گھر ہے + ۱۸۔ تین۔ قیمتی ۱۹۔ مطلب صاف ہے +
 ۲۰۔ اُس اکھاڑے میں یعنی اندر کے اکھاڑے کی باتیں خیالی ہیں اور یہاں دیکھنے والی
 آنکھ سے دیکھ لیں + ۲۱۔ سورج جیسی شوکت والا سردار جب نکل و نشان کے ساتھ سوار
 ہو + ۲۲۔ سب نے سمجھا کہ گھوڑا تو پری اور دامن زیں پری کا پر ہے + ۲۳-۲۴
 مطلب صاف ہے + ۲۵۔ فرزین۔ وزیر + ۲۶۔ پرویں۔ ثریا یا بھمک + ۲۷-۲۸
 بہرام شاہ بادشاہ گورخر کوران پر داغ دیکر چھوڑ دیتا تھا اور آپ کی غلامی کا داغ خاص ہر دم
 کے چوڑ پر لگا ہوا ہے ۲۹ تا ۳۳۔ میں آپ کی مدح نہیں کر سکتا۔ میں اپنے قلم سے
 اگر کچھ عرض کر دیتا ہوں تو وہ گویا قلم سے ارادت کے اظہار کا سجدہ ہے + ۳۴-۳۵
 مطلب صاف ہے +

قصیدہ

کرتاسے چرخ روز بصد گونہ احترام ۱ فرمانروائے کشور پنجاب کو سلام

۱۔ جم رتبہ مشکوٰۃ بہادر کہ وقت ذرم
 ۲۔ ترک فلک کے ہاتھ سے وہ چھیں لیں جام
 ۳۔ جس بزم میں کہ ہوا نہیں آہنگ میکشی
 ۴۔ وال آسمان شیشہ بنے آفتاب جام
 ۵۔ چاہا تھا میں نے تمکو مہ چار وہ کہوں
 ۶۔ دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیال خام
 ۷۔ دورات میں تمام ہے ہنگامہ رات کا
 ۸۔ حضرت کا عز و جاہ رہے گا علی الدوام
 ۹۔ سچ ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
 ۱۰۔ دریائے نور ہے فلک آہگینہ نام
 ۱۱۔ میری سنو! کہ آج تم اس سرزمین پر
 ۱۲۔ حق کے تفضلات سے ہو مرجع انام
 ۱۳۔ اخبار لدھیانہ میں میری نظر پڑی
 ۱۴۔ تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام
 ۱۵۔ ٹکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحریر کو جگر
 ۱۶۔ کاتب کی آیتیں ہے مگر تیغ کا نیام
 ۱۷۔ وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
 ۱۸۔ جب یاد آگئی ہے کلیجہ لیا ہے تمام
 ۱۹۔ سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک نام
 ۲۰۔ نمبر رہا نہ نذر نہ خلعت کا انتظام
 ۲۱۔ شریس کی عمر میں یہ داغ جاں گداز
 ۲۲۔ تھی جنوری ہینے کی تاریخ تیرہویں
 ۲۳۔ اس بزم برفروغ میں اس تیرہ بخت کو
 ۲۴۔ سمجھا اُسے گر آب ہوا پاش پاش دل
 ۲۵۔ عزت پہ اہل نام کی ہستی کی تھی بنا
 ۲۶۔ تھا ایک گو نہ ناز جو اپنے کمال پر
 ۲۷۔ آیا تھا وقتِ یل کے کھلنے کا بھی قریب
 ۲۸۔ اس کشمکش میں آپ کا مداح درد مند
 ۲۹۔ جو وہ نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو
 ۳۰۔ ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں
 ۳۱۔ دکتوریہ کا دہریہ جو مدح خواں ہو
 ۳۲۔ آقا کے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام
 ۳۳۔ دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام
 ۳۴۔ سلطان ترو بھر کے در کا ہوں میں غلام
 ۳۵۔ شاہان عرصہ چاہئے لیں عزت اُس سے وام

خود ہے تدارک اُس کا گورنمنٹ کو ضرور ۲۳ بے وجہ کیوں ذلیل ہو غالب ہے جس کا نام
امر جدید کا نہیں ہے سوال۔ ۲۴ بارے قدیم قاعدہ کا چاہئے قیام
ہے بندہ کو اعادہ عزت کی آرزو ۲۵ چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام
دستور فن شعر نہیں ہے قدیم سے ۲۶ یعنی دُعا کا مدح پہ کرنے ہیں اختتام

ہے یہ دُعا کہ زیرِ نگین آپ کے رہے

۲۷ اہم ہندو سندھ سے تا ملکِ روم و شام

۲۸ - آسمان کو شیشے سے اور آفتاب کو جام سے تشبیہ دی ہے ۲۹ - مطلب یہ کہ نہیر

لئے خلعت و نذرانہ کا انتظام تھا۔ اور نہ میرا نمبر نشست ہی موزوں تھا۔ یعنی مجھے نشیب میں

جگہ دی گئی + ۳۰ - فائز پہنچنے والا + فائز المرام - مقصد کو پہنچنے والا مقصد حاصل کرنا والا

۳۱ - اعادہ عزت - عزت کی واپسی - یعنی میری جو بے عزتی کی گئی ہے اس کی تلافی فرمائی

جائے + باقی اشعار کا مطلب صاف ہے +

غزل

لطف نظارہ قاتل دم بسمل آئے ۱ جان جائے تو بلا سے یہ کہیں ل آئے

ان کو کیا علم کہ کشتی پہ مری کیا گزری ۲ دوست جو ساتھ مرے تالابِ ساحل آئے

وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اسے شیخ ۳ ساتھ حجاج کے اکثر کئی منزل آئے

آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکار اٹھتے ہیں ۴ لو وہ برہم زین ہنگامہ معفل آئے

دیدہ خونبار ہے مدت سے وے آج ندیم ۵ دل کے نگرے بھی کئی خون کے شامل آئے

سامنا حور و پری نے نہ کیا ہے نہ کریں ۶ عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے

اب ہے دل کی طرف کوچ ہمارا غالب
آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے

۱۔ خواہ جان جاتی رہے بلا سے جاتی رہے لیکن بیزاد دل واپس آجائے تاکہ زخمی ہونے کے وقت قاتل کے دیدار کا لطف تو حاصل ہو۔ مطلب یہ کہ اگر محشوق سے دل واپس نہ آیا تو دل کے بغیر لطف نظارہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بلا کے لفظ نے شعر میں اور لطف پیدا کر دیا ہے کیونکہ دل کو زلف میں رہنا رمانستہ ہیں اور بلا سے زلف ہمارا دیتے ہیں۔ ۲۔ میرے دوست جو میرے ساتھ ساحل تک آئے ان کو کیا غم کہ میری کشتی پہ کیا گزری؟ ۳۔ اسے شیخ ہم ایسے نہیں کہ کعبہ کو چلے جائیں گرچہ عاجیوں کی رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ کئی منزل تک گئے۔ مطلب یہ کہ ہم سے لئے تو ہر ایک مقام کعبہ ہے۔ ۴۔ جس بزم میں رہا آتے ہیں لوگ پکاراٹھتے ہیں کہ وہ ہنگامہ محفل کو برہم کرنے کیوں آئے آئے۔ یعنی ان کے آتے ہی پہل محفل کے ہوش و حواس پر گزرا ہو جاتے ہیں۔ اور سب اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ ۵۔ اسے دوست اگرچہ میری نگین مدت سے آنسو بہا رہی ہیں لیکن آج میرے دل کے ٹکڑے بھی آنسوؤں میں شامل ہو کر آنکھوں کے راستے نکلے ہیں۔ ۶۔ مقابلہ حسن میں جو وہ دہری نے نہ تو کبھی آپکا مقابلہ کیا۔ بے نیاز کہہ سکتے ہیں۔ لیکن میرے عکس کو تو تیرے مقابلہ حسن پر کٹھننا چاہئے۔ مطلب یہ کہ محشوق سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آئینہ ہی دیکھتے تاکہ جب وہ اپنا عکس جمال دیکھنے میں مشغول ہو تو عاشق کو جمال یار سے لطف اندوز ہونے کا موقع حاصل ہو جائے۔ ۷۔ مقطع صاف ہے۔

جیتا ہوں جد جہر اٹھتی ہے سب کی ادھر اٹھت
 یک دست جہاں مجھ سے پھر ہے مگر انگشت
 درنگ۔ میں ایسا بدنام ہو چکا ہوں کہ جد بصرا تا ہوں لوگ مجھ پر انگلی اٹھاتے ہیں۔ تمام دنیا مجھ سے پھر گئی ہے صرف انگشت میری طرف ہے (یعنی مجھ پر اٹھتی ہے)۔ یک دست اور انگشت کی رعایت لفظی ملا حظہ ہو۔

کس قدر خاک ہوا ہے دل مجنوں یا رب نقش ہرزہ سویداے بیاباں نکلا
 دیکھا:۔ باب مجنوں کا دل کس قدر خاک ہوا ہے کہ ہرزہ بیاباں کا سویداے دل ہو گیا۔
 برہن شرم سے باوصف شوخی اہتمام اس کا نگاہیں میں چوں شرار سنگ ناپیدا ہے نام اس کا

مسی آلود ہے میرزا شناسمہ ظاہر ہے ۲ کہ داغ آرزوئی بوسہ دیتا ہے پیام اُس کا
 بامید نگاہ خاص ہوں محمل کش حسرت ۳ مبادا ہو عنان گیر تغافل لطف عام اُس کا
 ۱۔ اسے برہمن وہ معشوق باوجود شوق طبع ہونے کے شرم و حیا کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور درپردہ
 بہنے کی کوشش کرتا ہے نگیں کے حقیر میں یعنی میر میں بھی اس کا نام شرار سنگ کی طرح چھپا ہوا رہتا ہے
 برہمن سے اسنے خطاب ہے کہ وہ صورت پرست یعنی بت پرست ہے ۴۔ اُس کے خط کی جہر سے
 جو کہ مسی آلود ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا پیغام آرزوئے بوسہ کا داغ دیتا ہے ۵ (مسی کا رنگ داغ
 کے رنگ کی طرح سیاہ ہوتا ہے) ۶۔ میں نگاہ خاص کی امید میں حسرت کا محل کس ہوں یعنی
 حسرت کا بوجھ کھینچنے کا لطف اٹھا رہا ہوں کہ مبادا اُس کا لطف اٹھا عام عنان گیر تغافل ہو جائے
 یعنی وہ اپنے لطف عام کی وجہ سے مجھ سے تغافل نہ کرے۔ پہلے لکھا تھا عام میں مجھے بھی تسک ہے
 شب کو ذوق گفتگو سے تیسے دل بیتاب تھا ۱ شوخی و حشت سے افسانہ فصول خواب تھا
 واں ہجوم نغمہاں سے سازِ عشرت تھا اسد ۲ ناخن غم یاں سبتر نفس مضراب تھا
 ۱۔ رات کی تیرے سے گفتگو کرنے کے ذوق سے میزدل بیتاب تھا۔ اور نمون خوابہ شوخی
 و حشت سے افسانہ بنا ہوا تھا۔ یعنی میں رات کو نہ سو سکا ۳۔ اے اسد واں یعنی محفل یار
 میں سازِ عشرت کے نغموں کا ہجوم تھا اور یہاں میر ناخن غم تا نفس کا مضراب بنا ہوا تھا۔
 مطلب یہ کہ ہم مبتلائے غم تھے ۴

دود کو آج اُس کے ماتم میں سیاہ پوشی ہوئی ۱ وہ دل سوزاں کہ کل تک شمع ماتم خانہ تھا
 شکوہ یاراں عبا ر دل میں پنہاں کر دیا ۲ غالب ایسے گنج کو شایاں یہی ویرانہ تھا
 ۱۔ میرادہ دل سوزاں جو کل تک شمع ماتم خانہ یعنی شمع جسم بنا ہوا تھا۔ آج دھواں اُس کے ماتم
 میں سیاہ پوش ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب شمع جل کر ختم ہوتی ہے تو زیادہ مقدار میں دھواں چھوٹی
 ہے۔ دھوئیں کی سیاہی سے سیاہ پوشی ماتم قرار دی گئی ہے ۳۔ گنج ہمیشہ ویرانہ میں پایا جاتا
 ہے شکوہ یاراں کے گنج کیلئے ویرانہ عبا ر دل ہی مناسب جگہ تھی۔ عبا ر سے مراد غبار کلفت دل ہے

پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا
پھر وہ معشوق سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے گلستاں کے شیداؤں کا رنگ اڑتا ہے
یعنی انہیں یہ خوف پیدا ہو رہا ہے کہ گلستاں اس معشوق پر عاشق ہو جائیگا +

معزولی پیش ہوئی افراط انتظار چشم کشودہ حلقہ بیروں در ہے آج
افراط انتظار یار سے پیش دل کو تھوڑی دیر کے لئے معزولی ہو گئی۔ میری چشم کشودہ بیرون
در کا حلقہ زنجیر بن گئی۔ چونکہ انتظار یار میں یار کے آنے کی امید ہوتی ہے اس لئے پیش دل میں معزولی ہونی ممکن
میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
میر کے دیوان گلشن کشمیر سے تشبیہ دی گئی ہے +

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل بادۂ غالب عرق بید نہیں
اشجر بید میں پھل اور پھول نہیں ہوتا (فراتے ہیں میکشی کو بیفائدہ نہ سمجھ۔ مے عرق
بید نہیں عرق اٹلور ہے +

ہے نزاکت بسکہ فصل گل میں معمار چمن قالب گل میں ڈھلی ہے خشت دیوار چمن
موسم بہار میں نزاکت معماری چمن میں اس قدر مصروف ہے کہ خشت دیوار چمن بھی گل
کے سانچے میں ڈھل گئی ہے مطلب یہ ہے کہ موسم گل میں خشت ہائے دیوار چمن میں بھی
پھولوں جیسی نزاکت آگئی ہے +

ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں خارِ الم سے پشت بدنداں گزیدہ ہوں
میری شکل سے افسوس کی علامتیں ظاہر ہیں غم و الم کی سختیوں کی وجہ سے پشت بدنداں
گزیدہ ہوں یعنی افسوس کناں ہوں۔ دوسرے مصرعہ میں خارِ الم اور پشت کے الفاظ لطف سے
خالی نہیں کیونکہ خارِ پشت ایک جانور ہوتا ہے جس کے تمام جسم پر کانٹے ہوتے ہیں +

ہوں گرمی نشاط تصور سے نغمہ سنج میں عندلیب گلشن نا آفریدہ ہوں
میں اپنے تصور و تخیل کے جوش نشاط سے نغمہ سنج رہتا ہوں گویا میں ایک فرضی گلشن کا بیل

ہوں۔ گرمی نشاط تصور سے مراد جوش تخیل و جذبات اور عندلیب گشت نا آفریدہ سے مراد شاعر ہے +
 ہر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو۔ برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہم کو ہے
 بارانِ ابر سے مراد گریہ ابر ہے۔ برق کے چمکنے سے مراد برق کا ہنسنا لیا گیا ہے مطلب
 یہ ہے کہ ہنستی ناپائدار ہے۔ ابر محفل گل و سبز تیار کرتا ہے۔ لیکن برق اس امر کا اظہار کرتی ہے
 کہ محفل طرب گل و سبزہ سے پہلے ہماری ہنستی مٹ جائے گی +

ہندوستان سایہ گل پائے تخت تھا ۱ جاہ و جلالی عہد وصالِ بتاں نہ پوچھ
 ہر داغ تازہ یک دل داغ انتظار ہے ۲ عرض فضاے سینہ درد امتحاں نہ پوچھ
 کہتا تھا کل وہ محرم راز اپنے سے کہ آہ ۳ دردِ جدائی اسد اللہ خاں نہ پوچھ
 ۱۔ ہندوستان سایہ گل عہد وصالِ بتاں کا پایہ تخت تھا اس کا جاہ و جلال نہ پوچھ بہت زیادہ
 تھا۔ ہندوستان اور بتاں میں رعایت لفظی بھی ہے۔ ہندوستان سایہ گل کو زمانہ وصالِ بتاں کا پایہ
 تخت قرار دیا گیا ہے۔ سایہ گل کو ہندوستان قرار دیا گیا ہے + عہد سے یہاں وعدہ اور زمانہ دونو
 معنی مراد ہو سکتے ہیں + ۲۔ سینہ کا ہر ایک تازہ داغ دل داغ انتظار بن گیا ہے۔ فضاے سینہ
 درد امتحاں کا اظہار نہ پوچھ۔ مطلب یہ کہ میرا سینہ امتحاں درد کا اس قدر خواہشمند ہے کہ اُس کا
 ہر ایک داغ دل داغ انتظار بن گیا ہے + ۳۔ کل وہ محرم راز (معشوق مجھ سے کہتا تھا کہ آہ
 اسد اللہ خاں کی جدائی کا درد نہ پوچھ بیان نہیں ہو سکتا +

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ نہیں سکتا حنائے پنچہ صیاد مرغِ رشتہ برپا ہے
 صیاد کے پنچہ کی حنا کا رنگ کثرتِ خوں کے سبب اڑ نہیں سکتا وہ (رنگ) ایسے مرغ کی
 مانند ہے جس کا پاؤں دھماگے سے بندھا ہوا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ صیاد پرندوں کا خون کثرت
 سے کرتا ہے۔ اس لئے اُس کے پنچہ پر سے خون کا رنگ جو حنا کے رنگ کی مانند ہوتا ہے اڑ نہیں سکتا
 غالب نے بسکہ سو کہ گئے چشم میں سرشک آنسو کی بوند گہرِ نایاب ہو گئی
 اے غالب آنکھوں میں آنسو اس قدر خشک ہو گئے کہ آنسو کی بوند گہرِ نایاب ہو گئی گہر

نایاب نے اس شعر کے مضمون کو نہایت پر لطف بنا دیا ہے +
 بہا ہے پائنگ اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر کہ چشمِ تریں ہر اک پارہ دل پائے در گل ہے
 غبارِ کلفتِ خاطر اشکوں کے ذریعہ اس قدر بہا ہے کہ میری چشمِ تریں ہر اک پارہ دل
 گرفتار ہو گیا ہے۔ مطلب کہ آنکھوں کے راستہ غبار بہنے کی وجہ سے آنکھوں میں بھی غبار جمع
 ہو گیا ہے۔ اند آنسوؤں کے ساتھ جو دل کے ٹکڑے آتے وہ غبار کی وجہ سے آنکھوں میں رگ
 کر گرفتار ہو گئے ہیں + یادِ بعل - گرفتار ہونا +

کمال حسن اگر موقوف اندازِ تغافل ہے تکلفِ بر طرفِ تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
 اگر اندازِ تغافل ہی کمال حسن کا معیار ہے تو گستاخی معاف ہو تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
 کیونکہ اُس میں تجھ سے زیادہ تغافل ہے +

حیراں ہوں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برابر ہے
 میں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر حیراں ہوں کیونکہ اُس کے آتشِ رنگ ہونے سے مجھ پر کیا
 اثر پڑ سکتا ہے یہاں تو صحبتِ خس و آتش برابر ہے یعنی بر سے خس خانہ دل میں ہر وقت آتش
 عشق لگی رہتی ہے +

رباعیات

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال ایامِ جوانی رہے ساغرِ کشِ حال
 آپہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم اسے عمرِ گذشتہ یک قدم استقبال
 مطلب یہ ہے کہ عدم سے وجود میں آکر ہم بزمِ عیدِ اطفال میں آئے اُس کے بعد
 عیدِ جوانی میں ساغرِ کشِ عیش وستی رہے اب فیضی میں پھر سوادِ اقلیمِ عدم تک آپہنچے ہیں۔
 یعنی چونکہ عدم سے چل کر پھر عدم تک آپہنچے ہیں اس لئے اسے عمرِ گذشتہ تیرے قریب آپہنچے
 ہیں اس لئے تو ایک قدم ہمارے استقبال کے لئے آگے بڑھ ادرہم سے مل جاتا کہ پھر عیدِ
 طفلی و عہدِ شباب آجائے +

شب لطف و رُخ عرق فشاں کا غم تھا کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
 رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک ہر قطرہ اشک دیدہ پر نم تھا
 رات کو مجھے زلف و رخ عرق فشاں پار کی یاد آگئی میں اس کی تفصیل کیا بیان کروں
 کہ عجیب حالت تھی۔ میں صبح تلک ہزار آنکھوں سے رویا کیونکہ میرا ہر ایک آنسو زلف و رخ
 پار کی سیاہی و سپیدی کی مناسبت سے ایک آنکھ بن گیا تھا۔ اور چونکہ ہزاروں آنسو نکلے
 اس لئے ہزاروں آنکھوں سے رویا بگڑا اگر رویا کے معنی خواب لئے جائیں تو بھی لطیف
 معنی پیدا ہو سکتے ہیں +

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال
 تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی لڑکوں کے لئے گیا ہے کیا کھیل نکال
 جس طرح آتش بازی بچوں کا کھیل ہے۔ اسی طرح سوزِ جگر عاشق بھی معشوقوں کا کھیل
 ہے۔ موجدِ عشق بھی کوئی آفت کا پیر لاہی تھا کہ معشوق لڑکوں کے لئے اُس نے سوزِ جگر
 عاشق کی آتش بازی ایجاد کر دی + اردو شاعری چونکہ فارسی شاعری کی نقل ہے اس نے
 جہاں اردو شاعری نے فارسی شاعری سے ہزاروں خوبیاں حاصل کیں وہاں مرد کو معشوق
 بنانے کی بُرائی سے بھی ملوث ہوئی +

دل تھا کہ جو جان درد تہید سہی بتیابی رشکِ حسرت دید سہی
 ہم اور فسر دن اسے تجلی افسوس تکرار روا نہیں تو تجدید سہی
 پہلے ہمارے پاس دل تھا گرچہ وہ جان کے لئے درد جتیا کرتا تھا۔ مثلاً بتیابی رشک
 اور حسرت دید کی کلفتیں اٹھاتے تھے۔ مگر وہ مصائبِ غنیمت تھے۔ افسوس ہے کہ اب
 دل جاتا رہا تو ہم ہیں اور افسردگی اسے تجلی یا اگر تکرار ممکن نہیں تو تجدید ہی سہی یعنی اگر دل واپس
 نہیں آ سکتا تو درد ہی جتیا کر دے۔ تاکہ لذتِ درد پھر حاصل ہو جائے۔ افسردگی سے تو
 ہم نہایت عاجز آ گئے +

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لئے وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لئے
یعنی ہر بار صورت کا غرہ باد ملتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لئے
یہ حسد پیشہ اہل دنیا گویا لڑنے کے لئے خلق ہوئے ہیں۔ اور یہ دنیا کا وحشت کدہ
گویا لڑنے کا میدان ہے۔ یعنی یہ بد معاش (اراد اہل دنیا) پتنگ کی طرح ہر بار ایک دوسرے
سے لڑنے کے لئے ملتے ہیں +

دل سخت نثر ند ہو گیا ہے گویا اس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا
پیارے کے آگے بول سکتے ہی نہیں غالب مُنہ بند ہو گیا ہے گویا
ہمارا دل گویا یار سے سخت خفا ہو گیا ہے اور اس خفگی کی وجہ سے گویا گھٹے سکومے کرنا چاہتا ہے لیکن
مجھو ہیں یار کے سامنے بول ہی نہیں سکتے۔ اے غالب! ہمارا مُنہ بند ہو گیا ہے + مُنہ بند اور گویا میں تضاد ہے
دکھ جی کو پسند ہو گیا ہے غالب دل رُک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں سونا سو گند ہو گیا ہے غالب
میں غالب مجھے جی کو دکھ پسند آ گیا ہے اور جی یعنی دل رُک رک کے بند ہو گیا ہے۔ واللہ
کہ رات کو نیند آتی ہی نہیں۔ گویا سونا قسم ہو گیا ہے + واللہ اور سو گند کے الفاظ نے عجب کُلف
دکھایا ہے + (نوٹ) نسخہ مطبوعہ میں دوسرا مصرع اس طرح لکھا ہوا ہے دل رُک رک کر بند ہو گیا ہے
غالب اس طرح دو حرف وزن سے بڑھ جاتے ہیں علاوہ انہیں جب جی پہلے مصرعہ میں آچکا ہے
تو دل کی کیا ضرورت رہتی ہے) رُک کر بند ہونے سے زیادہ فصیح ہے +

مشکل ہے زبں کلام میرا ہے دل۔ سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل
اس اخیر کے مصرعہ میں دو معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر ان کی فرمائش پوری کروں اور
آسان شعر کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اقتضا کی خلاف ہے اور آسان نہ کہوں تو
یہ مشکل ہے کہ وہ بُرا مانتے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس بات میں صاف صاف بات

کہتا ہوں تو سخنورانِ کامل کی ناہمی و کسدِ ذہنی ظاہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو
آپ ملزم ٹھہرتا ہوں۔ پس ہر طرح مشکل ہے (از یادگار غالب) +

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ حجاز نے دال ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہِ پُوال
یہ شاہ پسند دال ہے بے بحث و جدال ہے دولتِ دین و دانش و داد کی دال
’دال‘ دوسرے اور چوتھے مصرعہ میں دلیل کرنے والی معنی دیتی ہے + صنعتِ سنجیدگی
ملاحظہ ہو + بادشاہِ مرحوم نے مرزا صاحب کے بچی ہوئی دال بھیجی تھی اس کا شکریہ ادا کیا گیا ہے +

ہیں شاہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم آثارِ جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم ہے اب کے شبِ قدر و دیوالی باہم
سافل۔ پست + بادشاہ میں آثارِ جلالی و جمالی یعنی صفاتِ ذوالجلالی باہم ہیں۔ ایک
شبِ قدر اور دیوالی ایک ہی روز آپڑی ہیں اس لئے عالی مرتبہ اور پست مرتبہ باہم کیوں شاد
ہوں + (عالی شبِ قدر کے لئے ہے) +

حق نشہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے تا شاہ شیوعِ دانش و داد کرے
یہ دی جو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ ہے صفر کہ افزائشِ اعداد کرے
یہ رباعی بادشاہ کی سالگرہ کی مبارکباد میں لکھی گئی تھی۔ ایک صفر گانے سے سو کے ہزار بن جاتے ہیں
اس رشتہ میں لاکھ تار ہوں بلکہ سوا اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا
ہر سینکڑہ کو ایک گرہ فرض کریں ایسی گرہیں ہزار ہوں بلکہ سوا
یہ رباعی بھی سالگرہ کی مبارکباد میں ہے +

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں عشاق کی پریشانی سے بے غار نہیں
جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا کیونکہ کانوں کہ اُس میں تلوار نہیں
ہاتھ اٹھانا صحابہ ہے۔ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے یہ ایک دستبردار ہونا۔
دوسرا مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانا۔ یہاں دونوں معنی دے کر طائفہ پیدا کر رہا ہے +

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے
 کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے
 (صبح و شام کرنا - لیت و لعل کرنا) - اس رباعی میں میرزا نے غایت درجہ کی شوخی
 کی ہے۔ جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے۔ کہتا ہے کہ ہم ہر چند دربار کے با اختیار
 لوگوں کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں۔ مگر وہ ہماری کارروائی میں درنگ و لیت و لعل
 کرتے ہیں ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ
 کہ وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں
 چونکہ صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے تو خدا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ
 صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر کا اصل مقصود یہی ہے کہ کارروائی خلق میں جیسی لیت و لعل
 وہاں ہوتی ہے ایسی کہیں نہیں ہوتی کہ اکثر ساری عزائمید ہی میں گزر جاتی ہے اور مطلب
 حاصل نہیں ہوتا۔ (ازبادگار غالب)

سامان خور و خواب کہاں سے لاؤں آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
 روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن خشناہ و برہنہ آب کہاں سے لاؤں
 مطلب صاف ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں روزہ رکھنا میرا ایمان ہے مگر سامان
 عیش و آرام کہاں سے لاؤں۔ کہ روزہ رکھ سکوں۔

ان سیم کے بچوں کو کوئی کیا جانے بھیجے ہیں جو ارغماں شہ والانے
 گین کر دیوں گے ہم دعائیں سو بار۔ فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے
 بادشاہ نے سیم کے بچوں کا سالن بھیجا۔ اس کے شکریہ میں یہ رباعی لکھی ہے۔
 بڑا فیروزہ جو بیضوی شکل کا ہوتا ہے۔ وہ سیم کے بیج سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔

(ازبادگار غالب)

تمام شد